


حاصلات

تفسیر صدّیقی

مفسّر:

بحرالعلوم مولانا محمد عبدالقدیر صدّیقی حسرت رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب:

محمد عبدالاحد صدّیقی



حاصلات تفسیرِ صدّیقی

مفسّر:

بحرالعلوم مولانا محمد عبدالقدیر صدّیقی حسرت رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب:

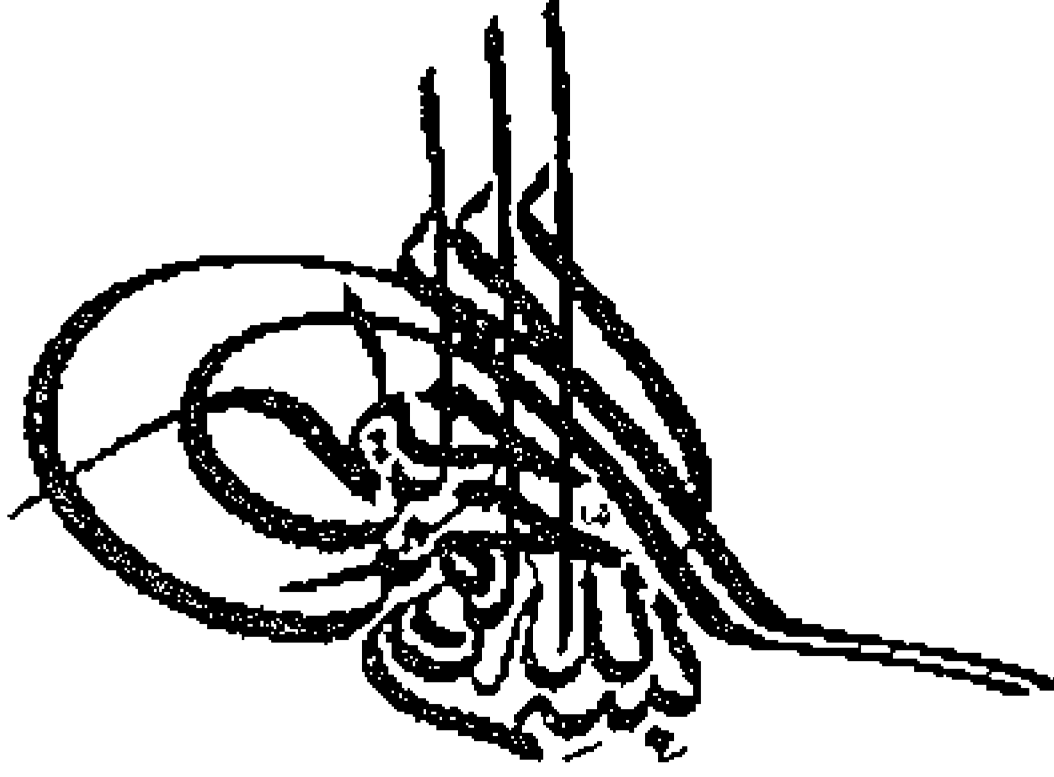
محمّد عبدالاحد صدّیقی

مکتبہ تعمیرِ انسانیّت
غزنی سٹریٹ
اردو بازار : لاہور

طابع : محمد سعید اللہ صدیق
بن شیخ محمد قمرالدین مرحوم
ناشر : مکتبہ تعمیر انسانیت۔ لاہور
مطبع : عرفان افضل پرنٹرز۔ لاہور
طبع : اوّل ۲۰۰۷ء

ISBN: 969-8980-03-2

کتابت وطباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط اختیار کی گئی ہے۔ تاہم اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم واپس کر دیں تاکہ درست کر دیا جائے۔ اغلاط کی نشاندہی کے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ ناشر



انتساب

(dedication)

☆ اس مجموعہ کو میں اپنی والدہ، محترمہ واعظہ حفصہ رحمۃ اللہ علیہا کے نام سے منسوب کرتا ہوں جنہوں نے میرے رجحان کو بچپن ہی سے مولانا محمد عبدالقدیر صدیقیؒ کی تعلیمات کی روشنی میں ڈھالنے کی سعی کی۔اور اس کتاب کے انتساب میں اپنے محترم چچا اور father-in-law جناب ڈاکٹر کرنل موسیٰ عبدالرحمٰن صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (تمغۂ امتیاز) کو بھی شامل کرتا ہوں کہ جن کے فیضِ صحبت نے مجھے ان کاموں کا شعور اور حوصلہ بخشا۔

محمد عبدالاحد صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارش

☆ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی رحمتہ اللہ علیہ ایک جیدّ عالمِ دین تھے۔ آپ کا شمار استاذ العلماءؑ میں کیا جاتا ہے۔ آپ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے Dean Faculty of Islamiat رہے۔ آپ نے دین کے ہر شعبے سے متعلق کم و بیش 40 تصنیفات تحریر فرمائیں جن میں 3 معرکتہ الآرا تصانیف "حکمتِ اسلامیہ"، "ترجمہ فصوص الحکم" اور "تفسیر صدیقی" بہت مشہور ہیں۔

☆ مولانا محمد عبدالقدیر صدیقیؒ کی تحریر کردہ "تفسیر صدیقی" کُل 6 جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حدیث کی تمام کتابیں اور ائمہ کے مذاہب، سب قرآن ہی سے ماخوذ ہیں۔ علاوہ ازیں، اس میں اختلافی مسائل پر معترضین کے لیے مدلل جوابات بھی ملتے ہیں۔ عہدِ جدید کے اہم مسائل مثلاً سود، دارالحرب، سرمایہ داری، اشتراکیت اور غلامی جیسے موضوعات پر بھی تفصیلی اظہارِ خیال موجود ہے۔ اس تفسیر میں نسخِ آیات کے مسئلہ کی تحقیق بھی شامل ہے اور تمام احکامِ قرآنی کی تفصیل بھی۔

☆ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فی زمانہ کتاب پڑھنے کا رجحان کم سے کم ہوتا جارہا ہے۔ پھر کئی جلدوں کے لیے وقت کا نکالنا تو اور بھی دشوار ہوگیا ہے۔ چناں چہ عمومی استفادہ کے پیشِ نظر مرتب کو خیال ہوا کہ کیوں نہ "تفسیر صدیقی" پر کچھ یوں کام کیا جائے کہ اس میں سے اہم موضوعات کو مختصر مضامین کی شکل دے کر پیش کیا جائے تاکہ اس کلاسیکل تصنیف کی مزید ترویج ہو سکے۔ توقع ہے کہ قارئین کو اس کتاب کا ہر مضمون بلکہ ہر ہر جملہ دعوتِ فکر و عمل دیتا محسوس ہوگا۔

☆ اس مجموعے میں اکثر تلخیص یعنی summarization سے کام لیا گیا ہے۔ لہٰذا ان مقامات پر یقیناً زبان کی وہ چاشنی نہ مل سکے گی جو مولانا صاحبؒ کے اپنے طرز بیان میں موجود ہے۔ اسی ضمن میں امکانات یہ بھی ہیں کہ کچھ ضروری نکات بھی کہیں چھوٹ گئے ہوں۔ قارئین اس مجموعے کو پڑھ کر مزید مطالعے کے لیے ترغیب پائیں تو انھیں اصل ریفرنس سے رجوع کرنا چاہیے۔ اسی طرح وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر عربی یا فارسی تراکیب پر مشتمل الفاظ یا اصطلاحات کی توضیح میں اکثر مقامات پر ان کے اردو یا انگریزی

متبادل کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ اگر اہلِ علم کہیں ان کو غیر معیاری محسوس کریں تو اس کوتاہی کو انھیں نظر انداز کرنا ہوگا۔ اس مجموعہ میں تفسیر کے لیے منتخب کی جانے والی قرآنی آیات اور ان کے ترجموں کو نہ صرف بڑے fonts میں پیش کیا گیا ہے بلکہ احتراماً انہیں box سے جدا بھی کیا گیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں طویل آیات کے لیے ان کی ابتدا اور اختتام ہی پر اکتفا کرنا پڑا اور درمیان میں dashes ڈال دیئے گئے ہیں۔ تاہم ہر ایک کے حوالہ جات موجود ہیں۔ مکمل آیات کے لیے قارئین سے درخواست ہے کہ وہ قرآن کے اصل متن سے رجوع کریں۔

☆ یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ مضامین کے آخر میں جو حوالہ جات درج کیے گئے ہیں وہ تمام تر ادارۂ اشاعتِ تفسیر صدیقی، کراچی کے زیرِ اہتمام طبع شدہ تفسیر کے پہلے ایڈیشن (مورخہ 1375 ۔ 1380 ہجری مطابق 1956 ۔ 1961 عیسوی) سے لیے گئے ہیں۔ مولانا عبدالقدیر صدیقیؒ نے کچھ موضوعات پر علٰحدہ مضامین کی شکل میں خود بھی وقتاً فوقتاً کتابچے بلکہ باقاعدہ کتابیں بھی جاری فرمائیں، اس مجموعے میں ان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ آخر میں عرض ہے کہ استادِ محترم پروفیسر حافظ محمد محمود حسین صدیقی، ڈائرکٹر سیرتِ طیبہ چیر، کراچی یونیورسٹی نے میری درخواست پر اس کتاب کے مسودہ کو بہ نظرِ غائر دیکھا اور کمپوزنگ میں رہ جانے والی غلطیوں کی اصلاح فرمائی۔ اس خصوصی عنایت کے لیے میں ان کا احسان مند ہوں۔ اس کتاب کی عمومی face lifting کے لیے میں نے عزیزم جناب ڈاکٹر معین الدین عقیل، پروفیسر شعبۂ اردو و ڈائرکٹر شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی کے تجربے سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ میری خواہش پر انھوں نے اس مجموعے کے لیے ایک "تعارف" بھی لکھا، جو شاملِ کتاب ہے۔ اس کے لیے میں ان کا بھی ازحد شکرگزار ہوں۔ تفسیر کے متن میں آنے والی قرآنی آیات کے حوالہ جات فراہم کرنے کے لیے مجھ سے جناب حافظ اویس احمد نے تعاون کیا۔ میں ان کا بھی بہت ممنون ہوں۔ اس سلسلے میں میرے بچوں کی طرف سے کمپیوٹر اور اس سے متعلقہ تمام تر لوازمات کی مسلسل اور تندہی سے فراہمی بھی لائقِ ستائش ہے کیونکہ ان سہولتوں کے بغیر اس کام کی تکمیل یقیناً آسان نہ ہوتی۔

مرتب

محمد عبدالاحد صدیقی

Dr. Moinuddin Aqeel
Ph.D. , D.Litt.

تعارف

- مولانا عبدالقدیر صدیقی حسرت" کو سابق مملکتِ حیدر آباد کے علمی و دینی حلقوں میں ایک معلم و مدرس اور مصنف و شاعر اور ان سے بڑھ کر ایک عالم اور ایک فاضلِ اجل صوفی بزرگ کی شہرت و توقیر حاصل رہی ہے۔ ایک عرصہ تک وہ جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر شعبۂ دینیات کی حیثیت سے منسلک رہے اور اس سے قبل مدرسۂ دارالعلوم حیدر آباد سے ، جہاں وہ طالبِ علم بھی رہے تھے ، منسلک ہوئے۔ یہیں سے انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے الحاق کے تحت علوم شرقیہ کے امتحانات کامیاب کیے تھے اور عربی و فارسی زبانوں میں کامل دستگاہ حاصل کی تھی۔ معاصرین میں جامعہ عثمانیہ کے اکابر مولانا مناظر احسن گیلانی ، مولانا الیاس برنی اور خلیفہ عبدالحکیم سے قرب رہا ، جو ان کے حلقہ ہائے درس میں شامل ہوکر ان سے استفادہ بھی کرتے رہے۔ ایک کثیر التعداد حلقۂ مریدین و تلامذہ کو اپنے رشد و برکات سے باریاب کیا کہ بعدِ وصال بھی ان کا فیض تا حال جاری ہے۔

- اگرچہ ان کی شہرت ، ان کے شغلِ تصوف و معرفت کے باعث ہوئی لیکن وہ معروف معنوں میں ایک تارک الدنیا صوفی بھی نہ تھے ، بلکہ واقعتاً ایک عالمِ باعمل اور جید معلم بھی تھے کہ جنھیں بجا طور پر علومِ دینیہ میں بحرالعلوم اور استاذ الاساتذہ بھی کہا گیا۔ وہ عربی، فارسی و اردو تینوں زبانوں پر عبور رکھتے تھے ، شعر بھی کہتے تھے اور تالیف و تصنیف کے وسیلے سے اپنا فیض عام کرتے تھے۔ شاعری میں " کلیاتِ حسرت" اردو کلام کا مجموعہ ہے۔ متعدد کتابیں یادگار چھوڑیں ، جن میں تفسیر قرآن ، جو "تفسیر صدیقی" کے نام سے موسوم ہے ، زیادہ معروف اور مقبول ہے۔ دیگر تصانیف میں" الدین" متعدد موضوعات پر آیاتِ قرآنی واحادیث کا مجموعہ ہے۔" حکمتِ اسلامیہ" اور "المعارف" تصوف کے موضوع پر مشتمل کتابیں ہیں۔ علم الکلام پر ایک جامع کتاب "معیارالکلام" ہے۔ ابنِ عربیؒ کی تصنیف" فصوص الحکم" کا ترجمہ و شرح بھی آپ کے علمی و فکری کام کا اہم حصہ ہے۔ الدین، حکمت اسلامیہ ، ترجمہ فصوص الحکم اور دیگر چند کتابیں داخلِ نصاب بھی رہیں۔

- آپ کا وصفِ امتیازی ، علوم دینیہ ، شاعری اور تصوف سے مستعار ہے لیکن ذوق و شوق ہمہ گیر اور متنوع تھا۔ ایک جانب خوش نویسی اور خطاطی و موسیقی جیسے فنونِ لطیفہ سے بھی شغف تھا تو دوسری جانب شمشیر زنی ، تیراندازی اور کشتی سے بھی شغل رہا۔ اپنے ذوقِ علمی ، مطالعہ کی وسعت اور لیاقت و استعداد کے باعث حکومت کے محکمۂ تعلیم کی تشکیل کردہ مجلسِ نصاب کے رکن بھی رہے۔ علامہ شبلی نعمانی اس مجلس کے سربراہ تھے ، جس کے سبب انھیں علامہ کی معیتیں اور صحبتیں بھی میسر رہیں۔ دارالعلوم اور جامعہ عثمانیہ سے وابستگی کے باعث آپ کے روز و شب علوم کی ترویج و تعلیم میں گزرتے رہے اور اکابر علماء و فضلاء آپ کے حلقۂ ارادت و صحبت سے فیض پاتے رہے۔

- آپ کی تصانیف آپ کی ذوقِ علمی اور فیضِ سلف کی یادگار ہیں۔ ان میں "تفسیر صدیقی" اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ عام فہم زبان میں ہے کہ ہر سطح کے قاری کے لیے استفادہ کا باعث ہے۔ پھر ترجمہ اور تشریح مطالب اس میانہ روی اور توازن کے ساتھ ہیں کہ کسی مسلک و عقیدے کے لیے نہ گراں ہیں نہ قابلِ اعتراض و تنقید۔

- یہ تفسیر ایک سے زائد بار شائع ہوچکی ہے اور ایک وسیع حلقے میں مقبول ہے۔ نفسِ مضمون کے لحاظ سے صراحت، تشریح اور تجزیہ اس کے امتیازی و نمایاں اوصاف ہیں۔ چناں چہ چھے جلدوں پر مشتمل اس کی ضخامت اس کا ایک ناگزیر پہلو ہے، جو آج کی مشینی زندگی میں بیشتر قارئین اور شائقین کے لیے اس سے متواتر یا مستقل استفادہ میں مانع رہتی ہے۔ فی زمانہ اب ایسی ضخیم تفاسیر کے مجمل اور ملخص متن مرتب کرنے کا رجحان کچھ عام ہورہا ہے اور یہ مستحسن اور ضروری بھی ہے تاکہ ایسی مفید تصانیف سے استفادہ آسان اور عام ہوسکے۔ لہٰذا "تفسیر صدیقی" کے ضمن میں اس ضرورت کو نبیرۂ حسرت جناب عبدالاحد صدیقی صاحب نے نہ صرف محسوس کیا بلکہ خود پیش قدمی کرڈالی اور اس تفسیر سے ایک ایسا جامع اور مربوط ملخص تیار کر ڈالا جو اس نوعیت کی کوششوں میں اپنی مثال آپ ہے۔

- یہ اس اعتبار سے منفرد اور حد درجہ مفید ہے کہ نفسِ مضمون کہیں حذف یا مجروح نہیں ہوا اور مطالب پوری طرح واضح بھی ہوگئے اور ابلاغ بھی مکمل ہوگیا۔ یوں عبدالاحد صاحب نے دراصل دریا کو کوزے میں سمو دینے کی ایک کامیاب مثال ہمارے سامنے پیش کی ہے۔ صاف لگتا ہے کہ یہ کوئی آسان کام نہ تھا جس سے وہ سہولت سے گزر گئے ہوں۔ انھوں نے زبان و اسلوب کو نہایت سادہ اور آسان رکھنے کی کامیاب اور مؤثر کوشش کی ہے اور جدید تعلیم سے فیض یافتہ قارئین کے لیے، جن کے لیے فارسی و عربی آمیز الفاظ تو ایک طرف اردو کے علمی و اصطلاحی الفاظ کو سمجھنا بھی مشکل ہوتا جارہا ہے، ایسے الفاظ کے اردو یا انگریزی مترادفات کا خاص اہتمام کرکے مطالب اور نفسِ مضمون کو پوری طرح قابلِ فہم بنا دینا ایک کارنامے سے کم نہیں۔ پھر مزید یہ کہ ترتیبِ متن کے اہتمام میں اصل آیات کے ترجمے اور پھر تشریح و تفسیر میں جو زبان استعمال کی ہے اس کا مزاج اور اس کی نوعیت کو اصل مفہوم سے دور ہونے نہ دیا۔ جس سے صاحبِ تفسیر کا حقیقی پیرایۂ بیان اپنی تمام تر دل کشی کے ساتھ قائم رہا۔ یوں عبدالاحد صدیقی صاحب نے اس ضخیم تفسیر کے تمام متعلقات و لوازم اور تصریحات و تشریحات کو دل نشین اسلوب میں اس طرح منتقل کردیا ہے کہ تاثیر کم نہیں ہوتی اور نفسِ مضمون اپنی پوری معنویت اور افادیت کے ساتھ قارئین تک منتقل ہوجاتا ہے۔ پھر ہر مقام پر اصل متن کا حوالہ اس طرح درج کردیا ہے کہ ضرورتاً اصل متن سے رجوع یقینی رہے۔

- اپنے ان اوصاف کے باعث زیرِنظر "حاصلاتِ تفسیرِ صدیقی" میں، ہماری آئے دن کی بڑھتی ہوئی مصروفیات اور وقت کی کمی کے تناظر میں موجودہ اور آیندہ نسلوں کو ان کی ضرورتوں اور ان کے فہم اور لسانی استعداد کے عین مطابق عبدالاحد صاحب نے مضامین کا ایک ایسا مجموعہ مرتب کردیا ہے کہ جو سہل و آسان اور جامع و مفید بھی ہے اور ساتھ ہی تمام مسالک کے قارئین کے لیے جاذبِ توجہ اور قابلِ مطالعہ بھی۔ اپنی اس کوشش پر وہ علمی دنیا کی جانب سے استحسان و تشکر کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل
پروفیسر شعبۂ اردو و ڈائرکٹر شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ
کراچی یونیورسٹی، کراچی

ترتیبِ مضامین

01 - اللہ ھو

☆ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۚ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ

☆ تم کہو وہ اللہ ہے بالکل ایک ہے۔ ☆ اللہ بے نیاز ہے۔ ☆ نہ اس کے اولاد ہے اور نہ ماں باپ۔ ☆ اور کوئی اس کا کفو نہیں بالکل ایک ہے۔ (سورۃ الاخلاص آیت 1 تا 4)

- کفار نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ تمہارا اللہ کیسا ہے۔۔۔؟ اس کے صفات کیا ہیں۔۔۔؟ تو یہ سورۃ نازل ہوئی۔

- یہ لفظ ھو ہی قابلِ غور ہے۔ دیکھو! اس کے حرف 'ھا' کا مخرج انتہائے حلق ہے جب کہ اس کے حرف 'و' کی ادائیگی ہونٹوں سے ہوتی ہے۔ یوں اس میں ایک طرح کا اشارہ ہے کہ وہ ابتدا اور انتہا سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی شے اس سے خارج نہیں۔

- اب ذرا اس کے معنی کی تفصیل میں جاتے ہیں۔ ھوَ کے معنی ہیں وہ، وہ چیز۔ چیزیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ (1) واجب: جس کا ہونا ضروری ہے۔ اور (2) ممکن: جس کا ہونا بھی ممکن ہو اور نہ ہونا بھی ممکن یعنی ہونا نہ ہونا برابر۔ یوں اصلی اور بالذات کیا چیز رہ گئی؟ ۔۔۔ "واجب الوجود"۔ پھر ممکن کے ساتھ واجب سے مخلوق ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے تو وہ ممکن باقی کب رہتا ہے۔۔۔؟ غور کرو کہ تالے میں چابی پھرتی ہے لیکن کب، جب کہ اس کے ساتھ ہاتھ کی قوت لگی ہوئی ہو، ورنہ وہ بذاتِ خود تو ساکن ہے، بے حرکت ہے۔

- ھو یعنی 'وہ'، اول میں بھی ہے اور آخر میں بھی۔ درمیان میں صرف واسطے ہیں، اسباب ہیں۔ اگر علت (source) پوچھو تو بالآخر 'وہ' ہی ہوگا۔ دیکھو! جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ روتا ہے اور منہ کھول کر چاروں طرف دیکھتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی ہے جو میرے کام آئے گا، میری فریاد ضرور سنے گا۔ مجھے دودھ دے گا۔ پھر جوں جوں بڑا ہوتا ہے اپنی ماں کو رزاق اور رب سمجھتا ہے۔ تھوڑا اور بڑا ہوتا ہے تو اپنے باپ کو رب خیال کرنے لگتا ہے۔ اور مزید بڑا ہوتا ہے تو ملک چلانے والوں کی طرف توجہ

کرنے لگتا ہے۔ پھر کائنات میں نظر آنے والے مختلف عناصر میں اپنے معبود کو تلاش کرنے لگتا ہے۔ آخر میں تمام عالم کے محتاج الیہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اور یوں سارے جہاں کے معبود کی طرف رجوع کرلیتا ہے۔ گویا ہر قدم پر ایک معبود یا محتاج الیہ متعین کرتا ہے۔ اس تعین (assessment) میں غلطی بھی کرتا ہے۔ دیکھو! معبود کے لیے اس کی یہ طلب ، فطری ہے ، اور اس کا تعین عقلی۔ تعین میں غلطی لگتی ہے مگر جب تمام تعینات سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے تو اصلی اور حقیقی معبود کی طرف راہ نکل آتی ہے۔ لیکن کیا سمجھ پاتا ہے؟ بس اتنا کہ " وہ ہے" --- اور اس کا یہ ' ہے ' ہی "وجود" پر دلالت کرتا ہے۔

- سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا اس وجود سے پہلے بھی کچھ ہوگا؟ --- یقیناً وجود ہی ہوگا۔ پھر سوال یہ بھی آتا ہے کہ کیا اس وجود کے بعد کچھ رہے گا؟ --- تو جواب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وجود ہی ہوگا۔ گویا وجود تو ایک ہی شئے ہے۔ اس طرح وجود سے پہلے وجود یا بعد میں وجود تو مہمل یعنی بے کار سی بات ہوئی۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ وجود ، ازلی اور ابدی ہے۔ اسی طرح وجود کے مقابل (in opposition to) دیکھا جائے کہ کیا ہو سکتا ہے؟ --- اگر کچھ ہو سکتا ہے تو صرف عدم یعنی nothingness ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن عدم اور ہونا---! یہ تو ناممکن اور بالکل ہی بے کار بات ہے۔ سو 'وجود' ایک ایسا یقینی اور قطعی امر ہے کہ اس میں کسی کو شک نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا کہ تم اس کو جتنا بیان کرنا چاہو گے یہ چھپتا ہی جائے گا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جس کی حقیقت بیان نہیں ہو سکتی اس کی تعریف اس کے لوازم یعنی اس کے متعلقات (attachments) ، اضافیات (appendages) یا ماتحتین (dependants) سے ہو گی۔ لہٰذا اس ذات حقہ کی تعریف صرف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ' وہ کسی کا محتاج نہیں ، سب اس کے محتاج ہیں ، وہ سب کا سبب ہے لیکن خود کسی کے سبب نہیں ، وہ تمام نقائص سے پاک ہے ، وہ تمام صفاتِ کمالیہ کا مجموعہ ہے اور اس ذاتِ واحد کا نام' اَللّٰہ ' ہے'۔

- اللہ کے معنی معبود کے ہیں۔ بعض کے پاس اس کے معنی اُس ذات کے ہیں جس کی طرف بے قرار ہو کر دوڑیں۔ اِلٰہ پر الف اور لام لگایا گیا۔ اَلاِلٰہ ہوا۔ جو الف کی تخفیف اور لام میں ادغام کے بعد اَللّٰہُ ہوا۔ اب لفظ اللہ ، خدائے تعالیٰ کا شخصی نام ہوگیا۔ وہ ، اَحَدٌ ہے ، بالکل ایک۔ ناقابلِ تقسیم۔ اس کی ذات میں کثرت کو دخل ہی نہیں۔ اسی طرح خدا اور غیرِ خدا میں کوئی چیز مشترک نہیں۔ پھر کہاں ماں باپ ، کہاں بیوی اور بچے اور کہاں کوئی برابر والا ---!

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 30 صفحہ 193 تا 197 ، 201 اور 202 ٭

02 - توحید

☆ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط

❁ اللہ اور فرشتے اور اہلِ علم سب گواہی دیتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں وہ عدل پر قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود ہے ہی نہیں وہ عزیز و حکیم ہے۔ (سورۃ ال عمران آیت 18)

☆ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۔ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ط

❁ اور تین نہ کہو (تین اللہ نہ کہو)۔ اپنی بھلائی کے لیے اس سے باز آجاؤ۔ سب کا معبود ایک اللہ ہے۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کو اولاد ہو۔ (سورۃ النسآء آیت 171 کا حصہ)

- صاحبو! پہلے زمانے کے بت پرستوں کا یہ خیال تھا کہ ہر کام کے لیے ایک معبود ہے، ایک دیوتا ہے۔ مثلاً مکانات کے لیے زحل، جنگ کے لیے مریخ، علم کے لیے مشتری، موسیقی کے لیے زہرہ، انشاءپردازی اور رسل و رسائل کے لیے عطارد۔ سورج کو وہ اپنا سب سے بڑا دیوتا سمجھتے۔ چاند میں ایک بوڑھی چرخہ کات رہی ہوتی۔ مشتری کو سعدِ اکبر (most favorable) اور زہرہ کو سعدِ اصغر یعنی promising خیال کرتے۔ جبکہ وہ زحل کو نحسِ اکبر یا very unlucky اور مریخ کو نحسِ اصغر یعنی ill-fated سمجھتے۔ ایک خدا کے کوئی قائل نہ تھے۔ اِس وقت بھی ہندوؤں کا مذہب قریب قریب یہی ہے۔ بعض خدا، جیو اور مادہ اور آکاش کے قائل ہیں۔ اور بعض باپ، بیٹا اور روح القدس کے۔ اس قسم کے خیالات اب بھی باقی ہیں۔

- وجود 'بالذات' تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ 'بالعرَض' (☆) ہے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ 'ذات بالذات' اللہ کی، 'وجود بالذات' اللہ کا اور 'حیات بالذات' صرف اور صرف اللہ کی

(☆) بالعرَض: وہ چیز جو بذاتِ خود قائم نہ ہو بلکہ دوسری چیز کے ساتھ مل کر پائی جائے۔

ہے تو ان غیر موحدوں کی سمجھ میں نہ آتا۔ وہ یہ کہنے لگتے کہ کیا ایک اللہ یہ سب کام کرلیتا ہے۔۔۔؟ سورۃ صٓ کی آیت 5 کے مطابق وہ یہ بھی کہتے کہ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ یعنی یہ تو بڑے ہی اچنبھے کی بات ہے ۔۔۔!

- دوسری طرف سوفسطائی (sophist - fallacy philosopher) کا کہنا ہے کہ یہ دنیا سب جھوٹ ہے نرا خیال ہے۔ غورکرو ۔۔۔! دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہے کیا نرا خیال ہے یا کچھ واقعیت بھی رکھتا ہے؟ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں کیا سب بالعرض ہی بالعرض ہیں یا ان میں کوئی بالذات بھی ہے؟ ۔۔۔ ہمارے پاس کوئی بالعرض ، بغیر بالذات کے نہیں ہوسکتا۔ اور وہ بالذات کون ہے؟ ۔۔۔ وہ خدا ہے جو ان سب سے جدا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وجود ہی خود خدا کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس کا وجود سراجِ منیر ہے ، روشن چراغ ہے ، واضح ہے۔ اس کو کسی دلیل کی روشنی میں دیکھنے کا ارادہ کرنا غلطی ہے ، حماقت ہے۔

- فرشتے چونکہ مادیات سے پاک ہیں اس واسطے وہ اپنے پورے یقین کے ساتھ توحید کا اقرار کرتے ہیں۔ جن انسانوں کو اللہ نے علمِ صحیح عطا فرمایا ہے وہ بھی توحید ہی کے قائل ہوں گے۔ مگر کوئی ان مادہ پرستوں سے بھی پوچھے کہ سائنس کی رُو سے مادّہ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ جس حال پر ہے اسی حال پر رہے گا۔ متحرک ہے تو متحرک ہی رہے گا تا وقت یہ کہ کوئی اس کو ساکن نہ کرے۔ اور اگر ساکن ہے تو ساکن ہی رہے گا جب تک کہ کوئی اس کو متحرک نہ کردے۔ کیونکہ اس کی یہ کیفیت اس کے خواص میں سے ہے۔ علم ، ارادہ یا اختیاری حرکت تو مادّہ کی صفت ہی نہیں۔ علم ، غیر مادّی صفت ہے اور اس کا ایسا ہونا ذاتِ حق کی طرف راستہ نکالتا ہے۔ دیکھو! گھروں میں نل کی ٹونٹیوں سے پانی کا نکلنا اس کے origin یعنی reservoir کے پانی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح ہم سب کا علم رکھنا ، اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے ، جبکہ خود اس کا علمِ ذاتی اس کی اپنی ذات بالذات پر دلیل ہے۔ تمام عالم پر کوئی غور کرے کہ اس کا کوئی نظام ہے بھی یا یوں ہی گڑبڑ کے ساتھ یہ دنیا چل رہی ہے۔ نہیں ، ہرگز نہیں۔ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک مکمل نظام کے تحت ہورہا ہے۔ اس پر سب کو اتفاق ہونا چاہیے کہ دنیا میں کوئی چیز اتفاقی یعنی by chance نہیں۔ سب قدرت کے قانون کے تحت ہو رہا ہے۔ رب العالمین ، تختِ عدالت پر قائم ہے۔ کتنی بڑی ناانصافی ہوگی اگر کوئی اس کو ناانصاف سمجھے۔

وہ حق ہے۔ اس کا ہر کام حق ہے اور عین حکمت کے مطابق بھی۔ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ الْعَزِیزُ الْحَکِیْمُ۔

- دیکھو! خطِ مستقیم ایک ہوتا ہے اور منحنی خطوط کئی ہوسکتے ہیں۔ صراطِ مستقیم اور مذہبِ حق بھی ایک ہی ہوتا ہے۔صراطِ مستقیم چونکہ چھوٹا بھی ہوتا ہے اس لیے اس کا طے کرنا آسان ہوتا ہے۔ تمام مذاہبِ حق ایک ہی ہیں۔ تمام پیغمبروں نے توحید ہی کی تعلیم دی ہے۔ تمام پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جو کچھ فرمایا اس سے پیغمبر اور سچے مذہب والے کو کچھ اختلاف نہیں۔ البتہ احکام ، ضرورتوں کے مطابق دیئے جاتے ہیں۔ حالات بدل جاتے ہیں تو احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ مذاہبِ مختلفہ میں جو کچھ غلط فہمیاں ہورہی ہیں ان کو اسلام صاف کر رہا ہے۔ اور حقیقت کے منھ پر سے پردہ اٹھا رہا ہے۔

- صاحبو! موجود بالذات جو اصلی وجود رکھتا ہے ، اللہ ہے ، جو ایک ہے۔ اللہ کے ساتھ اس کے اسماء و صفات بھی ہیں جو مستقل وجود نہیں رکھتے۔ یہ سمجھ میں بھی آنے کی چیز ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ نے تمام چیزوں کو جان کر پیدا کیا ہے ، یہ نہیں کہ پیدا کرنے کے بعد جانا ہو۔ وہ تمام چیزیں جو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھیں ، ان کو حقائقِ اشیا ، حقائقِ ممکنات ، طبائع ، جائزات یا اعیانِ ثابتہ کہتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم چیزیں تمام کی تمام موجود نہیں ہوگئیں۔ بلکہ یہ صرف اسی وقت موجود ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کو "کُن" کا حکم دیتا ہے۔ عیسائیوں کے پاس (1) باپ ، (2) بیٹا ، اور(3) روح القدس کا تصور ہے۔ ہندوؤں کے پاس (1) خدا ، (2) مادّہ اور (3) جیو ہے۔ اور بعض کے پاس آکاش یعنی وسعتِ علم بھی ہے۔ تحقیق نہ رکھنے اور غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے یہ تثلیث (trinity) کے دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ اللہ کو وہ باپ کہتے ہیں۔ عینِ ثابت کو بیٹا اور حقائقِ اشیا کو مادّہ کہتے ہیں۔ تجلیِّ اسماء کو روح القدس اور جیو کہتے ہیں۔ وسعتِ الٰہی کو آکاش اور خلو کہتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ، اِنْتَھُوا خَیْرًا لَّکُمْ ،تم اس تثلیث کے گورکھ دھندے سے نکلو ، یہ تمھارے لیے خیر ہوگا۔ تم کو ایک خدا بس ہے۔ وہی کارساز ہے۔ یاد رکھو! جس کا وجود ، بالذات نہیں ، اس کی حرکت بالذات کیسے ہوگی؟ یہ جان لو کہ تم کو اور تمھارے تمام کاموں کو خدا ہی نے پیدا کیا۔

- بُت پرست دیو کے بھی قائل ہیں اور دیوی کے بھی۔ ان کے پاس ہر کام کے لیے ایک بُت ہے۔ انہوں نے عالمِ مثال میں کچھ دیکھ لیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات کی تجلی ہوگئی۔ بس قیامت ہی ہوگئی!

عمر بھر اسی کو پکڑ کر بیٹھ گئے۔ دوسرے ہزار ہا تجلیات ہوں۔ یہ کب مانتے ہیں! بس ایک صورت کو پکڑ لیا اور لگے اس کو پوجنے۔ ایک صورت کو ماننا ، اور دوسری صورتوں سے انکار۔۔۔! جو مرد دانا ہوتا ہے شعور رکھتا ہے ، ہزاروں صورتیں دیکھتا ہے لیکن کسی ایک صورت پر اڑ نہیں جاتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ اس کی تازہ تجلی دیکھنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اور ہمیشہ کہتا ہے۔

یہ سب روپ تیرے ہیں ، تو بہروپیا ہے
تو ہر رنگ میں رہ کے سب سے جدا ہے

۔ الغرض ، وجودِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ نہ اس سے پہلے کوئی ہے اور نہ کوئی اس کے بعد۔ نہ اس کا کوئی مثل ہے نہ اس کے مقابل۔ اس کا کوئی کفو نہیں۔ وہ بے مثل ہے ، بے نظیر ہے۔ وہ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْكَ لَہٗ ہے۔ دوسری طرف ہمارا وجود ، بالعرض ہے ، ممکن ہے بلکہ عدم ہے۔ جو کچھ ہے وہ وجود ہی کا کرشمہ ہے۔ علم کے مطابق قدرت کا تماشہ ہے۔ ممکن ، جس کا وجود و عدم برابر ہے وہ نہ پہلے کچھ تھا نہ اب کچھ ہے اور نہ آئندہ کچھ ہوگا۔ ہماری بالعرض پر کچھ ایسی نظر جم سی گئی ہے کہ بالذات کی طرف راستہ ہی نہیں ملتا۔۔۔!

بابِ وحدت کا بن گیا درباں
وہمِ باطل بھی کیا قیامت ہے

لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ ، یہ ہے تعلیم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کی۔
اور توحید ہی مسلمانوں کا اصلِ اصول ہے۔ اسی پر ہمیشہ قائم رہنا چاہیے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَآءِ کَمَا ھِیَ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِیْنَ.
اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا. وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ. وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً . وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ.

❊ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 86 تا 88 پارہ 6 صفحہ 19 تا 21 پارہ 23 صفحہ 74 پارہ 26 صفحہ 48

پارہ 27 صفحہ 34 اور پارہ 30 صفحہ 197 ❊

03 - احمد مصطفٰےؐ کی بشارت

☆ وَ اِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ

❀ اور جب عیسٰی ابن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف بھیجا ہوا خدا کا رسول ہوں (حالانکہ) میرے سامنے جو تورات ہے میں اس کی تصدیق کرتا ہوں (اس کو سچا مانتا ہوں) اورایک رسول کے میرے بعد آنے کی بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے۔ (سورۃ الصف آیت 6 کا حصہ)

☆ وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ

❀ اور یادکرو جب اللہ نے نبیوں سے عہدِ واثق لیا تھا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت سے سرفراز کروں پھر تمھارے پاس ایک ایسا رسول آئے جو تمھارے دین (اور رسول ہونے) کی تصدیق کرتا ہے تو تم اس پر ایمان لاؤ گے اوراس کی نصرت کرو گے۔

(سورۃ ال عمران آیت 81 کا حصہ)

- انجیلِ مقدس میں جنابِ عیسٰی علیہ السلام نے سرکارِ دو عالمؐ کے لیے جو پیش گوئی فرمائی اس میں 'احمد' کا لفظ ہے۔ جب کہ عیسائی لوگ اس کے قائم مقام کو بیان کرتے ہیں۔ اپنی زبان میں اس کے جو معنی ہیں ، اس کو ظاہر کرتے ہیں۔ کوئی احمد کی جگہ 'حمدت' کہتا ہے اور کوئی 'فارقلیط'۔ یہ تو نرے ترجمے ہیں۔ ان ترجموں کی مثال کچھ یوں سمجھو کہ جیسے کسی نے کہا ' چھپکلی آئی' اور ترجمہ کرنے والے نے lizard came کی بجائے اس کا لفظی ترجمہ concealed bud came کر ڈالا۔ تو بتاؤ کہ اس کا اصل مطلب کس طرح سے ادا ہوگا۔ یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ احمد ایک شخصی نام ہے۔ اور شخصی ناموں

کو جوں کا توں ہی رکھنا چاہیے ، نہ کہ اس کا ترجمہ کرنا چاہیے۔

- جب مدینہ کے یہود ، قبائل بنی اسعد ، بنی غطفان وغیرہ سے شکست کھا کر عاجز ہوئے تو اپنے علماء کی تعلیم سے یہ دعا کرتے تھے کہ " الہٰی! تو احمد النبی الامی اور ان پر نازل ہونے والی کتاب کی برکت سے ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتحیاب کر"۔

- بائبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ترانہ آج تک درج ہے کہ " وہ تو ٹھیک محمد ہے، میرا خلیل میرا حبیب یہی ہے"۔

- کتاب یعیاہ کی آیت 12/12 میں نمایاں طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ " ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ وہ اسے پڑھے"۔

- انجیل یوحنا کے باب نمبر 16 میں لکھا ہے کہ جناب عیسیٰؑ نے آسمان سے اٹھائے جانے سے پیشتر فرمایا "میں تمھیں سچ کہتا ہوں ، تمھارے لیے میرا جانا ہی سود مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاوں تو تسلی دینے والا تمھارے پاس نہ آئے گا۔ پھر میں اگر جاوں تو میں اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ وہ آکر دنیا کو گناہ سے ، راستی سے ، اور عدالت سے تصفیہ وار ٹھیرائے گا۔ گناہ سے اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے گا۔ راستی سے اس لیے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں ، تم مجھ کو پھر نہ دیکھوگے۔ عدالت سے اس لیے کہ اس جہاں کی سرداری پر حکم کیا گیا ہے۔ میری اور بہت سی باتیں ہیں جو میں تم سے کہوں گا مگر تم انھیں برداشت نہیں کرسکتے۔ لیکن وہ روحِ حق آجائے تو تمھیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی۔ اس لیے کہ وہ اپنی کہے گی ، جو کچھ وہ سنے گی کہے گی۔ وہ تمھیں آئندہ کی خبر دے گی اور انھیں دکھلائے گی"۔

- اولاً درج شدہ سورۃ ال عمران کی آیت 81 کے مطابق ، عالمِ مثال میں ، جہاں سب کی روحیں جمع ہوتی ہیں ، اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہدلیا تھا کہ جب محمد رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا زمانہ آئے اورتم اس زمانے کو پاؤ تو تم اس سیدالانبیاء کی تعظیم کرو ، ان پر ایمان لاؤ ، ان کی ہر طرح سے مدد کرو۔ تمام انبیاء نے اس کا اقرار کیا۔ جب پیغمبروں نے اس سیدالانبیاء کی برتری کا اقرار کرلیا اور ان پر ایمان لائے اور ان کی نصرت کا عہد کرلیا تو ان کے متبعین (followers) کو چاہیے تھا کہ ان کے پیغمبروں کی پیش گوئیوں کے مطابق 'سیدالانبیاء' کی نبوت کا اقرار کرتے ، ان کی اطاعت کرتے ، ان کے احکامات مانتے۔ یوں ، محمد رسول اللہ ﷺ کو نہ ماننا اور ان کی نافرمانی کرنا گویا تمام پیغمبروں کی نافرمانی ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 134 تا 136 پارہ 3 صفحہ 136 تا 138 پارہ 19 صفحہ 86 ، 87 اور پارہ 28 صفحہ 44 تا 47 ﴾

04 - شانِ محمدی ﷺ

☆ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط

محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں۔ (سورۃ الفتح آیت 29 کا حصہ)

☆ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلاَّ كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ط

اور ہم نے تم کو تمام دنیا کے لیے (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے تم (لوگوں کو) خوش خبری بھی دیتے ہو اور ڈراتے بھی ہو۔ (سورۃ سبا آیت 28 کا حصہ)

☆ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ط

جس نے رسول کی اطاعت کی تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(سورۃ النساء آیت 80 کا حصہ)

☆ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ط

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود و صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجو اور خوب بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب آیت 56)

- صاحبو! پہلے جو پیغمبر آیا کرتے تھے وہ خاص خاص قوموں کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ لیکن اب محمد مصطفیٰ ﷺ، عامۃ الناس کے لیے اور تا قیامت پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ سورۃ الاحزاب آیت 40 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " محمد تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبین ہیں (آخری پیغمبر ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہر شئے کو خوب جانتا ہے"۔ دیکھو! خاتم، مُہر کو کہتے ہیں۔ بعد کے لوگوں نے اس کے دو معنی پیدا کیے۔ ایک افضل کے اور دوسرے آخر (مُہر) کے۔ چنانچہ محمد ﷺ افضل الانبیاء بھی ہیں اور آخر الانبیاء بھی۔ لیکن صرف افضل الانبیاء کے معنی لے کر آخر الانبیاء سے انکار کرنا درست نہیں۔

- آج کل بے ادبوں کا بہت زور ہے۔ پیغمبر خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے برابر کا آدمی سمجھتے ہیں۔ یہ بد لگام موحد انمآ انا بشرٌ مّثلکمْ یعنی میں تمھارے مثل بشر ہوں ، کو لیے پھرتے ہیں اور اسی کے ساتھ یوحیٰٓ الیَّ (مجھے وحی آتی ہے ، اللہ کا پیغمبر ہوں) بھی موجود ہے (سورۃ الکھف آیت 110) ۔۔۔ اس پر ذرا بھی توجہ نہیں کرتے۔ دیکھو! ایک ما بہ الاشتراک ہے یعنی what is common کو دیکھا جاتا ہے ، اور ایک مابہ الامتیاز ہے جس سے فضیلت کا فیصلہ ہوتا ہے یعنی what is unique پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ کیا گدھے میں اور تم میں جوہریت ، جسمیت ، نمو اور احساسِ حیات مشترک نہیں۔ مگر تمھارا امتیاز تو عقل و فہم ہے۔ یا جیسے ابو جہل اور تم میں انسان ہونا مشترک ہے لیکن تمھارا اسلام ، ما بہ الامتیاز ہے۔ اسی طرح آدمی ہونا حضور ﷺ میں اور دوسرے آدمیوں میں بے شک مشترک بات ہے ، مگر صاحبِ وحی ہونا آپؐ کا مابہ الامتیاز ہے۔ اس ما بہ الاشتراک یعنی common کو کون بیان کرتے تھے۔ ابو جہل اور دوسرے کفار۔ وہ کہتے ، مال ھٰذا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَام وَیمشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ یعنی اس رسول میں کیا بات ہے، کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے، یہ تو ہماری ہی طرح ہے (سورۃ الفرقان آیت 7)۔ جب کہ مابہ الامتیاز یعنی distinctiveness پر کس کی توجہ اور نظر تھی۔ صدیق اکبرؓ ، عمر فاروقؓ ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ کی ۔۔۔ صدیق اکبرؓ فرماتے تھے "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" اور "اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ"۔ حضرت علیؓ نے تو ایک موقع پر ایک یہودی سے کہا "وَیْحَکَ اَنَا عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِ مُحَمَّدٍ" یعنی تجھ پر افسوس ہے، میں تو محمدؐ کے غلاموں میں کا ایک غلام ہوں۔

- ذرا شانِ محمدیؐ پر غور کرو اور دیکھو اللہ تعالیٰ تو ہم کو آپ ﷺ سے بات کرنے تک کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔ لا تجعلُوا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا ، پیغمبر کو ایسا نہ بلاؤ جیسا تمھارے میں کا بعض ، بعض کو پکارتا ہے (سورۃ النور آیت 63)۔ لا تَرْفَعُوْٓا اصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ، پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو (سورۃ الحجرات آیت 2) ۔ یہاں تک کہ آپؐ کی ازواجِ مطہرات کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ، اے پیغمبر کی بی بیو! تم اور عورتوں کی جیسی نہیں ہو (سورۃ الاحزاب آیت 32)۔

- صاحبو! آج کل تو حریت ، مساوات اور جمہوریت کا دور دورہ ہے مگر تم اسی دعوے کے ساتھ دنیا کے کسی بھی صدر یا وزیراعظم ہاؤس میں ذرا گھس تو جاؤ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ باہر کھڑے سپاہی تم کو "گردنی پلاؤ" کھلاتے ہوئے گیٹ کے باہر کر دیں گے۔ دیکھو! اگر کوئی بادشاہ اپنی مہربانی سے یہ کہہ دے کہ تم میرے بھائی ہو تو کیا تم بھی بادشاہ کو 'بھائی صاحب' کہہ کر پکاروگے ۔۔۔؟ بے ادب ، بے نصیب! اللہ کے حبیب سے ایسی بے ادبی تم کو نہ دین کا رکھے گی نہ دنیا کا۔

- سورۃ الفتح کی آیت 8 میں اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا ہے۔ یہ لفظ شاھدا ، رسول اللہ ﷺ کے علم کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ علم کیسا تھا؟ کن چیزوں کا تھا؟ یہ بات تشریح اور توضیح چاہتی ہے۔اس مقام پر بھی بے دینوں نے بہت زہر اگلا ہے۔ سنو اور غور سے سنو! سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ اللہ کا وجود بالذات ہے۔ اور رسول اللہؐ کا وجود ، بالعرض۔ اسی طرح اللہ کا علم بھی بالذات ہے۔ تو پھر کونسا مسلمان رسول اللہ ﷺ کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی سمجھتا ہے ۔۔۔؟ حقیقتِ خداوندی تو مخلوقات کے دائرۂ علم سے خارج ہے ، وہ غیب الغیب ہے ، وراء الوراء ہے۔

وحدت میں تیری ، حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال ، کہ صورت دکھا سکے

نتیجہ یہ نکلا کہ معلومِ نبی ، معلومِ الٰہی کے برابر نہیں ہوسکتا ۔۔۔ اتنا سمجھنے کے بعد کسی بھی ہوشمند کے پاس شرک و کفر کا دروازہ تو بند ہی ہوجاتا ہے۔ دراصل حضورؐ کے پاس جو کچھ ہے وہ سب عطیۂ الٰہی ہے۔ شانِ نبوت کو دیکھو۔ آپؐ فرماتے ہیں" اَللّٰہُ یُعْطِیْ وَ اَنَا قَاسِمٌ" اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ پھر ارشادِ خداوندی کی طرف بھی نگاہ ڈالو۔ وہ کہتا ہے۔ وماۤ اُوتیتم مّن العلم الاّ قلیلاً یعنی تم کو جو کچھ دیا گیا ہے(وہ علام الغیوب کا لحاظ کرتے) بہت قلیل ہے (سورۃ الاسراء آیت 85)۔ وعلّمك مالم تكن تعلم. وكان فضل الله عليك عظيمًا. اور تم کو جو کچھ معلوم نہ تھا ان سب کا علم تم کو دیا اور تم پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے (سورۃ النساء آیت 113)۔ صاحبو! ایک انسان کو دوسرے پر علم ہی سے فضیلت ہے۔ اور ہماری نظر میں تو حضورؐ کو دیا ہوا علم ہی سب سے زیادہ ہے۔

- اللہ تعالیٰ اپنی عنایتوں کا ذکر فرماتا ہے اور اپنے پیغمبر کی تعریف کرتا ہے تو فرماتا ہے رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِکُمْ. رسول تمہیں میں کا ہے ،تم میں اور اُس میں ہم جنسی ہے (سورۃ التوبۃ آیت 129)۔ اگر غیر جنس کا پیغمبر ہوتا تو اس کو تو تم سے ہمدردی ہوتی نہ محبت۔ وہ تو ایسا ہے کہ جس چیز سے تم کو تکلیف پہنچتی ہے اس سے اس کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ حدیث میں ہے" لَا یُشَاكُ اَحَدُکُمْ بِشَوْکَۃٍ اِلَّا وَاجِدُ اَلَمَھَا " یعنی تمھیں کانٹا نہیں چبھتا مگر یہ کہ اس کا درد مجھے بھی ہوتا ہے۔ دیکھو! دوسرے کی تکلیف سے اسی وقت تکلیف ہوتی ہے جب کہ اس کا علم ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حالات سے واقفیت ہے۔ اسی لیے وہ ہماری طرف سے دربارِ خداوندی میں گواہی دیں گے۔ آدمؑ کے لیے ہے کہ وہ سیدھی طرف اپنی نیک اولاد کو دیکھتے ہیں اور بائیں طرف بُری اولاد کو۔ اور یہ حکم دو چار کے متعلق نہیں بلکہ تمام اولاد سے متعلق ہے۔

جب آدمؑ کو اپنی اولاد کا علم ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کو اپنی ساری امت کا علم ہوا تو کیا تعجب کی بات ہے۔۔۔؟ ان لوگوں کا خیال نہایت قابلِ افسوس ہے جو شیطان کو تو ہمارے حال سے واقف ہونے کو جائز سمجھتے ہیں ، لیکن رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حال سے واقف ہونے کو ناجائز۔

☆ اب شانِ محمدیؐ کے ضمن میں سرکارِ دو عالم کے اپنے کچھ ارشادات

(1) " میں اللہ کے پاس اُم الکتاب و علم الٰہی میں اس وقت خاتم النبین تھا کہ جب آدمؑ ابھی آب و گِل میں تھے۔ اب میں تم کو ابتدائی حالت سے خبر دیتا ہوں۔ میں دعائے ابراھیمؑ ہوں جب کہ وہ بیت اللہ کی بنیاد بناتے وقت کہہ رہے تھے رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيهِمۡ رَسُولاً مِّنۡهُمۡ ، اے ہمارے رب بھیج ان میں ایک رسول بھی خود ان کی قوم سے (سورۃ البقرہ ، آیت 129) ، اور بشارتِ عیسٰیؑ ہوں ، اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے میرے وضعِ حمل کے وقت دیکھا تھا کہ ان سے نور نکل رہا ہے جس سے شام کے محل جو بصریٰ میں ہیں ، روشن ہوگئے"۔

(2) " اللہ نے مجھے پورے مکارمِ اخلاق کے ساتھ ، محاسنِ افعال کے ساتھ پیدا کیا"۔

(3) " لوگو! میرے لیے وسیلے کے لیے دعا کرو۔ وسیلہ، جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے جس کو سوائے ایک آدمی کے دوسرا نہیں لے سکتا ، میں امید کرتا ہوں کہ وہ شخص میں ہوں"۔

(4) " اور میں پہلا شخص ہوں جو تمام پیغمبروں سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں۔ اور میری شفاعت قبول ہوگی ، قیامت کے دن ۔۔۔ یہ واقعات ہیں ، فخر نہیں"۔

(5) " اور میں پہلا شخص ہوں جو جنت کے حلقے کو حرکت دے گا۔ کھڑکھڑائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ میرے لیے جنت کے دروازے کھول دے گا ، اور میں داخل ہوجاؤں گا ، اور میرے ساتھ مسلمانوں کے فقیر ہوں گے ۔۔۔ اور یہ بھی کچھ فخر نہیں ہے"۔

- ولید، قریش کے کافروں کا سردار تھا۔ وہ حاسد ، آنحضرت ﷺ کے متعلق کہتا تھا کہ " ان کی تو اولادِ نرینہ ہے ہی نہیں ، ان کا نام لیوا کون رہے گا؟ آج کل جو کچھ ہے یہ تو چار دن کی چاندنی ہے"۔ وہ ظالم کیا جانتا تھا کہ محمد ﷺ کے لڑکے اگر جیتے نہیں تو بیٹی اور نواسوں سے نسل چلے گی۔ ان کی روحانی اولاد سے ان کا نام برقرار رہے گا۔ حاسد دیکھے تو کہ اذان میں صبح و شام اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ بولنے والے کتنے ہیں؟ نماز میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ بولنے والے کتنے ہیں؟ اس طرح دن میں پانچ مرتبہ ان ہی کے نام کا نقارہ بجایا جاتا ہے۔ حج میں تو مظاہرۂ عظیم ہے۔ غلامانِ محمدؐ کا ہجوم ہے۔ کیا زبردست اجتماع ہے! یہ کس کی نام آوری کا کرشمہ ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ کی نام آوری کا۔

اسلام کا پرچم عالم پر اُڑوا دیا کملی والے نے
اللہُ اَحد کا نقارہ ، بجوادیا کملی والے نے

- محمد رسول اللہ ﷺ ، سید الانبیاء اور ختم المرسلین ہیں۔ آپؐ کا دین قیامت تک قائم رہے گا۔ آپؐ کو مانے بغیر کسی کی نجات نہیں۔ قیامت میں آدم اور بنی آدم ، آپؐ کے لواءِ الحمد کے نیچے رہیں گے۔ شفاعتِ عامہ آپؐ کا خاصہ ہے۔ آپؐ کے اُمتی رُو سیاہ نہ ہوں گے۔ آپؐ دلوں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ دیدارِ الٰہی سے ممتاز ہیں۔ اللہ نے اس دنیا کا سارا مَنڈن (عالی زیبائش) آپؐ ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔

- صاحبو! دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو شخص جتنا اپنے دوست کو چاہتا ہے اسی قدر اس کی یاد کرتا ہے۔ تم رسول اللہ ﷺ کو دوست رکھتے ہو اوران کو حبیب سمجھتے ہو تو رات دن درود پڑھو۔ جتنا ہوسکے صلوٰۃ و سلام بھیجو۔ درود میں صرف پیغمبر ہی کا نام نہیں اللہ کا نام بھی ہے۔ درود پڑھوگے تو اللہ کی بھی یاد ہوگی۔ اس کے رسول کی بھی یاد ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " لوگوں میں سے میری قربت اور شفاعت کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو مجھ پر زیادہ درود بھیجتا ہے"۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللهِ

﴾ حوالہ تفسیر صدیقی - سورہ الفاتحہ صفحہ 19 پارہ 1 صفحہ 180 ، 181 پارہ 5 صفحہ 62 ، 63 پارہ 11 صفحہ 38

پارہ 22 صفحہ 10 ، 14 ، 26 ، 54 پارہ 24 صفحہ 66 پارہ 26 صفحہ 54 تا 59 ، 80 ، 84 اور پارہ 30 صفحہ 128 ، 129 اور 185﴿

نعتِ رسول مقبول ﷺ

کیا پوچھتے ہو مرتبہ و شانِ محمدؐ
جبریلِ امیں خادم و دربانِ محمدؐ
کس دھوم سے معراج میں نکلی ہے سواری
حیراں ہیں رُسل دیکھ کے سامانِ محمدؐ
وہ قبر سے محشر میں بھی سرمست اٹھے گا
جو سونگھ لے گلدستۂ عرفانِ محمدؐ
یہ بادِ حوادث سے بجھے ہے نہ بجھے گی
ہے نور فشاں شمع شبستانِ محمدؐ
ہر پھول سے خوشبوئے ولایت ہے مہکتی
اے صلِ علیٰ بہجتِ بُستانِ محمدؐ
ہاں اے قدمِ شوق دکھا گرمیٔ رفتار
وہ سامنے تیرے ہے بیابانِ محمدؐ
شاہانِ جہاں اس کے قدم لیتے ہیں حسرتؔ
اللہ غنی رُتبۂ دربانِ محمدؐ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَزِدْ وَبَارِکْ عَلَیْہِ

٭ از مولانا محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؒ ۔ حوالہ کلیات حسرت صفحہ 14 ، 15 ٭

05 - آبشارِ رسالت ﷺ

☆ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ ط

❀ کیا ہم نے تمھارے لیے تمھارے سینہ کو کشادہ نہیں کیا۔۔۔؟ (سورۃ الم نشرح آیت 1)

- محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک ایک عظیم الشان آبشار کی مانند ہے۔ جس سے نکلنے والا ہر قطرہ کہیں پر آواز بن کر قاریوں کے گلے سے قرآن کی صورت میں سنائی دیتا ہے تو کہیں تجلی بن کر عاشقوں کے دلوں پر گرتا ہے۔ کہیں حرارت بن کر دلوں کو گرما دیتا ہے اور کہیں حرکت بن کر جاں بازی اور جاں نثاری پر آمادہ کر دیتا ہے۔ یہی آبشار ، روشنی بن کر اہلِ علم کے دلوں کو منور بھی کر دیتا ہے۔ اور کہیں اطمینانِ قلب بن کر بندۂ مومن کے لیے باعثِ تسکین بن جاتا ہے۔

- اسی آبشار کے فیوض و برکات کے نتیجے میں کچھ جامع القرآن بنے ، تو کچھ تجوید القرآن کے راوی ہوئے۔ کہیں محدث بنے ، تو کہیں صلوٰۃ وسلام اور اہم دعاؤں کے جمع کرنے والے نکلے۔ کوئی صحابی ہوئے تو کوئی ولی۔ کوئی مفسر نکلے تو کوئی فقیہ بنے۔ اسی آبشار کی برکتوں سے بیشتر اسلامی سلطنتوں کے فاتحین و غازی بھی پیدا ہوئے۔ اور کسی نے جاں نثار بن کر شہادت کا درجہ بھی حاصل کیا۔ ذیل میں درج یہ تمام نام اسی آبشار محمدیؐ سے نکلنے والے چند دمکتے نمونے ہیں۔

☆ جامع القرآن

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ط

جامع القرآن اول : حضرت ابو بکر صدیقؓ جنھوں نے اپنے زمانے میں تمام اصحابؓ سے جملہ آیات قرآنی حاصل کر کے ایک جگہ جمع فرمایا۔

جامع القرآن دوم : حضرت عثمان بن عفانؓ جنھوں نے حضرت ابو بکر کے جمع کردہ صحیفے کو سات مصاحف کی صورت میں لکھوا کر سات شہروں میں شائع فرمایا۔

دیگر : علی ابن ابی طالبؓ ، عبد اللہ ابن مسعودؓ ، زید بن ثابتؓ ، ابی بن کعبؓ

☆ روایت تجوید القرآن

اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ . اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ

حضرت عاصم کوفیؒ ، حضرت شعبہؒ ، حضرت حفصؒ

حضرت نافع مدنیؒ ، حضرت قالونؒ ، حضرت ورشؒ

حضرت ابو عمرو بصریؒ ، حضرت دوری بصریؒ ، حضرت سوسیؒ

حضرت ابن کثیر مکیؒ ، حضرت بزیؒ ، حضرت قنبلؒ

حضرت ابن عامر شامیؒ ، حضرت خلفؒ ، حضرت خلادؒ

حضرت علی کسائی کوفیؒ ، حضرت ابو حارث لیثؒ ، حضرت دوری علیؒ

☆ حدیث

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ط اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا ط

ام المومنین عائشہ صدیقہؓ ، عبداللہ ابن عمرؓ ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ، عبداللہ ابن مسعودؓ ، ابو ہریرہؓ ، امام مالک بن انسؒ (موطا شریف) ، امام محمد ابن الحسنؒ (موطا شریف) ، امام احمد بن حنبلؒ (مسند احمد) امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ (صحیح البخاری) ، امام مسلم ابن حجاجؒ (صحیح مسلم) ، عبداللہ بن محمد ابن ماجہؒ (سنن ابن ماجہ) ، عبدالرحمٰن احمد نسائیؒ (سنن نسائی) ، امام محمد بن عیسٰی ترمذیؒ (ترمذی شریف) ، سلیمان بن اشعثؒ ابو داوٗدؒ (سنن ابو داوٗد) ، شہاب الدینؒ (مواہب الدینہ) ، علی متقیؒ (کنز العمال) ، احمد بن حجر عسقلانیؒ (تہذیب التہذیب) ، شمس الدین ذہبیؒ (تذکرۃ الحفاظ)

☆ تفسیر القرآن

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ ط وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ
یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ، وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ط

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ

علامہ محمود زمخشریؒ (تفسیر کشاف) ، امام فخر الدین رازیؒ (تفسیر کبیر)

علامہ آلوسیؒ (روح المعانی) ، قاضی محی الدین محمد بیضاویؒ (معالم) ، علامہ نجم الدین نسفیؒ (تفسیر مدارک)

علاء الدین علی بن محمدؒ (لباب التاویل) ، امام جلال الدین سیوطیؒ (در منصور ، تفسیر جلالین)

☆ فقہ

فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ ؕ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ

ابو بکر صدیقؓ ، عمرابن الخطابؓ ، عثمان ابن عفانؓ ، علی ابن طالبؓ ، ام المومنین حضرت عائشہؓ

عبداللہ ابن مسعودؓ ، عبداللہ ابن عباسؓ ، زید بن ثابتؓ

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؓ کوفی (فقہ اکبر) ، امام محمد ابن الحسنؒ (سیر کبیر) ، امام ابو یوسفؒ

امام مالک بن انسؒ (موطا شریف) ، امام محمد ابن ادریس شافعیؒ (کتاب الام)

امام احمد بن حنبلؒ (مسند احمد)

☆ دعا

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

حضرت جزریؒ (حصن حصین) ، حضرت ملا علی قاریؒ (حزب الاعظم) ، حضرت امام جزولیؒ (دلائل الخیرات)
امام علی بن حسین زین العابدینؓ (صحیفہ کامل) ، حضرت محی الدین عبد القادر جیلانیؒ (فیوضات قادریہ)
حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ (مجموعہ ادعیہ و صلوٰۃ و سلام) ، حضرت ابوالحسن علی شاذلیؒ (الانوار القدسیہ
حزب البحر ، حزب النصر)

☆ جہاد

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ؕ

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ؕ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ؕ

حضرت ابو بکر صدیقؓ ۔ مرتدین سے جنگ ، زکوٰۃ پر اصرار

حضرت عمر ابن الخطابؓ ۔ فاتح بیت المقدس ، شام اور ایران

حضرت عثمان ابن عفانؓ ۔ اسلامی ریاست کی حدود میں بے پناہ اضافہ

حضرت علی ابن ابی طالبؓ ۔ فاتح خیبر

حضرت خالد بن ولیدؓ (مجاہد اعظم) ، حضرت عبیدہ بن جراحؓ (فاتح شام)

حضرت ابی وقاصؓ (فاتح ایران و عراق) ، حضرت عمرو بن العاصؓ (فاتح مصر)

دیگر مجاہدین اسلام

ولید بن مالک (خلیفہ بنی امیہ)، محمد بن قاسم (فاتحِ سندھ و ہند)، موسیٰ بن نصیر و طارق (فاتحِ اندلس) قتیبہ بن مسلم (فاتحِ ترکستان)، سلطان محمد خان (فاتحِ قسطنطنیہ)، نور الدین زنگی (صلیبی جنگیں) صلاح الدین ایوبی (صلیبی جنگیں)، سلطان محمود غزنوی (فاتحِ ہند)، شہاب الدین غوری (فاتحِ ہند) جلال الدین خلجی (چنگیزیوں سے جنگ)، علاء الدین خلجی (چنگیزیوں سے جنگ)

اور احمد شاہ ابدالی (مرہٹوں کو شکست)

☆ سلسلۂ خلافت و طریقت

يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۔ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ط

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے : سلسلۂ نقشبندیہ ، قادریہ ، شاہ مداریہ و شطاریہ

حضرت عمر فاروقؓ سے : سلسلۂ فاروقیہ و اویسیہ

حضرت علیؓ سے : سلسلۂ قادریہ ، چشتیہ ، سہروردیہ ، رفاعیہ وغیرہ

حضرت امام حسنؓ سے : سلسلۂ قادریہ و شاذلیہ

تختِ نشینِ ولایت : سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ ، شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ ، خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتیؒ ، احمد الکبیر الرفاعیؒ ، ابوالعباس احمد بدویؒ ، بہاء الدین محمد نقشبندؒ ، ابو الحسن علی شاذلیؒ جلال الدین مولانا رومؒ ، محی الدین علی بن محمد ابن العربیؒ ، بدیع الدین شاہ قطب مدارؒ ، علاء الدین علی صابرؒ ، نظام الدین محبوب الٰہیؒ ، خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ اور (محمد عبدالقدیر صدیقیؒ ۔ مرتب کے مرشد مکرم)

☆ رحمت للعالمین ﷺ کی ان ہی فیوضات میں بے شمار صوفیانِ کرام ، لا تعداد عاشقانِ رسول اور اُن گنت عبدیت میں ممتاز اصحاب بھی ہیں اور مدنیات ، اصلاح و ترقی و تمدن ، حفظِ امن اور حفاظتِ اقتدارِ اعلیٰ کے اہم ستون بھی۔ غرض سینۂ محمدیؐ اس قدر کشادہ ہے کہ اس میں جو کچھ ہے اس کو قیامت تک بیان کرو، ساری دنیا بیان کرے مگر یہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہ آبشار رہتی دنیا تک جاری و ساری رہے گا۔

(نوٹ : شرح صدر محمدی کے بیان میں مولانا محمد عبدالقدیر صدیقیؒ کے خیال میں ایک مثال مرئی و نمایاں ہوتی ہے جس میں سینۂ محمدی ﷺ سے نکلنے والے اس آبشار کا پانی ایک جھیل میں جمع ہوتا ہے۔ اس کے ایک جانب بند باندھا گیا ہے۔ اس میں قیامت تک بند نہ ہونے والے مختلف در ہیں جن میں دین اسلام کی خدمت کرنے والی ان اہم شخصیات اور ان کے مقام کا احاطہ ایک خوبصورت منظر نامے کی صورت میں کیا گیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر منظر نامہ یا اس کے تمام نام یہاں شامل نہیں کیے جاسکے۔ اس کے لیے قارئین براہ راست تفسیر صدیقی ملاحظہ فرمائیں۔ مرتب)

٥ حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 30 صفحہ 129 تا 139 اور مقدمہ صفحہ 1 تا 12 ٭

06 - اِنِ الحُکمُ اِلاّ لِلّٰہِ

☆ مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ط

۞ روزِ جزا کا مالک ہے۔ (سورۃ الفاتحہ آیت 3)

☆ هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ۔ هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّ خَيۡرٌ عُقۡبًا ط

۞ اُس وقت اللہ برحق ہی کی (بادشاہی اور) حکومت رہے گی۔ وہ بدلہ دینے کے لحاظ سے بھی اچھا ہے اورانجام دینے کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔ (سورۃ الکہف آیت 44)

- اللہ ہم سب کا مالک ہے۔ جزا و سزا دینے والا ہے۔ کس کے احکام کے مطابق؟ ۔۔۔ اپنے احکام کے مطابق۔ اُن احکام کے مطابق جو اس کے رسول کے توسط سے ہم تک پہنچے۔ اسلام میں حکم دینا صرف اللہ ہی کا حق ہے۔

- مسلم حکمِ الٰہی میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ بے حکمِ شرع کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ وہ غیبت نہیں کر سکتا۔ وہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کلماتِ کفر نہیں بک سکتا۔ جو جانور حرام کر دیئے گئے ہیں ان کو نہیں کھا سکتا۔ حتیٰ کہ رمضان شریف کے دنوں میں عام کھانا بھی، جب تک مغرب کا وقت نہ آ جائے، نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمان کا فعل اللہ کے تابع رہتا ہے۔ اِنَّ صلاتِیۡ و نُسُکِیۡ وَمحیَای و مماتِیۡ للّٰہ ربِّ العٰلمِین، یقیناً میری نماز میرے عباداتِ حج میرا مرنا اور جینا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے (سورۃ الانعام آیت 162)۔

- کیا کافر اور مسلمان مل کر ایک مشترک قوم بنا سکتے ہیں؟ ۔۔۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ نظریۂ اکثریت کا دام ہے جس سے کفار، نادان مسلمان یا قوم فروش اشخاص کو پھانستے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ قوم کی حکومت افراد پر رہتی ہے۔ افراد کی جان و مال سب قوم کی ملکیت رہتی ہے۔ جو حکم وہ دے، وہ واجب التعمیل ہوتا ہے۔ افراد چند آدمیوں کو پارلیمنٹ کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ اختلافی مسائل پر دست شماری ہوتی ہے یعنی ہاتھ گنے جاتے ہیں۔ اور پھر اکثریت پر احکام دیئے جاتے ہیں۔ مسلمان بھلا ان الحکمُ الاّ للّٰہ کا ماننے والا، حکمِ خدا کے خلاف کسی کا حکم کب مان سکتا ہے۔۔۔؟

چین و عرب ہمارا ، ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم ، وطن ہے سارا جہاں ہمارا

- مسلمان صرف خدا کا ہوتا ہے۔ منظّم ہو جائے تو بہت بڑی اجتماعی قوت اور عظیم قومیت رکھتا ہے۔ مگر افسوس موجودہ مسلمانوں نے نہ خود کو سمجھا نہ اسلام کو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کے خلافتِ الٰہی کے مدعی ہر جانب کافروں کی پوجا کر رہے ہیں۔ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تیار۔ نہ دین سے غرض نہ خدا و رسول سے مطلب۔

- بالآخر کیا ہو رہا ہے؟ --- وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ..ان پر ذلت و افلاس کی مار ماری گئی اور وہ اللہ کی طرف سے مستحقِ غضب ہوئے (سورۃ البقرہ آیت 61)۔

- صاحبو! ذرا اس پر غور کرو۔ دنیا میں انسان دھن دولت کماتا ہے۔ مکانات اور باغات بناتا ہے۔اور خیال کرتا ہے کہ اس کا یہ گھر اور باغ ہمیشہ قائم رہے گا۔ لیکن ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام جب چاہتا ہے انقلاب برپا کر دیتا ہے۔ تالاب ، کنوؤں اور نہروں کا پانی سوکھ جاتا ہے۔ گھر، چھتوں کو لے کر گر جاتے ہیں۔ تمام دھن دولت تباہ ہو جاتی ہے۔ انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔ وہ کفِ افسوس ملتا بیٹھا رہتا ہے۔ حکومت، اللہ کے سوا کسی کی نہیں رہتی۔ ہماری آنکھوں کے سامنے ہم نے کتنی عظیم الشان سلطنتوں کو ختم ہوتے دیکھا۔ گذشتہ جنگِ عظیم میں لاکھوں ہی نہیں کروڑوں آدمی مارے گئے۔ کتنی ریاستیں نابود ہو گئیں۔ معلوم نہیں کہ آئندہ اور کیا ہونے والا ہے۔ آج کی یہ سلطنتیں بھی باقی رہتی ہیں یا نہیں۔ یاد رکھنا ---! سب کچھ ہو سکتا ہے۔

- اللہ کی حکومت اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہے۔ وہ تھی ، ہے ، اور رہے گی۔ وہ برحق ہے۔اور وہی حق ہے۔ اللہ ہم کو غفلت کی نیند سے بیدار کرے۔

ہم سے لاکھوں ہی تری راہ میں برباد رہے
تو سلامت رہے کوچہ تیرا آباد رہے

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 9 تا 12 اور پارہ 15 صفحہ 104 ، 105﴾

07 - اسلام

☆ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ط

❁ بے شک دین تو اللہ کے پاس اسلام ہی ہے۔ (سورۃ ال عمران آیت 19 کا حصہ)

☆ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ط

❁ اور جو کوئی اسلام کے سوا اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں رہے گا۔

(سورۃ ال عمران آیت 85)

- آدم سے این دم تک ، اللہ کے پاس قابلِ قبول مذہب ، اسلام ہی ہے۔ اسلام کے معنی خود کو خدا کے حوالے کرنا ہے۔ اس کے سامنے گردنِ تسلیم جھکانا ہے۔ اس کے احکام کی اطاعت کرنا ہے۔ جب اسلام لوگوں کے ہاتھوں نسخ ، مسخ ، فسخ کردیا جاتا ہے تو اللہ پیغمبر بھیجتا ہے۔مگر یاد رکھو کہ جب دین کامل ہوجاتا ہے اور اس کا یہ کمال اپنی انتہا کو پہنچ جاتاہے تو نئے پیغمبر کی ضرورت نہیں رہتی۔

- صاحبو! آج کل بین الاقوامی مسلمانوں کا ایک فرقہ نکلا ہے ، جو ہندو ، مسلمان ، بدھ اور پارسی مذہب والے ، سب کو سچا سمجھتا ہے۔ درحقیقت وہ کسی کو سچا نہیں سمجھتا۔ ان کے پاس عقائد کی چنداں عزت نہیں۔ وہ کہتے ہیں کھاؤ ، پیو ، کسی کو تکلیف نہ دو ، جھوٹ نہ بولو ، چوری اور زنا کاری نہ کرو۔ چاہے اللہ کو برائے نام مانو۔ کئی خدا مانتے ہو تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں۔ اس سے پیشتر اسلام کو غیرِ اسلام سے ملانے کی بھی کوششیں کی گئیں۔سکھ ، کبیر ، پنتھی اور دروزی ، انہی کی یادگار ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ جب تک محمد رسول اللہ ﷺ کو دل سے قبول نہ کروگے ، ان کے مذہب کو نہ مانو گے اور حق کو دینِ محمدیؐ میں منحصر نہ مانو گے تو خَسِرَ الدُّنیَا وَ الْاٰخِرَۃَ ہو جاؤ گے۔

- دینِ اسلام ایک مکمل اور عام دین ہے۔اس کا مقصدِاعلیٰ ، توحید اور خدا کو ایک ماننا ہے۔ اسلام نہ کسی خاندان سے خاص ہے نہ اس میں ذات پات کا جھگڑا ہے۔ نہ کسی زبان سے خصوصیت رکھتا ہے۔ اسلام

کسی خاص ملک میں محبوس بھی نہیں ہو سکتا۔ اس میں تہذیبِ نفس اور مکارمِ اخلاق کے ساتھ ساتھ ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری قوانین موجود ہیں۔ اسلام ، حریت اور مساوات کو پیدا کرتا ہے۔ عورتوں کو جائیداد میں ملکیت اور وراثت کا حق بھی دلاتا ہے۔ اسلام میں ، قتل کرنا تو ایک طرف ، کوئی شخص خودکشی بھی نہیں کرسکتا۔

- ذرا غور کرو! شراب ، اسلام کے علاوہ کس مذہب میں حرام ہے ---؟ کیا طلاق اور خلع کے باقاعدہ قوانین کسی اور مذہب میں موجود ہیں ---؟ کیاعورت کا وارث ہونا اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب میں ہے---؟ اپنی ذات کو اعلیٰ اور دوسروں کی ذات کو ادنیٰ سمجھنا غیر مسلموں کے پاس ہے۔ اسلام میں تمام انسان آپس میں برابر ہیں۔ کوئی کسی سے بہتر ہے تو صرف اپنے اعمال کے لحاظ سے ہے۔ اختلاف ہے تو مسلم اور غیر مسلم کا۔ کیونکہ ہمارے پاس صحیح اعتقاد اور عملِ صالح کو بہت اہمیت ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (سورۃ الحجرات آیت 13)۔

- اسلام کی رُو سے ، مساوات کے معنی ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا نہیں ہے۔ عالم اور جاہل ، محنتی اور آرام طلب ، تندرست اور معذور ، قوی اور ضعیف ، ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ مساوات کے اصل معنی ہر ایک کو اس کا حق دینا ہے۔ جیسا کام ویسا انعام۔ مساوات تو عمل اور جزائے عمل میں ہے ، نہ کہ اندھیر نگری چوپٹ راج میں۔

- اسلام دنیا سے تفرقہ اور پریشانی دفع کرنا چاہتا ہے۔ اللہ ایک ، رسول ایک ، مذہب ایک ، قانون ایک اور پھر ایسا سیدھا سادہ مذہب کہ عقلِ سلیم مجبور ہے کہ اس کو قبول کرے۔ اسلام تمام عالم کو ایک انسان بنا دیتا ہے ، جسے انسانِ کبیر کہتے ہیں۔ یعنی ایسا انسان جو معاشرہ کے ہر فرد کی کسی بھی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرے۔ یہ ہے اسلام کی روح ---!

- بہر حال کامل دین ہے تو اسلام ہی ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ، آج میں نے تمھارے دین کو کامل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام اور پوری کردی اور دینوں میں سے تمھارے لیے اسلام کو پسند کیا (سورۃ المائدہ آیت 3)۔ جو اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو اپنا دین بنائے تو وہ اللہ کے پاس کبھی مقبول نہیں ہوگا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اور حیرانی میں ہوگا۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 88 ، 89 ، 140 ، 141 پارہ 6 صفحہ 35 تا 38

٭ پارہ 21 صفحہ 2 پارہ 22 صفحہ 54 اور پارہ 26 صفحہ 80

08 - مسلمان

☆ اَلاَ لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط

(خبردار) دیکھو! خالص اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔ (سورۃ الزمر آیت 3 کا حصہ)

- مسلمان کا نعرہ اور مقصدِ زندگی ، صرف یہی ایک کلمہ ہے۔ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

میں تو مسلمان ہوں صاحبِ ایمان ہوں
میرا خدا ایک ہے میرا نبی نیک ہے
ان کا محمد ہے نام ان پہ درود و سلام

☆ آج کے مسلمان تین قسم کے ہیں۔

(1) مذہبی مسلمان : یہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ نماز ، روزے اور دیگر احکامِ الٰہی کے پابند ہیں۔ احکامِ الٰہی کی ان کے پاس بڑی اہمیت ہوتی ہے۔

(2) قومی مسلمان : انھیں نماز روزے سے تو اتنی غرض نہیں ، لیکن یہ لوگ مسلمانوں کی خوش حالی اور عزت کے طالب ہیں۔ ان کے خیال میں افلاس ، دین و دنیا کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ یہ چندے دینے اور مسلمانوں کی طرف سے لڑنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے لیے قوت کی حالت میں اور حکومت میں رہنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

(3) بین الاقوامی مسلمان : ان کے پاس مسلمان صرف ایک قومیت کا نام ہے۔ ان کی قومیت میں رسول کو ماننا ضروری نہیں۔ اعتقاد کی کوئی اہمیت نہیں۔ نماز ، روزہ کوئی ضروری کام نہیں۔ بس ان کے نام بہ طور مسلمان ، رجسٹر مردم شماری میں لکھے جاتے ہیں۔

- سچے مسلمان کیسے ہوتے ہیں؟ ان کے اخلاق و عادات کیسے رہتے ہیں؟ ان کے اعمال و افعال کیا ہوتے ہیں؟۔۔۔ اس بارے میں مسلمان کی جامع تعریف سورۃ توبہ کی آیت 112 میں ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمان " توبہ کرتے ہیں (توبہ پر قائم رہتے ہیں) ، عبادت کرتے ہیں ، اللہ کی حمد و شکر ادا کرتے ہیں ، ہمیشہ روزے رکھتے ہیں ، اللہ کے سامنے گردن جھکاتے ہیں۔ زمیں پر سر رکھ دیتے ہیں اچھی بات کا حکم دیتے ہیں ، اور بُری بات سے منع کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کی معینہ حدود سے تجاوز نہیں کرتے اور ان کی حفاظت کرتے ہیں"۔

- صاحبو! مسلمان کی شناخت یہ بھی ہے کہ اللہ کا نام سنتے ہی اس کا دل کانپ اٹھے۔ قرآن کی آیتیں سنے تو اس کا یقین بڑھتا جائے نہ کہ شک پیدا ہو۔ اپنی کسی قوت پر اعتماد نہ کرے۔ اور کرے تو صرف اللہ پر۔ کامیابی کو اللہ کے ہاتھ میں سمجھے۔ دربارِ الٰہی میں پابندی سے حاضری دے۔ اور راہِ خدا میں اپنا مال صرف کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ اس کا ظاہر اور باطن دونوں اچھے ہونا چاہیے۔ اسے اللہ کے لیے ہمیشہ جان و مال دونوں سے حاضر رہنا چاہیے۔

- افسوس کہ بعض بھولے معترضین بلا تحقیق مسلمانوں کی اپنے بزرگانِ دین سے جو عقیدت اور محبت ہے ، قرآن کی کچھ آیات کے معنوں کو کھینچ تان کر ، اسے شرک قرار دیتے ہیں۔ دیکھو! شرک ظلمِ عظیم ہے۔ بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اتنا بڑا گناہ کہ اللہ تعالیٰ سب گناہ معاف کردے گا لیکن شرک کو کسی طور نہیں ۔۔۔ مگر جو لوگ خواہ مخواہ غریب مسلمان پر شرک کا لیبل لگا دیتے ہیں انھیں بھی یہ غور کرلینا چاہیے کہ ان کے اس اعلان کرنے کے بعد دو قباحتوں (harms) میں سے ایک لازمی ہے۔ اول یہ کہ اگر واقعی کسی مشرک ہی کو اس کا فاعل قرار دیا تو وہ یقیناً مشرک ہے اور مستحقِ عذابِ الٰہی۔ لیکن اگر کسی مسلمان کو جب کہ وہ اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کر رہا ہو ، کوئی اسے مشرک کہنے پر مُصر ہے تو یاد رکھو کہ وہ تو مشرک نہ ہوگا لیکن اس کا ردِعمل خود کہنے والے پر آجائے گا۔ لہٰذا ایسے گناہِ بے لذت سے دور رہنا چاہیے۔ دیکھو! عبادت اور تعظیم میں نمایاں فرق ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو بزرگوں کی تعظیم کی تعلیم دی ہے۔ بے ادبی ، شیطانی فعل ہے۔ بے ادب بے نصیب ، با ادب با نصیب۔

حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 13 ، 108 ، 109 پارہ 9 صفحہ 92 ، 93 پارہ 11 صفحہ 20 ، 21 اور پارہ 23 صفحہ 104 تا 106ﷺ

متفرقات - Miscellaneous

☆ یہ بات یاد رکھو کہ سب سے پہلے جو گناہ سرزد ہوا وہ حسد ہے جس کا شیطان نے ارتکاب کیا۔ حاسد ، محسود کو نقصان پہنچا سکے یا نہ سکے ، خود اپنے کو ضرور نقصان پہنچاتا رہے گا۔ آگ دوسرے کو جلائے یا نہ جلائے اپنے آپ کو جلاتی ہے اور گھل گھل کر راکھ ہو جاتی ہے۔

09 - شرک کیا ہے؟

☆ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ط

اور ہم تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ (سورۃ الفاتحہ آیت 4 کا حصہ)

☆ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً م بَعِيْدًا ط

بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کو چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جو اللہ سے شرک کرتا ہے وہ تو بے انتہا گمراہ ہے۔

(سورۃ النساء آیت 116)

- کئی خداؤں کا ماننا یا اللہ تعالیٰ کی خاص صفتوں کو کسی اور میں ماننا ، شرک ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو نہ ماننا یا خود اللہ تعالیٰ ہی کو نہ ماننا کفر ہے۔ یاد رہے کہ اہم ترین صفت "وجود بالذات" ہے۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی ذاتی وجود رکھتا ہے۔ دوسرے سب کے سب وجود ، اس کی ذات سے ہیں ، اس کا عطیہ ہیں۔ اسی طرح ، محتاج نہ ہونا ، اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اور اس کے سوا جتنے ہیں سب اس کے محتاج ہیں۔ سب کو اس کا محتاج سمجھنا ہی تو اللہ تعالیٰ کو ماننا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کو بھول جانا اور اس کو نہ ماننا یا برائے نام ماننا تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ یہ غفلت ہی مصیبت ہے اور مصیبتوں کو لانے والی ہے۔ اور یاد رکھو! شرک ، بغاوت ہے جب کہ دوسرے گناہ جرائم ہیں۔ جس طرح سرکار ، بغاوت کو معاف نہیں کرتی ، باغی کو پھانسی دے کر اس کا کام تمام کیا جاتا ہے ، اسی طرح شرک ناقابلِ معافی ہے۔ اور اس کی سزا خُلُوْدٌ فِي النَّارْ ، یعنی ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔

- مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالےٰ "واجب الوجود" ہے۔ یعنی اس کا وجود ضروری ہے اور "عدم" (نہ ہونا) ناممکن۔ اللہ تعالےٰ کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب 'ممکن' ہیں۔ ممکن کا وجود ، بالذات نہیں ہوتا۔ اگر وہ بالذات ہوتا تو اپنے وجود سے کبھی جدا نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسرے یہ کہ ہر ممکن سے پہلے بھی عدم ہے اور بعد میں بھی۔ چنانچہ اللہ کا وجود ، بالذات ہونا ہی اللہ تعالےٰ کی خصوصی صفت ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی اس صفتِ خصوصی کو کسی بندے یا مخلوق میں موجود سمجھنا دراصل شرک ہے۔

- اب اس پر بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ' ممکن ' میں یہ موجودہ صفات آئیں تو کہاں سے؟ ہم پر یہ کس کی حیات و علم کا پَرتو ہے؟ ہماری سماعت و بصارت کس کی ہے؟ یہ قدرت ہے تو کس کی ہے؟ ارادہ آیا تو کہاں سے؟--- درحقیقت یہ تمام وجودی صفات ، اللہ تعالےٰ سے حاصل ہوئی ہیں جو ' منبع وجود ' ہے۔

کونسی شئے ہے ، نہیں جو مجھ میں
اک طلسمات کا پتلا ہوں میں

- تو کیا ایسا سمجھنا شرک ہوا؟ --- نہیں ، بالکل نہیں۔ شرک تو اُس وقت ہوتا جب ہم کسی کو اپنے میں بالذات جانتے۔ جس کی اصل ہی عدم ، یعنی نہیں ہونا ہو ، پھر تو رہتا ہی کیا ہے؟ اس کے دونوں ہاتھ خالی ہیں --- ! مسلمان کے نزدیک 'ممکن' تو ہر آن ، ہر لحظہ فنا ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالےٰ ہی اس میں عارضی وجود عطا فرماتا جاتا ہے۔(اب تو موجودہ سائنسدان بھی ہمارے بدن کے اس خلیاتی نظام یعنی cells system کو جان چکے ہیں کہ جس میں ہر آن فنا اور ہر لحظہ تازہ وجود کا عمل جاری ہے۔ مرتب)۔ چناں چہ اللہ تعالےٰ ہی سب کا قیوم ہے۔

جو کچھ ہے وہ آقا کا ، کچھ نہیں بندے کا

- یاد رکھو! نسبت ، دو قسم کی ہوتی ہے۔ (1) نسبتِ حقیقی (2) نسبتِ مجازی ۔ اصلی موصوف کی طرف کسی صفت کو نسبت دینا ، نسبتِ حقیقی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہم کو پیدا کیا ، وہ دیکھتا ہے ، وہ قدرت والا ہے، وہ حَیّ ہے، وہ قیوم ہے وغیرہ ۔ یہ تمام صفتیں ، اسناد و صفتِ حقیقی ہیں ، true relations ہیں ۔ جب کہ کسی صفت کو موصوف کی طرف نسبت کرنا ، نسبتِ مجازی ہے۔'موسمِ بہار نے پھول پتے پیدا کیے' ، ' ہم زندہ ہیں' ، ' ہم جانتے ہیں' ، ' ہم سنتے ہیں' ، ' ہم دیکھتے ہیں' ، ' ہم میں قدرت ہے' ، ' ارادہ و کلام ہے' یہ سب کہنا اسناد و صفتِ مجازی ہیں ، illusive relations ہیں۔ نسبتِ مجازی سے شرک و کفر نہیں ہوتا۔ بات بات پر مسلمانوں کو بے سمجھے بوجھے مشرک اور کافر کہنا خود کو نشانۂ شرک و کفر بنانا ہے۔

- جہاں اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں سب کچھ ہے وہاں اس نے ظاہری اسباب بھی لگا دیئے ہیں۔ اور باطنی اسباب بھی۔ ان اسباب کا استعمال کرنا شرک نہیں۔ ہاں اس کو 'موثر بالذات' ماننا ، یعنی ان ہی اسباب کو سب کچھ جاننا شرک ہے۔

- سورۃ آل عمران کی آیت 49 میں عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کا تذکرہ ہے۔ اس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔ بات بات پر مسلمانوں کو مشرک کہنے والوں کے لیے اس میں تنبیہ ہے کہ بِاِذنِ اللّٰہ کہنے کے بعد وہ کام، وہ فعل، بالعرض ہو جاتا ہے اور مجاز میں داخل ہو جاتا ہے۔ نسبتِ مجازی سے نہ تو کفر ہوتا ہے اور نہ شرک۔ مٹی سے چڑیا کو پیدا کرنا، اس کا خالق ہونا اور مُردوں کو زندہ کرنا جب شرک نہیں تو دوسری نسبتیں کیوں کر شرک ہو سکتی ہیں ۔۔۔؟

- یہ بات یاد رکھو کہ " بِاِذنِ اللّٰہِ " سمجھنے والا کبھی مشرک نہیں ہو سکتا۔ مشرک کہوگے تو اس کا رَدِ عمل ہوگا۔ اور " فَقَدْ بَآءَ اَحَدُهُمَا " کے فرمانِ نبیؐ کی رُو سے تم خود شرک میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ ایک اور بات یہ بھی جان لو کہ ایک بار بِاِذنِ اللّٰہِ کہہ دینا ہر دفعہ بِاِذنِ اللّٰہِ کہنے کی ضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ یہ تو معمولی بلاغت کی کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ مسلمان کا اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ، یعنی بہار نے سبزی اگائی کہنا مجازی سند رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا کہنے والا خدا پرست ہے۔ ہاں البتہ مادہ پرست کا ایسا کہنا یقیناً اسنادِ حقیقی ہے۔

☆ شرک سے متعلق عام طور سے مختلف نوعیت کے کچھ سوالات بھی اٹھائے جاتے ہیں، جیسے۔

- سوال (1) کیا اللہ تعالےٰ کی صفاتِ عمومی، مثلاً علمِ غیب کا بندؔوں میں دیکھنا، شرک نہیں ۔۔؟

- جواب: علمِ غیب دراصل مجموعہ ہے علم اور غیب کا۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ ظاہر ہے کہ جس کا وجود بالذات ہے (یعنی اللہ تعالےٰ)، تو اس کا علم بھی ذاتی ہے۔ اور جس کا وجود بالعَرَض ہے تو اس کا علم بھی بالعرض ہے۔ اسی طرح ممکن و مخلوق کا علم بھی بالعرض ہوا۔ اتنا ماننے کے بعد تو شرک میلوں دور ہو گیا۔ یاد رکھو کہ علم دیکھی چیز کا بھی ہوتا ہے۔ سنی بات سے بھی ہوتا ہے۔ علم، تحقیقی بھی ہوتا ہے اور تقلیدی بھی۔ اب رہ گیا غیب۔ تو اللہ کے لحاظ سے تو کوئی شئے غیب نہیں۔ دیکھو! علمِ غیب تین قسم پر ہے۔ (الف) غیبِ مطلق: وہ تو صرف اللہ ہی کو ہے اور بس۔ (ب) بعض علمِ غیب، انبیاء کو بھی دیا جاتا ہے۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ط اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ وہ عالم الغیب ہے اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا مگر اپنے برگزیدہ رسول پر (سورۃ الجن آیت 26، 27)۔ (ج) ایک علمِ غیب تو ہر مسلمان کو ہونا چاہیے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (سورۃ البقرہ آیت 3) یعنی مسلمان غیب کا علم رکھتا ہے، یقین رکھتا ہے، ایمان رکھتا ہے۔ جس کو ایسا علمِ غیب نہیں وہ کافر ہے، مسلمان نہیں۔ وہ علمِ غیب کیسا ہے؟ ۔۔۔ جیسے اللہ، فرشتے

جنت ، دوزخ وغیرہ۔ شیطان بھی تو تمام لوگوں کے دل کی بات جانتا ہے۔ خواہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں ، نزدیک ہوں یا دور۔ شیطان کا غیب کی بات جاننا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ تو کیا پھر شیطان سے شرک جائز ہے؟۔۔۔نعوذ باللہ۔ یاد رکھو! اللہ کا کام ، مطلق ہے ، عام ہے ، بالذات ہے۔ مخلوق کا کام بِقُوَّۃِ اللہ ہے۔ بِاِذْنِ اللہِ ہے۔ اور وہ بھی نہایت کم تر۔ در اصل بندوں کو غیب کا جو علم ہوتا ہے وہ غیبِ اضافی ہے۔ مطلق علم تو صرف اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ کو اتنا چھوٹا کیوں سمجھ رکھا ہے کہ ذرے میں دوسرے اس کے برابر آجاتے ہیں ۔۔۔! یہ جو آج کل ہر روحانی کام سے اور علمِ غیب سے ڈرا کر روکا جاتا ہے ، درحقیقت یہ بے روح موحدوں کا کام ہے۔

- سوال (2) مُردوں سے مدد طلب کرنا ، کیا یہ شرک نہیں ۔۔؟

- جواب : بعض مادہ پرست موحد، زندوں کو رب ، ممیت اور رزاق سمجھنے کو تو شرک نہیں قرار دیتے۔ لیکن مُردوں سے مخاطب ہوتے ہی اسے شرک قرار دے دیتے ہیں۔ دیکھو! شرک ہے تو زندہ مُردہ سب سے ہے۔کیا انسان مرتے ہی نہ اہلِ دنیا کو دیکھتا ہے اور نہ ان کی سنتا ہے؟ حدیث شریف ہے کہ "قبروں کے پاس جاؤ تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرُ کہو"۔ مُردے دیکھتے سنتے نہیں تو یہ سلام کیوں کیا گیا؟۔۔۔ ان مادہ پرستوں کا معمولی مصیبت میں انگریزوں سے ، کافروں سے مدد طلب کرتے پھرنا اور پھولے نہ سمانا کہ ہم نے زندوں سے مدد طلب کی ہے نہ کہ مُردوں سے ، بڑا ہی دلچسپ عمل ہے۔ دیکھو! دراصل خدا کے لیے بالذات اور بندوں کے لیے بالعرض نسبت دو تو یہ شرک نہیں بلکہ یہ نسبت، مجازی ہے۔

- سوال (3) کیا کسی بزرگ کو یہ کہنا کہ آپ میری بیماری دور کر دیجئے ، شرک نہیں ۔۔؟

- جواب : شفا دینا یا اولاد دینا اللہ کی خصوصی صفت ہے۔ ہر ایک وجودی صفت ، بالذات اللہ کے لیے ہے۔ اور مجازی نسبت ، اسباب کی طرف جاتی ہے۔ شفا کی نسبت ، ڈاکٹر و حکیم اور دوا کی طرف جاتی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا۔ لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا (اے مریمؑ) میں تمھارے پاس اسے لے آیا ہوں کہ میں تم کو پاک لڑکا دوں (سورۃ مریم آیت 19)۔ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت سورۃ المآئدہ کی آیت 110 میں فرماتا ہے کہ تم بناتے ہو مٹی کیچڑ سے مثل پرندے کی صورت کے ، پھر تم اس میں پھونکتے ہو پھر وہ زندہ ہو جاتا ہے میرے حکم سے۔ اس کے علاوہ سورۃ ال عمران کی آیت 49 میں ہے کہ تم شفا دیتے، چنگا کر دیتے ہو مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو اور مُردوں کو زندہ کر دیتے ہو میرے (یعنی اللہ کے)

حکم سے۔ ان تمام مقامات میں بِاِذنِی یعنی بِاِذنِ اللّٰہِ کی قید، نسبتِ مجازی کو ظاہر کرتی ہے۔ نسبتِ مجازی بھی شرک ہوجائے تو بات کرنی مشکل ہو جائے ۔۔۔!

- سوال (4) بزرگوں کے نام پر فاتحہ دے کر کھانا کھلانا ، کیا شرک نہیں ۔۔؟

- جواب : ایصالِ ثواب کے ضمن میں جواب یہ ہے کہ بخاری اور مسلم میں ، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میری بہن نے نیت کی تھی کہ وہ حج کرے گی لیکن وہ حج کیے بغیر انتقال کرگئی ہے۔ تو آپؐ نے اس سے پوچھا کہ اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتے؟ عرض کیا۔ جی ہاں۔ تو آپؐ نے فرمایا " اللہ کا قرض ادا کرو، وہ زیادہ مستحق ہے کہ ادا کیا جائے "۔ ایک اور روایت بخاری و مسلم ہی کی ، حضرت عائشہؓ کے حوالے سے ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے آکر عرض کیا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں اگر وہ اور زندہ ہوتیں تو خیرات کرتیں۔ پھر پوچھا اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں تو کیا ان کو ثواب پہنچے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں"۔

- سوال (5) ایصالِ ثواب کے لیے کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا ، کیا شرک نہیں ۔۔؟

- جواب : فاتحہ پڑھنا اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ كُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَءُ بِحَمْدِ اللّٰہِ فَھُوَ اَبْتَرْ یعنی ہر کام جو " اَلحَمدُ لِلّٰہِ " سے شروع نہ ہو ابتر ہے، بے خیر ہے ۔۔۔ سامنے کھانا رکھنا تو صرف تعین کے لیے ہے۔ اور ایک ہی قسم کا کھانا بار بار پکا کر فاتحہ کرنا " خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَدْوَامُھَا " کے تحت ہے۔ یعنی بہترین کام وہ ہیں جن میں ہمیشگی ہو، تکرار ہو ، مداومت ہو۔

- سوال (6) کیا بندوں کی تعظیم ، ان کی دست بوسی یا قدم بوسی ، شرک نہیں ۔۔؟

- جواب : دیکھو! اللہ کی عبادت ہوتی ہے اور بندوں کی تعظیم۔ رَسُوْلِہٖ تُعَزِّرُوْہُ وَ تُوَقِّرُوْہُ ، اس کے رسول کی تعظیم و توقیر کرو(سورۃ الفتح آیت 9)۔ وَاخفِض لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحمَۃِ ، ماں باپ کے لیے اطاعت کا بازو جھکاؤ ، پست کرو(سورۃ الاسراء آیت 24)۔ " قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ" یعنی تمھارے سردار کے لیے اٹھو، کھڑے ہو جاؤ۔ عبادت دل کا فعل ہے۔ اور شرک و کفر بھی دل کا کام ہے۔ شرک سے بچو۔ بُرے کام سے منع کرو ، مگر سمجھ کر۔

- سوال (7) یا رسول اللہ اور یا غوث پکارنا ، کیا شرک نہیں ۔۔؟

- جواب : یا رسول اللہ اور یا غوث پر اعتراض کا جواب اس متفقہ حدیثِ مبارک میں ہے جس میں آپ ﷺ نے یہ دعا سکھائی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِحَبِیْبِكَ الْمُصْطَفٰی عِنْدَكَ یَا حَبِیْبَنَا یَامُحَمَّدٌ. اِنَّا نَتَوَسَّلُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ الْمَوْلَی الْعَظِیْمِ یَا نِعْمَ الرَّسُوْلُ الطَّاھِرُ. اَللّٰھُمَّ شَفَّعْهُ فِیْنَا بِجَاھِهٖ عِنْدَكَ (ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ ، طبرانی ، صحیح ابن خزیمہ ، حاکم بیہقی نے عثمان بن حنیف سے روایت کی)۔ دیکھو! اس دعا میں یَا حَبِیْبَنَا ، یَا مُحَمَّدٌ کی ندا ہے ، proclamation ہے ، call to prayer ہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں بھی اس دعا کو صحابہؓ کرام نے خود پڑھا اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دی۔

- صاحبو! ہم تو لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پر ایمان رکھتے ہیں۔ نہ ہم میں گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ گناہ کرنے کی طاقت۔ اتنا سمجھنے کے بعد شرک اور کفر تو کوسوں دور ہوگیا۔ اس کا یقین کرنا ایمان ہے۔ اس کا احساس کرنا عرفان ہے۔ فنائے صفات ہے۔ فنائے ذات ہے۔ یہ سمجھنا کہ ہم بالذات کوئی فعل نہیں کرسکتے ، فنائے افعال ہے۔ اور اس کا پانا توحیدِ افعالی ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ کوئی صفت ہم میں ذاتی و اصلی نہیں ، فنائے صفات ہے اور اس کا محسوس کرنا توحیدِ صفاتی ہے۔ اپنی عدمیتِ اصلی کو سمجھنا فنائے ذات ہے اور اپنی ذات کو گم کردینا ، فنائے ذاتی ہے ، توحیدِ ذاتی ہے۔ اللہ ہم کو شرک سے بچائے۔ نیستی کو ہستی بنائے۔ باطل میں حق نہ چھپائے۔ جو ہے وہ رہے۔ جو نہیں ہے وہ نیست ہو جائے ، برباد ہو جائے۔

- آخر میں ذرا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" پر غور کرو۔ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں تو بندے کے ہاتھ میں کیا دھرا رہا۔۔؟ جس کی بھی تعریف کرو حقیقتاً وہ اللہ ہی کی تعریف ہے۔ اپنی عدمِ ذاتی پر غور کرو۔ اور جس جس طرح غور کروگے اتنا ہی راستہ کھلے گا۔ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی طرف چلوگے ، بڑھوگے۔ یہ ہے راز اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا وَّ ظَاھِرًا وَّ بَاطِنًا کا۔۔۔!

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 12 تا 21 پارہ 3 صفحہ 115 پارہ 5 صفحہ 96 تا 99

پارہ 16 صفحہ 31 ، 32 ، 86 پارہ 20 صفحہ 44 ، 45 اور پارہ 30 صفحہ 157 ﴾

10 - عبدیت

☆ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ط وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ط

﴿ پھر تو میرے (خاص) بندوں میں داخل ہو جا۔ ﴾ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

(سورۃ الفجر آیت 29 ، 30)

- عبدیت کیا ہے؟ اور عبد کون ہے؟ ـــ جواب سنو! اَلْعَبْدُ وَمَا مَلَکَتْ یَدَاہُ لِمَوْلَاہُ ، یعنی کچھ بھی نہیں بندے کا ، جو کچھ ہے وہ آقا کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے افعال و صفات سب بالذات یعنی its own ہیں اور بندے کی ذات اور اس کے افعال و صفات سب بالعرض یعنی dependant ہیں۔ بندے کی اسی احتیاج یا dependency کا دوسرا نام ، عبدیت ہے۔ اور عبد یعنی بندہ وہ ہے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو۔ نہ ارادہ رکھتا ہو نہ فعل اس کا ہو اور نہ کوئی خواہش ہی اس کے دل میں ہو۔ 'عبداللہ' اپنی ذات اور صفات دونوں کو کھو دیتا ہے۔

- بندے پر جس وقت یہ کھل جائے کہ میں خود سے کوئی بھی کام نہیں کر سکتا اور نہ وہ فعل ظاہر ہو سکتا ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اس کام کو 'کُن' کا حکم نہ دے دے ، تو یہ annihilation of acts یعنی فنائے افعال ہے۔ اور جب یہ بات منکشف ہو جائے کہ میرے تمام صفات و کمالات ذاتی نہیں بلکہ صرف اسمائے الٰہی کے اظلال (reflections) ہیں ، چاند لاکھ چمک دمک دکھائے مگر ہے بذاتہٖ تاریک ، یہ اصل میں سورج کا نور ہے جو اس میں سے تاباں ہے ، تو یہ annihilation of attributes یعنی فنائے صفات ہے۔ اور جب بندے پر یہ منکشف ہو جاتا ہے کہ میری ذات بھی 'بالذات' نہیں ، میں وجود نما عدم یعنی nonexistent ہوں ، جیسے کہ پیتل پکارتا ہے کہ میں تو تانبے اور جست کی نمائش ہوں لیکن میں خود کہاں ہوں؟ تو یہ self annihilation یعنی فنائے ذات ہے۔ یہ موت ہے بلکہ ابوالموت۔ نہ زمین پر مکان نہ آسمان پر نشان ـــ!

نیستی میں ہوں ، نہ ہستی میں ہوں
بے نشانی ہے ، نشانی میری

- عبدیت میں اطاعت اور فرمانبرداری اور اپنی نیستی ، یعنی نہ ہونے ، کو سمجھنا اور اس کو دریافت کرنا اصلِ عظیم ہے ، روحِ یقین ہے ، جانِ ایمان ہے۔ اس کی ابتدا ایمان سے ہوتی ہے۔ راستے میں تقویٰ اور

ولایت ملتے ہیں۔ جب کہ " خاص حضرات " یعنی " specials " کو نبوت اور رسالت بھی ملتی ہے۔ بڑی ہی نادانی ہوگی اگر تم اپنی ناقص عبدیت کا پیغمبروں کی عبدیت سے مقابلہ کروگے۔ کدھر ذرۂ بے مقدار ، کدھر آفتابِ پُرانوار۔ دیکھو! صوفیہ صافیہ کے پاس اللہ کا اصل بندہ یعنی حقیقی "عبد اللہ " ایک ہی ایک ہے۔ وہی محمدؐ ہے، وہی رسول ہے ، وہی حبیب اللہ ہے۔تم کیا! تمھاری محبت اور اطاعت و بندگی کیا۔۔! تم میں غلامِ محمدؐ تک بننے کی تو صلاحیت نہیں ، اطاعتِ رسول سے کوسوں دور ، اور چلے ہیں عبد اللہ بننے اور وحی اور نبی تک کے دعوے کرنے ۔۔۔! یاد رکھو! سب سے وسیع دائرہ ، عبدیتِ محمدیؐ کا ہے۔ اول عبدیت ، درمیان میں عبدیت ، آخر میں عبدیت۔عبدیتِ محمدیؐ کا عروج کیا ہے۔۔؟ یہ سُبحَانَ الَّذِیٓ اَسرٰی بِعَبدِہٖ ، وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو لے گیا (سورۃ الاسراء آیت 1) سے ظاہر ہے۔ عبدیتِ محمدیؐ کا مقام کیا ہے۔۔؟ " لِیْ مَعَ اللهِ وَقْتٌ لاَّ یَسَعْنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلاَ نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ ".یعنی میرے لیے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں کوئی مقرب اور نبی مرسل میری برابری نہیں کرسکتا۔اور عبدیتِ محمدیؐ کا انبساط (fascination) کیا ہے۔۔؟ یہ " اَنَا مِنْ نُوْرِ اللهِ وَ کُلُّهُمْ مِنْ نُّوْرِیْ "سے ظاہر ہے۔ یعنی آپ ﷺ فرماتے ہیں " میں اللہ کے نور سے ہوں اور وہ سب میرے نور سے ہیں"۔

- عبد کا لفظ تین جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ (1) پیدا کرنا ، یہ تو اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ (2) غلام (3) مطیع و فرمانبردار۔ سورۃ الزمر کی آیات 10 اور 53 میں اللہ تعالیٰ قُلْ یٰعِبَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اور قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لاَ تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ فرماتا ہے۔ اے پیغمبر! تم ان لوگوں سے کہو۔ یٰعِبَادِیْ ۔۔۔دیکھو! عِبَادِی کی یا سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ ہو، اور ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہوں۔ اور عبَاد سے مراد مطیع و فرمانبردار اور غلام ہوں ، اور ہوسکتا ہے بہ حیثیت وکیلِ الٰہی ہونے کے یٰعِبَادِیَ کہنے کا حکم دیا گیا ہو۔

- صاحبو! حضرت فاروق اعظمؓ اپنی خلافت کے پہلے خطبے میں فرماتے ہیں کہ "کُنْتُ عَبْدَهٗ وَ خَادِمَهٗ"، گویا وہ عبدِ محمد ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔حضرت علی مرتضیٰؓ ایک یہودی کو جواباً فرماتے ہیں" وَیْحَكَ اَنَا عَبْدٌ مِّنْ عَبِیْدِ مُحَمَّدٍ "، تجھ پر افسوس ہے! میں تو محمدؐ کے غلاموں میں کا ایک غلام ہوں ۔۔۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ کے حسب الحکم ہم تو عبدِ محمدؐ ہیں۔ اور ان کی بندگی اور غلامی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار و ناز سمجھتے ہیں۔ لیکن بعض نادان اس کو شرک اور کفر قرار دے دیتے ہیں۔ جب کہ ہم اس کو حکمِ خداوندی کی تعمیل سمجھتے ہیں ، اور فاروقِ اعظمؓ و علی مرتضیٰؓ کی پیروی سمجھ رہے ہیں۔ فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اُوست۔

﴾ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 4 صفحہ 46 تا 48 پارہ 18 صفحہ 91 ، 92 پارہ 22 صفحہ 27
پارہ 23 صفحہ 111 ، 112 ، پارہ 24 صفحہ 11 ، 12 اور پارہ 30 صفحہ 108 ، 109﴿

11 - پیغمبروں کا مقام

☆ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ط

(ایمان دار کہتے ہیں) ہم کسی رسول میں بھی فرق نہیں کرتے۔ (سورۃ البقرہ آیت 285 کا حصہ)

- اللہ تعالیٰ کے احکام کو پہنچانے میں اور تبلیغ کرنے میں کوئی پیغمبر کوتاہی نہیں کرتا۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں معصوم بنایا ہے۔ وہ بلاکم و کاست تبلیغ کرتے ہیں۔ چونکہ پیغمبر، غلطی سے معصوم ہیں اس واسطے ان کا انکار کفر ہے۔ ایک پیغمبر کا بھی انکار ایسا ہی کفر ہے جیسے دوسرے پیغمبر کا۔ اور ایک حکم کا بھی انکار کرنا ایسے ہی کفر ہے جیسے سب کا۔ اسی طرح غیر پیغمبر کو پیغمبر سمجھنا بھی کفر ہے۔

- بعض حضرات خیال کرتے ہیں کہ فرشتوں کا مرتبہ پیغمبروں سے زیادہ ہوتا ہے، مگر یہ صحیح نہیں۔ فرشتے غیرمادّی ہیں اور ان کو قربِ الٰہی ہے۔ لیکن انسان، نرا مادّی نہیں بلکہ روح اور تن دونوں کا مجموعہ ہے۔ انسان میں جو جامعیت ہے وہ فرشتوں میں کہاں؟ فرشتوں کے علوم، مخصوص اور محدود ہیں۔ حضرتِ انسان کا علم لامحدود "لَا تَقِفُ عِنْدَ حَدٍّ" ہے، کہیں ختم نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب انسان بُرے کام کرتا ہے تو وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ حیوانوں کو عقل نہیں جو برائیوں کو تمیز کرسکے اور اس سے دور رہ سکے۔ اور جب انسان اچھے کام کرتا ہے تو وہ فرشتوں سے اچھا ہے کیونکہ باوجود موانع یعنی obstacles کے اچھے کام کرتا ہے۔ پھر پیغمبروں کا تو کیا پوچھنا ــ! خصوصاً سیدالمرسلینؐ کے ملائکہ سے افضل ہونے میں کیا کلام ہے! انسانِ کامل، مسجودِ ملائک ہے، محلِ نظرِ الٰہی ہے۔

- اللہ تعالےٰ نے پیغمبروں میں سے بعض کو بعض خصوصیات مرحمت فرمائی ہیں۔ مثلاً آدمؑ، صفی اللہ ہیں۔ نوحؑ، نجی اللہ ہیں۔ ابراھیمؑ، خلیل اللہ ہیں۔ موسیٰؑ، کلیم اللہ ہیں۔ عیسیٰؑ، روح اللہ ہیں۔ اور محمد ﷺ، حبیب اللہ ہیں۔

- اسی طرح ہر نبی کے زیرِ قدم ایک ولی ہوتا ہے یعنی ان کا ہم رنگ ہوتا ہے۔ جو، آدمؑ کے زیرِ قدم ہوتے ہیں ان کو 'آدمی المشرب' کہتے ہیں۔ ان میں شانِ خلافت اور حکومت رہتی ہے۔ جو

نوحؑ کے زیرِ قدم ہوتے ہیں ان کو 'نوحی المشرب' کہتے ہیں۔ وہ حمیتِ دین میں بڑے سخت ہوتے ہیں۔ وہ شرک کے سخت دشمن ہوتے ہیں۔ جو ابراھیمؑ کے زیرِقدم ہوتے ہیں ان کو 'ابراھیم المشرب' کہتے ہیں۔ وہ رضا وتسلیم میں ممتاز ہوتے ہیں۔ جو موسیٰؑ کے زیرِقدم ہوتے ہیں ان کو 'موسوی المشرب' کہتے ہیں۔ محبت ان کا کام ہے۔ 'رَبِّ اَرِنِیْ' ، ان کی دعا ہے۔ جو ، عیسیٰؑ کے تحتِ قدم ہوتے ہیں ان کو 'عیسوی المشرب' کہتے ہیں۔ فنائیت ان کا شیوہ ہے ، توحید ان کا شعار ہے۔ اور جو ، محمد ﷺ کے زیرِقدم ہوتے ہیں ان کو 'محمدی المشرب' کہتے ہیں۔ ان کا کام ہے ہر ایک کو اس کا حق ادا کرنا۔ دنیا کے تمام کمالات ان میں بھرے ہوئے ہیں ، مگر اعتدال کے ساتھ۔ F 98.4 ڈگری سے ان کا پارہ نہ اونچا ہوتا ہے نہ نیچا۔ مرکز سے محیط تک جتنے خطوط نکلتے ہیں سب برابر۔ ہزاروں سینکڑوں میں ایک صورت ایسی ہوتی ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ. عَلَيْهَا نَحْيٰى وَ عَلَيْهَا نَمُوْتُ . وَعَلَيْهَا نُبْعَثُ اِنْشَآءَ اللّٰهُ.

- پیغمبروں کے کمالات ذاتی ہوتے ہیں ، جب کہ اولیائے کرام کے کمالات پیغمبروں سے استفادہ کیے ہوئے۔ لہٰذا کوئی ولی ، پیغمبر کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اولیائے کرام کا سرمایۂ ناز پیغمبروں کی اطاعت اور ان کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ پیغمبروں کی ہنسی اڑانا ، ان سے ٹھٹھا کرنا اور دوسروں کو ان پر ترجیح دینا سب کفر ہے۔

- دیکھنا! ایک مابہ الامتیاز یعنی ممتاز چیز ہوتی ہے اور ایک مابہ الاشتراک یعنی مشترک۔ جو نادان ہوتے ہیں ان کی نظر مشترک پر ہوتی ہے۔ وہ کیا دیکھتے ہیں؟ منہ پر ناک ہے ، دو آنکھیں ہیں ، دو ہاتھ اور دو پیر بھی ہیں۔ لیکن یہ تو پیغمبروں کی ظاہری صورت ہے۔ کچھ خبر بھی ہے کہ ان کی روحانیت کس عظمت کی ہے۔۔۔؟

ادھر اللہ سے واصل ، ادھر بندوں میں بھی شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے ، حرف مشدد کا

- یاد رکھو! پیغمبروں سے برابری کا دعویٰ ، کسی ذی عقل کا کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی کم فہمی اور نادانی سے ، ایسی قابلِ افسوس گستاخیوں اور بے ادبیوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 63 ، 64 پارہ 6 صفحہ 22 اور پارہ 7 صفحہ 44 ، 45 ﴾

12- دیگر مذاہب

☆ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْ م بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو تورات دی اور ان کے بعد پے درپے رسول بھیجے اورہم نے عیسیٰ ابن مریم کو نشانیاں دیں (معجزے عطا کیے) اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔ (سورۃ البقرہ آیت 87 کا حصہ)

- اگرچہ کہ اب عیسائیوں کے پاس تین عناصر یا اصولِ تکوین ہیں۔ (1) باپ یعنی خدا (2) بیٹا یعنی یسوع مسیح (3) روح القدس۔ اور یہ تینوں مل کر ایک خدا۔ ان خیالات کو تثلیث یا trinity کہتے ہیں۔ یہ لوگ تینوں کو قدیم اور ایک کو مستقل اور پھر تینوں کو ایک بھی سمجھتے ہیں۔ غالبًا ، باپ سے مراد اصل وجود ، ذاتِ حق ہے۔ بیٹے سے مراد عین ثابتہ و حقائق اشیا ہے۔ اور روح القدس سے مراد تجلی اسماء و صفات ہے۔ ہندوؤں کے پاس بھی تثلیث پرستی ہی ہے۔ وہ کہتے ہیں (1) خدا (2) مادہ اور (3) جیو۔ مادہ سے غالبًا مراد اعیانِ ثابتہ اور جیو سے تجلی اسماء و صفات مراد لیتے ہیں۔ تحقیق نہ رکھنے اور غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے یہ لوگ اس تثلیث کے دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ لیکن سچ پوچھو تو تمام مذاہبِ حق ایک ہی ہیں۔ سب پیغمبروں نے انہیں توحید ہی کی تعلیم دی۔

☆ ہندو مذہب کیا کہہ رہا ہے؟

- صرف بغیر دوسرے کے۔ (چاندوگیا اپانی مشت 6-2-1)

- اس وقت کوئی موجود نہ تھا نہ معدوم ، وہ بذاتہٖ حی تھا اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ (رگ وید)

☆ مجوسی یعنی پارسی کیا کہتے ہیں ؟

- وہ ازلی ابدی ہے ، نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کا ضد ہے ، نہ شبیہ ہے ، نہ باپ ، نہ ماں ، نہ بیوی بچے ، نہ مکان ، نہ وضع ، نہ جسم ، نہ کوئی مواد ، نہ رنگ ، نہ بو۔ وہ حی ہے۔ حکیم ہے۔ قوی ہے۔ خود مختار ہے ، حق و عدل ہے۔ اس کا علم محیط ہے ، تمام موجودات اس کو معلوم ہیں بغیر زمانے کے اور اس سے کوئی شئے مخفی نہیں۔ (دساتیر 4-5)

☆ یہودی مذہب میں کیا ہے؟

- میں اول ہوں ، میں آخر ہوں ، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہے اللہ، حی دائم قائم۔ اس کی سلطنت نابود نہیں کی جاسکتی۔ اس کی مملکت ابد میں بھی رہے گی۔

☆ عیسائی مذہب کیا بتلاتا ہے؟

- ہمارا تو ایک ہی خدا ہے، باپ (رب) جس سے سب چیزیں ہیں اور ہم اسی سے ہیں۔

- اور میں باپ (رب) سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں فارقلیط (احمد) جس کے باپ (رب) میرے نام سے بھیجے گا وہی تم کو سب باتیں سکھائے گا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب یاد دلائے گا۔ تمہیں اطمینان دیئے جاتا ہوں۔ (یوحنا درس 25 تا 27)

☆ اللہ تعالیٰ تورات میں فرماتا ہے۔

- اور اسمٰعیل کے حق میں ، میں نے تیری سنی۔ دیکھو میں اسے برکت دوں گا۔ اور اسے برومند کروں گا۔ اور اسے بہت بڑھاوں گا۔ اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناوں گا۔ (پیدائش باب 15-20)

- اور یہ برکت ہے جو موسیٰ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ (کلام) خداوند سینا سے (موسیٰ) آیا اور شاعر سے (عیسیٰ) ان پر اطلاع ہوا۔ فاران (مکہ) ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ (فتح مکہ کے وقت) آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک روشن شریعت (اسلام) ان کے لیے تھی۔ (استثناء باب 23 درس 1 تا 12)

- خدا تیماں اور وہ جو قدوس ہے ، کوہ فاران (مکہ) سے آیا۔ اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا۔ اور زمین اس کے حمد سے معمور ہوگئی۔ اس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی۔ اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔ (حقوق باب 3 درس 3 تا 5)

- رب الافواج فرماتا ہے کہ ہنوز ایک مرتبہ اور تھوڑی سی مدت کے بعد آسمان ، زمین اور تری و خشکی کو ہلا دوں گا۔ بلکہ ساری قوموں کو ہلا دوں گا اور ساری قوموں کا حمدت (احمد) آئے گا اور میں اس کا گھر جلال سے بھر دوں گا۔ (رحجی باب 20 درس 6 ، 7)

* حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 131 ، 132 پارہ 3 صفحہ 2 ، 3 اور پارہ 26 صفحہ 49 ، 50 *

13 - صراطِ مستقیم

☆ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ط

✿ ہم کو سیدھی راہ پر چلا۔ (سورۃ الفاتحہ آیت 5)

☆ مَنِ اهۡتَدٰى فَاِنَّمَا يَهۡتَدِىۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى ط

✿ جو ہدایت پر رہتا ہے تو اس کا ہدایت پر رہنا خود اس کے لیے نفع بخش ہے۔ اور جو گمراہی پر رہتا ہے تو اس کا گمراہی پر رہنا خود اس کے لیے نقصان دہ ہے۔ اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ (سورۃ الاسراء / بنی اسرائیل آیت 15 کا حصہ)

- صاحبو! عیسائیوں کا خیال ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام جو معصوم پیغمبر تھے ، تمام عیسائیوں کے گناہوں کی گٹھری لے کر خود جا کر (نعوذ باللہ) جلے اور ان کے ساتھ تمام گناہ بھی جل گئے۔ ذرا غور کرو کہ مذہب تو ہے ہی اس لیے کہ بُری باتوں سے روکے ، نہ کہ بُرے کاموں پر جرأت دلائے۔ جب آدمی کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم جو چاہے کریں ہمیں کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا تو وہ بُرے کام کیوں چھوڑے گا؟ پھر یہ کونسا انصاف ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی؟ اور معصوم اور بے گناہ پیغمبر پر ان بدمعاشوں کی وجہ سے عذاب ہو۔۔۔!

- ایک اور عقیدہ ہے جو اس سے بھی بدتر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے دیکھا کہ اگر سب اچھے ہی اچھے کام کریں یا سب بُرے ہی کام کریں تو دنیا کی رنگا رنگی کیوں کر ہوگی۔۔۔؟ اس بُوقلمونی (colorfulness) کا تماشہ کیوں کر ہوگا۔۔۔؟ لہٰذا اللہ نے معصومین کی سفید مٹی کو گنہگاروں کی سیاہ مٹی کے ساتھ ملا کر پُتلے بنائے۔ ہر ایک نے اچھے کام بھی کیے اور بُرے بھی۔ اچھے کام اس پاک مٹی کی وجہ سے ہوئے اور بُرے کام اس سیاہ خاک کی وجہ سے۔ قیامت ہوگی تو خاکِ ناپاک ، خاکِ ناپاک سے مل جائے گی ، اور خاکِ پاک ، پاک خاک سے۔ بعض لوگ جو اپنے مومن ہونے کے دعویدار ہیں ان کے تمام

گناہ ان لوگوں کو مل جائیں گے جن کو یہ غیر مومن سمجھتے تھے۔ مومنین جنتی بدمعاشیاں کریں اس کا عذاب دوسروں پر ہوگا۔ اور دوسرے جنتی نیکیاں کرتے ہیں اس کا ثواب بھی مومنین کو ملے گا۔ ماشاءاللہ کیا عمدہ تفسیر ہے لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ اُخْرٰی کی۔۔۔! کیا اچھے معنی نکلے ہیں ظلم و عدل کے۔۔۔! کیا خوب ثبوت دیا گیا ہے اس ضرب المثل کا کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔۔۔! یاد رکھو تم آج جو چاہو کرو، جو چاہو کہو لیکن کل ضرور معلوم ہوجائے گا کہ جس کی بُرائی اسی کے گلے کا ہار رہے گی۔ یقیناً اسے ہی آتشِ جہنم بن کر جلائے گی۔

- دیکھو! عقلِ سلیم اور فہمِ مستقیم اللہ کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ یہ بھی ایک قسم کا فرستادہ یعنی قاصداور رسول ہے جو خیر و شر کو دکھاتا ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز دیتا ہے۔ یہ ایک ایسا فرستادۂ خدا ہے جو ہمیشہ ساتھ رہتا ہے۔ پیغمبر کی بات کو بھی آدمی اسی وقت مانتا ہے جب دل میں ضمیر ہو۔ قبول کرنے کی صلاحیت ہو۔ہٹ دھرمی کی عادت نہ ہو۔ مگر میرے کہنے کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ پیغمبر کی ضرورت نہیں۔ پیغمبر کی بھی ضرورت ہے اور جانشینانِ پیغمبر کی بھی۔ اور عقل و ادراک سے بھی کام لینے کی۔

- صراطِ مستقیم کے معنی سیدھا راستہ ہے۔ اس سے مراد ہر وہ صحیح امر ہے جس پر انسان چلنا چاہتا ہے۔ اس میں افراط تفریط، کمی زیادتی دونوں مناسب نہیں۔ دیکھو! آزادی کا ارتقا، دہریت یعنی anti-God تک ہوتا ہے۔ آدمی خدا کے نام سے جلنے لگتا ہے۔ وہ خدا کی قسم نہیں کھاتا، اپنی عزت کی قسم کھاتا ہے۔ دوسری طرف، تعظیمِ شخصیت کی انتہا، بُت پرستی یعنی idol-worship ہوتی ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کے متعلق یوں سمجھنے لگتا ہے جیسے ان میں اُلوہیت یا خدائی شان حلول کرگئی ہے۔

- یاد رکھو! درمیانی راستہ، اللہ کو اللہ سمجھنا اور اس کے محبوبوں سے محبت کرنا ہے۔ ہوشیار باش! ایک طرف "خارجی" ہیں تو دوسری طرف "رافضی"۔ درمیان میں "سنت" کی راہ ہے۔ دیکھو! نہ جبر ہے نہ قدر، بلکہ حق درمیان میں ہے۔ تمام صراطِ مستقیم والے متحد اور ایک رہتے ہیں۔ ان میں نہ جدال (clash) ہے نہ قتال (battle)۔ ضرورت سے زیادہ جوش بھی مضر ہے اور کم جوش بھی مہلک ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی آیت ہم کو اعتدال کی تعلیم دیتی ہے۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 27 تا 29 پارہ 15 صفحہ 11 تا 13 اور پارہ 30 صفحہ 188﴾

14 - قرآن

☆ وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا -------- اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ط

اور اگر اِس میں (قرآن کے اللہ کے کلام ہونے میں) تم کو شک و شبہ ہے جس کو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی ، اور خدا کے سوا اپنے یاروں مددگاروں کو بلا لو (سب مل کر ایک سورۃ تو بناؤ)۔ اگر تم (اپنے انکار میں) سچے ہو۔ (سورۃ البقرہ آیت 23)

☆ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ط

تو کہا، یہ تو چلتا ہوا جادو ہے (جو کہیں نہ رکے گا)۔ (سورۃ المدثر آیت 24)

☆ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ط

اس (قرآن) کو ہاتھ نہیں لگاتے بجز پاک لوگوں کے۔ (سورۃ الواقعہ آیت 79)

- بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن اللہ کی صفت ہے۔ اس کا کلام ہے۔ اللہ قدیم ہے اور اس کا یہ کلام بھی قدیم ہے۔ یہ ، صوت یعنی آواز اور مخارج کے نکلنے سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جیسے جیسے یہ تنزل کرے گا اس عالم سے مربوط ہوگا۔ اسی کے لائق صورتیں لے گا۔ جیسے جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر تھے تو ان کی صورت الگ تھی اور جب اس عالم میں اترے تو انہوں نے اعرابی (عرب بدو) اور وحیہؓ کلبی (قبیلہ کلب کے صحرائی بدو) کی صورت لے لی۔ بہر حال علمِ الٰہی میں قرآن ہے ، لوحِ محفوظ میں قرآن ہے ، حافظوں کے دل میں قرآن ہے۔ مگر ان صورتوں کی تبدیلی کے سبب کچھ نے قرآن کو حادث یعنی new emergence قرار دے دیا۔ لیکن یہ درست نہیں۔ بعض جاہلوں نے تو اس بارے میں امام احمدؒ اور دوسرے ائمہ کو مجبور بھی کیا تھا کہ وہ قرآن کو حادث کہیں۔ مگر ان بزرگوں نے تکلیفیں اٹھائیں ، مصیبتیں جھیلیں لیکن قرآن کے حادث ہونے کے قائل نہ ہوئے۔

☆ آئیں کچھ اعجازِ قرآن پر غور کریں۔ قرآن شریف کن امور میں معجزہ ہے؟۔۔۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ تاہم درجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں۔

(1) حضور ﷺ کا اُمّی ہونا

- کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کہ جس شخص کو نہ کسی نے تعلیم دی ہو اور نہ ہی کوئی تربیت کرنے والا ہو۔ جس کا ابتدائی ماحول تاریک رہا ہو۔ ہر طرف جہالت ہی جہالت رہی ہو۔ وہ شخص اپنے ہاتھ میں مشعلِ ہدایت لے کر نکلتا ہے اور سارے عالم کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ شرک و کفر کی تاریکی کو مٹا دیتا ہے۔ روئے زمین کے، تمام مذاہب کو بدل دیتا ہے۔ نہ صرف سلطنتوں کے قوانین کو ردی میں ڈلوا دیتا ہے بلکہ خود ان سلطنتوں ہی کو ختم کر دیتا ہے۔ کیا یہ قرآن کا اعجاز نہیں ہے۔۔۔؟ کیا خدا کا ہاتھ جب تک اس کی پشت پر نہ ہو کوئی ہے جو ایسا ناقابل انکار کام کر سکتا ہے۔۔۔؟ یقیناً اللہ ہی نے آپؐ کو اس علمِ لدنی سے سرفراز کیا۔

(2) قرآن کی حفاظت

- دنیا میں کوئی مذہبی یا غیر مذہبی کتاب ایسی نہیں جس کی حفاظت قرآنِ مجید کے برابر کی گئی ہو۔ اس کتاب کی یہ صورت ہے کہ اب تک لاکھوں اس کے راوی، اس کے حفاظ، اور کروڑوں اس کے قاری چلے آرہے ہیں۔ کوئی شہر تو کیا، کوئی قصبہ ایسا نہیں جس میں چند حفاظ نہ ہوں۔ کیا مجال کوئی حافظ تراویح میں غلطی کر دے اور اس کو ٹوکا نہ جائے۔ کیا ایسی حفاظت کی دنیا میں کوئی اور مثال ہے۔۔۔؟

(3) فصاحت و بلاغت

- پیغمبروں کی امت جس فن میں ماہر ہوتی تھی اس جنس کا معجزہ بھی پیغمبروں کو دیا جاتا تھا۔ حضرت رسالت مآب ﷺ اس قوم میں پیدا ہوئے تھے جس کو اپنی فصاحت و بلاغت کا بڑا دعویٰ تھا۔ وہ خود کو عرب یعنی فصیح اور دوسروں کو عجم یعنی گونگا کہتے۔ لہٰذا قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت ان کے لیے معجزہ بنائی گئی۔ اس میں ایسی سلاست اور روانی بھی ہے کہ نہ پڑھنے والے کو مشکل ہوتی ہے اور نہ سننے والے کو۔ عتبہ، عربوں کا بڑا سردار تھا جو فصاحت اور بلاغت میں ممتاز تھا۔ ابوجہل نے اس کو برانگیختہ کیا تھا کہ قرآن شریف پر اعتراض کرے۔ سوچا، غور کیا، کوئی اعتراض سمجھ میں نہ آیا۔ کوئی بات اس کے

دل کو نہ ٹھکی۔ لیکن خاموش رہنا بھی مناسب نہ سمجھا ، اور آخر کار اعتراض کیا تو کیا۔۔۔! بس کہا کہ یہ ایک "جادو" ہے ۔۔۔ کیا عتبہ جادوگر تھا۔۔۔؟ کیا وہ جادو کی حقیقت سے واقف تھا۔۔۔؟ اس نے ادیب کی حیثیت سے تو اقرار کرلیا کہ یہ کلام ، انسانی قوت سے باہر ہے۔ مگر ایسی چیز کو صرف جادو کہہ دینا اس کی نری حماقت ہے۔

(4) اسلوبِ قرآن

- قرآن کا اسلوب جدا ہے۔ کوئی قرآن شریف اور حدیث شریف ہی کو ملا کر دیکھے۔ قرآن کا طرزِ بیان حدیث سے بالکل مختلف ہے۔ احادیثِ شریفہ کے کمالِ فصاحت و بلاغت میں کیا کلام ہوسکتا ہے جس کی نسبت، اس بہترین اور گرامی ترین ہستی کی طرف ہو جس کا ارشاد ہے" اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ " اور" اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمْ "۔۔۔ مگر قرآن شریف کچھ اور ہی شئے ہے۔ اللہ کے کلام کا لہجہ اور قوت ہی الگ ہے۔

(5) تاثیر قرآن

- حضرت عمرؓ ، رسول اللہ ﷺ سے لڑنے نکلے تھے۔ راستے میں بہن کے گھر پہنچے۔ بڑے اصرار سے قرآن مانگا کہ دیکھیں ۔۔۔ سورہ طٰہٰ پڑھا تو دل میں اتر گیا۔ باطل کی تائید کے لیے چلے تھے ، فاروق اعظمؓ بن کر نکلے ۔۔۔!

(6) قصص الانبیاء

- اس میں کئی انبیاء کے حالات و واقعات پوری تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں ذوالقرنین قومِ سبا ، اصحاب الاخدود ، اصحاب کہف و رقیم ، اصحابِ رس ، وغیرہ کے قصے بھی اس میں ملتے ہیں۔ اور حضور ﷺ کے اہلِ زمانہ مخالفین نے بھی ان سب کو تسلیم کیا ہے۔

(7) پیشن گوئیاں

- اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں۔ ﴿ قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ط (سورۃ الفتح آیت 16) اور
﴿ الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ط فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ط (سورۃ روم آیات 1 تا 4)
روم و فارس کی لڑائیاں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت میں ہوئیں اور قرآن کی پیش گوئیاں

سامنے آ گئیں۔ ﴿ سَیُهزَمُ الجَمعُ وَ یُوَلُّونَ الدُّبُرَ ط (سورۃ القمر آیت 45) یہ اہلِ بدر کی شکست کے لیے پیش گوئی تھی۔ ﴿ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ---------- مُحَلِّقِینَ رُءُوسَکُمْ وَ مُقَصِّرِینَ لَا تَخَافُونَ ط (سورۃ الفتح آیت 27) یہ آیت ، فتحِ مکہ کی پیش گوئی ہے جس کو اللہ نے پورا کیا۔

- غرض ، قرآن کئی اعتبار سے معجزہ ہے۔ ہزار تاثیر کی ایک تاثیر یہ بھی ہے کہ اس وقت اس کے ماننے والے پوری دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہیں۔

وجہِ اعجازِ قرآن — حضرتؐ کی اُمیّت ہے
زیر و زبر کا فرق نہیں — کیا قرآں کی حفاظت ہے
کمی زیادت اور تغیر — نا ممکن وہ بلاغت ہے
اسلوبِ قرآن ہے اور — اور حدیث کی حالت ہے
شانِ خدائی ظاہر ہے — لہجے میں کیا سطوت ہے
سارے جہاں کو زیر کیا — کیا قوت کیا عظمت ہے

- لَا یَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (سورۃالواقعہ آیت 79) کے معنی کچھ لوگ یہ بتاتے ہیں کہ فرشتوں کے علاوہ قرآن کو کوئی اور چھو نہیں پاتا (کیونکہ اصل قرآن تو لوحِ محفوظ ہی میں موجود ہے)۔ بعض اس کو یوں لیتے ہیں کہ صرف پاک لوگ یعنی ایماندار ہی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان ، قرآن کو بے وضو نہیں چھوتے۔ بعض کا خیال ہے کہ قرآن کے حروف کو بغیر وضو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ جب کہ کچھ یہ کہتے ہیں کہ حروف کے ساتھ ساتھ اس کے اوراق بھی قرآن ہی شمار ہوں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تفسیر کو وضو کیے بغیر ہاتھ لگا سکتے ہیں کیونکہ تفسیر کا حصہ نفسِ قرآن سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف کچھ یہ کہتے ہیں کہ اُس صندوق کو بھی بے وضو نہیں چھو سکتے جس میں قرآن شریف موجود ہے۔ بعض لوگ اس بات کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے پہلے ان کے ہاتھ میں قرآن دیا گیا تھا اور وہ اس کو پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ اس کا تو جواب یہ ہے کہ قرآن کو باطہارت چھونے سے متعلق یہ آیت ، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد نازل ہوئی ----- بہر حال اپنا اپنا خیال ہے۔ اپنا اپنا ادب ہے۔ قرآن کا جتنا ادب کرو بہتر ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 35 تا 44 پارہ 27 صفحہ 103 پارہ 29 صفحہ 80 اور مقدمہ صفحہ 12 تا 22﴾

15 - حدیث اور اختلافِ ائمہ

☆ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَکَذَّبْتُمْ بِهٖ۔ مَاعِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰهِ۔ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ط

(اے پیغمبر) تم کہہ دو کہ میں اللہ کی طرف سے مذہبِ حق (دلیلِ روشن) پر ہوں اور تم ہو کہ اس کو جھٹلائے چلے جا رہے ہو۔ (جھوٹے پر عذاب کا آنا) جس کے لیے تم جلدی کر رہے ہو (وہ میرے ہاتھ میں نہیں) وہ میرے پاس نہیں۔ ایسا حکم تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ وہ جو کچھ بیان فرماتا ہے حق ہے اور جو فیصلہ کرتا ہے بہتر ہے۔

(سورۃ الانعام آیت 57)

- صاحبو! آج کل ایک وبا پھیلی ہوئی ہے کہ ہم قرآن کے سوا ، نہ تو حدیث کو مانیں گے اور نہ ہی کسی امام کے قول کو۔ یہ خود تو قرآن کی آیتوں کے من مانے معنی بیان کرلیتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ جان لینا اور مان لینا چاہیے کہ قرآن ، عربی میں ہے۔ اس کے سمجھنے کے سب سے زیادہ مستحق "اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ" یعنی خود رسول اکرم ﷺ ہیں۔ پھر اصحابِ رسولؐ ہیں اور ائمہ ہُدیٰ ہیں۔ یہ لوگ تو عربی کی چار سطریں دُرست پڑھ نہیں سکتے۔ محاوراتِ عرب سے بالکل ناواقف ہیں۔ ان میں قوتِ استنباط یعنی sense of deduction بھی بالکل نہیں ہوتی۔ بس کسی اردو ترجمہ کو دیکھ لیا اور لگے ڈینگ مارنے کہ " میں قرآن سمجھتا ہوں۔ احکام ، استنباط کرتا ہوں"۔ اس جہل پر یہ شیخی۔۔۔! لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ۔

- غور کرو کہ اپنا کوئی مقدمہ چلتا ہے اور court case پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے سینکڑوں ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں اور بیرسٹر اور وکیل کو مقرر کرتے ہیں۔ اسی پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہی مختلف قوانین کا مناسب استعمال اور ان کی بہتر توضیح یعنی interpretations کرسکتا ہے۔ حالانکہ سارے حکومتی قوانین انگریزی یا اردو میں ہوا کرتے ہیں۔ بتلاؤ! کیا تم میں عربی قرآن سمجھنے کی واقعی اتنی ہی طاقت ہے؟ اللہ سے ڈرو۔ سمجھ سے کام لو۔ جس طرح تم وکیلوں پر اعتماد کرتے ہو اسی طرح ائمہ پر بھی اعتماد کرو۔ حدیث سے انکار کرنا ، توبہ توبہ ، پیغمبر سے انکار کرنا ہے۔

- یاد رکھو! " میں حدیث کو نہیں مانتا " یہ مساوی ہے " محمد رسول اللہ کو نہیں مانتا " کہنے کے۔ محمد رسول اللہ سے انکار کر کے قرآن کو ماننے کا دعویٰ کفر ہے۔ تم کو قرآن ملا کہاں سے۔۔؟ کس نے کہا کہ یہ قرآن ہے۔۔؟ محمد رسول اللہ ﷺ نے ۔۔۔ محمد رسول اللہ کو نہ ماننا اور قرآن کو ماننا یہ دونوں ہرگز نہیں جمع ہو سکتے۔ ضعیف راوی کو نہ ماننا الگ چیز ہے اور حدیث کو نہ ماننا الگ چیز۔

- مگر میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ موضوع اور ضعیف حدیثوں کو بھی مان لو۔ تحقیق کرو ، روایت کو دیکھو۔ لیکن صحیح اور مشہور حدیثوں کو نہ ماننا بڑا خطرناک کام ہے۔ اور متواتر کا انکار تو کفر ہے۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور رسول جو تم کو دیں اسے لے لو ، اور جس سے منع کریں اس سے دور رہو (سورۃ الحشر آیت 7)۔

☆ دیکھو! حدیثیں (ارشاداتِ رسول اللہ ﷺ) تین قسم کی ہیں۔

(1) متواتر (2) مستفیض (3) احاد

- حدیثِ متواتر : وہ حدیث ہے جس کو اتنے لوگ روایت کریں کہ عقلِ سلیم اس بات کو قبول نہ کرے کہ وہ سب جھوٹ پر متحد ہو گئے ہوں گے۔ لہٰذا خبرِ متواتر پر یقین کرنا ضروری ہے۔ حدیثِ متواتر کی دو قسمیں ہیں۔ (الف) متواتر باللفظ (ب) متواتر بالمعنی
- حدیثِ مستفیض : وہ حدیث ہے جو کئی روایتوں سے ثابت ہو مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچے۔
- خبرِ احاد : حدیث کی وہ روایتیں ہیں جن کو صرف چند ہی نے بیان کیا ہو۔

☆ حقیقت یہ ہے کہ سارے جھگڑے خبرِ احاد حدیثوں ہی میں پڑتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کسی نے کہا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام نے تین جھوٹ کہے۔ امام اعظمؒ نے فرمایا۔ نہیں ، دراصل روایت کرنے والے نے ایک جھوٹ کہا ، کیونکہ پیغمبر تو معصوم ہوتا ہے اور وہ جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ گویا جھگڑا تو راوی سے ہے پیغمبر سے نہیں۔ ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ خبرِ احاد کے غلط ثابت ہونے سے تمام احادیث ناقابل اعتبار نہیں بن جاتیں۔ ایسے شوشے وہ لوگ چھوڑتے ہیں جن کو نماز ، روزہ ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

☆ یاد رکھنا چاہیے کہ عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں ہوتے۔ عالم کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے۔ لوگوں کا کام ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو اس کو عالموں سے پوچھیں۔ ان سے سوالات کریں ، ان پر اعتماد کریں۔ اور ان کے فتوؤں پر عمل کریں۔ اہم اصول یہ ہے کہ بلا تحقیق کوئی بات بھی قابلِ تسلیم نہیں ہوتی۔ علماء کو تحقیق کرنی چاہیے خواہ آیاتِ قرآنی ہوں یا احادیثِ رسولؐ۔ تمام تحقیق اور تمام قیاسات کا ماٰخذ قرآن اور حدیث کا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر ایسا نہیں تو درست نہیں۔

☆ یاد رکھو کہ یہ ایک نیچرل سی بات ہے کہ ہر شخص اپنے اساتذہ ، اپنے خاندان اور اپنے شہر کے لوگوں کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ اور ان ہی پر زیادہ اعتماد رکھتا ہے۔ وہ دوسروں کے تفصیلی حالات سے نہ تو پوری طرح واقف ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ان پر اعتماد کرسکتا ہے۔

- مالکی لوگ اہلِ مدینہ کے متعلق کسی دوسرے شہر کا آدمی روایت کرتا تو یہ سمجھتے کہ اس نے گویا تمام خلفائے راشدین اور مرکزِ نبوت ، یعنی مدینہ اور اس کے رہنے والوں کو جاہل سمجھا۔ جب کہ دوسرے مذاہب والے ، یعنی حنفی ، حنبلی اور شافعی حضرات اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال مین ایسا ممکن ہے کہ کسی بات پر اہلِ مدینہ بے خبر رہے ہوں ، اور دوسرے شہر والوں کو اس کی اطلاع مل گئی ہو۔

- حضرت عمرؓ کا یہ طریقہ تھا کہ ہر حکم کے بارے میں شہادت کے نصاب کے موافق ثبوت طلب کرتے تھے۔ یعنی دو مرد ، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی روایت کے بغیر کوئی حکم ثابت نہیں سمجھتے تھے۔

- حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی حکمِ نبویؐ سنایا جاتا اور نصابِ شہادت پورا نہ ہوتا تو قسَم دیتے اور قسَم کو تکملۂ شہادت (perfect testimony) سمجھتے۔

- حضور ﷺ کے بہت سے اصحاب ، مثلاً زبیر ابن العوامؓ ، الفاظِ نبوی حفظ ہوتے تو روایت کرتے ورنہ نہیں۔ یعنی روایت بالمعنی کو وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ جب کہ دوسرے اصحاب ، روایت بالمعنی کو جائز سمجھتے تھے۔

- بعد کے ائمہ کے پاس عام لوگ آتے اور ان سے سوال کرتے کہ اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟ ان کو ائمہ پر ایسا اعتماد ہوتا کہ وہ نہ قرآن پوچھتے نہ حدیث ، امام جو حکم دیتا اس پر عمل کرتے۔

- بعض ائمہ ہر سوال کا جواب قَالَ اللّٰہُ اور قَالَ الرَّسُوْلُ سے دیتے۔ متعلقہ آیات کے علاوہ متنِ حدیث سنا دیتے اور سند بیان نہ کرتے۔ ایسی حدیث کو حدیثِ مُرسل کہتے ہیں۔ حنفی مذہب میں حدیثِ مرسل قابلِ اعتبار سمجھی جاتی ہے۔ امام بخاریؒ، استاد و شاگرد کی ملاقات کو ضروری سمجھتے ورنہ حدیث قبول نہیں کرتے۔ جب کہ امام مسلمؒ، دونوں کے ہم زمانہ ہونے کو کافی سمجھتے۔ وہ بعض ضعیف حدیث کو بھی مستحبات کے لیے قابلِ عمل سمجھتے۔

☆ پس یہ واضح ہوا کہ ائمہ کے مختلف مذاق ہیں۔ ہر ایک اپنے ذوق کے موافق حدیث کو قبول کرتا ہے۔ لیکن کوئی امام ایسا نہیں جو بلا تحقیق اور بلا شرط صرف حدیث کا نام سنتے ہی اس پر عمل کرنے کو تیار ہو جاتا ہو۔ اصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ہمارے درمیان مختلف قسم کے راوی ہیں۔ ان کی تنقید و تحقیق یقیناً ضروری ہے۔

☆ صحابہؓ کے زمانے میں رائے کا اختلاف ہوتا تھا لیکن باہم ایک دوسرے کو باطل اور بے دین نہیں سمجھتے تھے۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ مگر افسوس! اب یہ کیسا زمانہ آگیا ہے کہ آمین بالجہر اور رفع یدین کرنے والوں کی مسجد جدا ہے اور حنفی و شافعی کی مسجد الگ۔ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہیں! حتیٰ کہ آپس میں مقدمہ بازی تک کرتے ہیں ۔۔۔ !

- ایک اور غلط فہمی بھی عام طور سے چھائی ہوئی ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی اپنے اپنے اماموں کی تقلیدِ شخصی کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ چار خاندان ہیں، چار اسکول ہیں۔ ہر خاندان کا ذوقِ تحقیق جدا ہے۔ اپنا اپنا مذاق ہے۔ لیکن خَشْیَۃِ اللّٰہ سب میں موجود ہے۔ حق کی تلاش سب کو ہے۔ یاد رکھنا کہ مختلف فیہ یعنی ذیلی باتوں میں آپس کی جنگ مناسب نہیں۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 7 صفحہ 80 تا 82 پارہ 28 صفحہ 20 اور مقدمہ صفحہ 52 تا 63 ﴾

16 - اسلام ایک امن پسند مذہب

☆ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ط

دین میں زبردستی نہیں (جبر و زیادتی نہیں)۔ (سورۃ البقرہ آیت 256 کا حصہ)

☆ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ------------

------------ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ط (سورۃ البقرہ آیت 256 تا 257)

- صاحبو! دشمنانِ اسلام نے ایک غلط فہمی یہ پھیلا رکھی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا۔ یہ لوگ غلط پروپیگنڈہ کے عادی ہیں۔ یہ سفید جھوٹ کہنے سے نہیں ڈرتے۔ ان کے ضمیر پر تعصب کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ حق و باطل میں ان کو تمیز نہیں۔

- کوئی ذرا قرآن کی آیتوں پر غور کرے۔ وہ تو فرماتا ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ، دین میں کوئی جبر و زبردستی نہیں۔ اور وہ فرماتا ہے اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ، کیا تم لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کروگے ؟ (سورۃ یونس آیت 99)۔ نہیں ہرگز نہیں۔

- دین کے لیے زبردستی کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ یہاں تو جو لوگ امن و امان اختیار کر کے باوجود کفر و شرک کے مسلمانوں کی پناہ لیتے ہیں تو ان کی حفاظت کا ذمہ مسلمانوں کا ہوجاتا ہے۔ انِ کے حقوق کی حفاظت مسلمان کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسے فوجی جو اگرچہ کہ مسلمانوں سے جنگ کرنے والوں میں سے ہوتے ہیں لیکن وہ چند روز کے لیے بھی امن لے کر مسلمانوں کے ملک میں آتے ہیں تو ان کو اللہ نے امن دینے کا حکم دیا ہے۔ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْهُ یعنی اگر کوئی مشرک تمھاری پناہ لینا چاہے تو تم اس کو پناہ دو (سورۃ التوبۃ آیت 6)۔

- وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور ہم نے تم کو رحمتہ للعالمین بنا کر بھیجا ہے (سورۃ الانبیاء آیت 107)۔ غور تو کرو! کیا اُس رحمتہ للعالمینؐ نے اپنے اِس دین کو بزورِ شمشیر پھیلایا جو فرماتا ہے "جس نے ابوسفیان کے گھر میں پناہ لی اس کو امن ہے۔ جس نے مسجد حرام میں پناہ لی اس کو امن ہے۔ جس نے اپنے گھر کے دروازے بند کرلئے اس کو امن ہے"۔ کیا اُس رحمتہ للعالمینؐ نے زبردستی دین پھیلایا ہے کہ جس کی تمام لڑائیوں میں مسلمانوں کی طرف سے کُل تقریباً 250 آدمی اور کافروں کے 300 یا 400 آدمی مارے گئے ؟ رحمتہ للعالمینؐ نے تو حکم دیا۔

"عورتوں کو نہ مارو۔ بچوں کو نہ مارو۔ بوڑھوں کو نہ مارو۔ گرجوں اور مندروں میں رہنے والوں کو نہ مارو۔ جو لڑنے جھگڑنے والے نہیں، کشت وخون کرنے والے نہیں ان پر رحم کرو۔ ان کو چھوڑ دو"۔

- اب ذرا اِس زمانے کی حالت پر بھی غور کرو۔ لاکھوں بے گناہ شہریوں پر براہ راست بمباری ہورہی ہے۔ قسم قسم کے آتشیں اسلحے استعمال کیے جارہے ہیں۔ رحم کا نام نہیں۔ نہ بچوں پر، نہ عورتوں پر، نہ بوڑھوں پر۔ کسی پر رحم نہیں آتا۔ اِس زمانے میں نہ مسجدوں کی کوئی حرمت ہے، نہ گرجوں کی، نہ مندروں کی۔ شہر کے شہر تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ ظَهَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ وَالبَحْرِ، خشکی اور تری دونوں میں فساد پھیل گیا ہے (سورۃ الروم آیت 41)۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تاریخ کے صفحات پلٹو۔ صلیبی یعنی crusade لڑائیوں میں کیا کیا مظالم مسلمانوں پر نہیں توڑے گئے۔ ان جنگوں میں کفار، جو اپنے کو مجاہد کہتے تھے، ان کے گھوڑے مسلمانوں کے خون میں تیرتے تھے۔ مگر اُس زمانے کے نامور سلطان، صلاح الدین نے ان ظالموں سے کیسا نیک سلوک کیا، یہ زمانہ جانتا ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے۔ اگر ان پروپیگنڈہ کرنے والوں کے دلوں میں ذرا بھی سچائی موجود ہو تو ایسے جھوٹے الزام لگانے کی جرأت نہ کریں۔ مگر افسوس کہ وَالَّذِینَ کَفَرُوٓا اَولِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوتُ یُخرِجُونَھُم مِّنَ النُّورِ اِلَی الظُّلُمٰتِ (سورۃ البقرہ آیت 257)۔ ان کے دل میں صداقت ہی نہیں ہے تو ان کی زبان سے سچی بات کیوں کر نکلے گی ۔۔۔!

- اِن لوگوں نے لفظ جہاد کو بھی ایک ہوا بنا دیا ہے۔ جَهَدَ، یَجْهَدُ، جَهْدًا (کوشش کرنا)۔ جَاهَدَ، یُجَاهِدُ مُجَاهَدَةً، جِهَادًا (باہم مل کر کوشش کرنا)۔ قوم کی تعلیم کے لیے کوشش کرنا بھی جہاد ہے۔ اصلاحِ اخلاق و عادات کرنا بھی جہاد ہے۔ تہذیبِ نفس کرنا اور نفس کو بُری باتوں سے روکنا بھی جہاد ہے بلکہ جہادِ اکبر ہے۔ اسلامی جنگ، تہذیب اور امن قائم کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ امن پسند یا حق پرست لوگوں کے ہاتھ سے شریروں اور مفسدوں کو دفع نہ کیا جاتا تو روئے زمین تباہ ہوجاتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَولَا دَفعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعضَهُم بِبَعضٍ لَّهُدِّمَت صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذکَرُ فِیهَا اسمُ اللّٰهِ کَثِیرًا۔ اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھا دی جاتیں خانقاہیں راہبوں کی، گرجے نصرانیوں کے، کلیسے یہودیوں کے، اور مسجدیں مسلمانوں کی جس میں بہ کثرت نامِ خدا لیا جاتا ہے (سورۃ الحج آیت 40)۔ دیکھیں اس آیت سے نہ صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ جنگ یا جہاد امن برقرار رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے بلکہ دوسری طرف یہ بھی عیاں ہوتا ہے، واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب اور عبادت گاہوں کو بھی برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

- ان کفار کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں سے جزیہ کیوں لیا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں سے کیوں نہیں؟ ---- اس کا صاف جواب یہ ہے کہ مسلمانوں سے زکواۃ لی جاتی ہے اور غیر مسلموں سے جزیہ۔ یہ جزیہ کیا ہے؟ ---- یہ وار فنڈ (war fund) ہے۔ جو لوگ جنگی خدمات نہیں ادا کرتے ، امن و امان قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے ان سے یہ ٹیکس لیا جاتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ نے اُن ذمیوں کا جزیہ واپس کردیا تھا جن کی وہ حفاظت نہیں کر سکتے تھے۔کوئی ان سے پوچھے کہ جزیہ کے لفظ میں کراہت کی کیا بات ہے اور وار فنڈ کے لفظ میں کیا خوبی ہے کہ جزیہ کے لفظ سے چراغ پا ہو جاتے ہیں اور وار فنڈ سے خوش۔ حالانکہ دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

- ان لوگوں کو غلامی کے لفظ سے بھی دھوکا ہوتا ہے۔ اس سے اُن کا خیال روم کے غلاموں اور افریقہ کے غلاموں کی طرف جاتا ہے۔ مگر اسلام ان مظالم سے پاک ہے۔ در اصل اسلام میں غیر تعلیم یافتہ و غیر تربیت یافتہ لوگ ، تربیت یافتہ لوگوں کی زیرِ نگرانی دے دیئے جاتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ان کے لیے یہ بھی حکم ہے کہ اس دوران ان غلاموں یا غیر تربیت یافتہ افراد کو وہی کچھ کھلائیں جو وہ خود کھاتے ہیں۔ وہی پہنائیں جو خود پہنتے ہیں۔ کام لیں تو خود بھی ہاتھ بٹائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے آخری وقت میں بھی یہی وصیت فرمائی کہ باندی غلاموں یا غیر تعلیم یافتہ اشخاص کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔

- اسلام کا حکم ہے فَكَاتِبُوهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰكُمْ ، کچھ لے کران کے لیے آزادی لکھ دو اگران میں خیر کے آثار پاؤ (سورۃالنور آیت 33)۔ یعنی اگر یہ تعلیم و تربیت یافتہ اور خوش کردار ہوجائیں تو ان کو خدا کے دیئے ہوئے مال سے تم بھی تو کچھ دو۔ دراصل عام لوگوں کو لفظ غلام سے دھوکا ہو رہا ہے۔ اسلامی غلامی اور چیز ہے اور غیر مسلموں کی غلامی الگ بات۔ اسلامی غلام تو بادشاہ بھی ہو چکے ہیں۔ جب کہ اِس زمانے کے غلام تو آزاد ہوکر بھی ہیں وہی غلام کے غلام ----!

- وہ لوگ جو اسلام کے بہ زورِ شمشیر پھیلنے کا دعویٰ کرتے ہیں ذرا خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہیں کہ کیا غلاموں میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کے غلام نہ تھے ----؟ اگر اسلام میں ایسی زبردستی ہوتی تو کوئی کافر زندہ نہ رہتا۔ یا کوئی اپنے مذہب پر برقرار نہ رہتا۔ جان لو کہ حقائق الگ چیز ہیں اور جھوٹے پروپیگنڈے الگ بات۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 10 تا 17 اور پارہ 17 صفحہ 53 ، 54۔

متفرقات - Miscellaneous

☆ یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ط (سورۃ التوبہ آیت 119)

مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔

- مسلمانو! اس آیت پر غور کرو۔ صادقین کے ساتھ رہنا ہمارا فرض ہے۔ اچھوں کی معیت یعنی ان کا ساتھ کئی طرح سے ہوسکتا ہے۔ عمل میں ان کی تقلید کرنا، جو عقیدہ ان کا ہے وہی اختیار کرنا، ان کے خیال میں اور ان کی ذہن میں رہنا، معیت ہے۔ سچوں سے محبت رکھنا بھی داخلِ معیت ہے۔ صحابۂ کرام کو رسول اللہ ﷺ کی جسدی معیت بھی حاصل تھی۔ ہم کو اعتقادی، خیالی اور کئی قسم کا ساتھ حاصل ہوسکتا ہے۔ وما کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ یعنی اللہ ان کو عذاب نہیں کرتا جب تک تم ان میں ہو (سورۃ الانفال آیت 33)۔ جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کا خیال ہے، تصور ہے وہ بھی اَنْتَ فِیْھِمْ میں داخل ہے۔ جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی تصویر کندہ ہو وہ ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ یاد رکھو! کوئی اپنے دوست کے البم کو نہیں جلاتا ۔۔۔

نہیں نقدِ عمل کچھ بھی میرے جیب و گریباں میں
مگر دل میں ہیں یارب تیرے محبوبوں کی تصویریں

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 11 صفحہ 27 اور 28 ﴾

☆ صاحبو! اپنی صورت شکل، اخلاق و عادات، طرز زندگی پر غور کرو کہ اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی پیروی میں ہے یا مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ اور ضَآلِّیْنَ کی اتباع میں۔ تم اب اللہ کا نام لیتے ہو تو مائی گاڈ کہتے ہو۔ تم تو سید سلطان کی جگہ ایس سلٹن اور غلام محمد کی بجائے جی، ایم کہتے ہو۔ چند روز پہلے نام کے تو مسلمان تھے اب تو نام کے مسلمان بھی کم ہوتے جارہے ہیں۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 45 ﴾

17- اسلام کے بنیادی اصول

☆ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ط

(ہم کو سیدھے رستہ پر چلا) ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔(سورۃ الفاتحہ آیت 6 کا حصہ)

☆ اسلام کے بنیادی اصول یہ ہیں۔

(1) توحید (2) رسالت (3) علم (4) محبت (5) فرض شناسی (6) اعتدال (7) احترامِ جاندار (8) تقسیمِ دولت (9) قیامِ امن (10) مساوات (11) حرکت میں برکت (12) خوفِ خدا (13) دعا

(1) توحید، اصلِ اصول ہے۔ سارے مذاہب کی بنیاد ہی اسی پر قائم ہے۔ دیکھیں ہر گھر کا بڑا ہوتا ہے جو گھر کا انتظام کرتا ہے۔ شہر چلانے کے لیے بھی کسی ناظم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملک میں بادشاہ صدر یا وزیراعظم ہوتا ہے جو حاکم ہوتا ہے۔ تو کیا نظامِ عالم کے برقرار رکھنے کے لیے کسی حاکمِ مطلق کی ضرورت نہیں ---؟ پھر دیکھو اگر کئی خدا ہوتے اور سب ایک زبان ہوتے اور ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرسکتے تو سب بے کار تھے۔ اور اگر آپس میں اختلاف ممکن تھا تو جس کی نہ چل سکتی وہ کیوں کر خدا ہو سکتا تھا ---؟ یوں خدا کا یقین کرنا اور اس کے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ہونے پر ایمان رکھنا نہایت ضروری ہے۔ مسلمانوں کے پاس قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہے یعنی تم کہہ دو کہ وہ ہر طرح سے ایک ہے۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ہے وہ بے نیاز ہے۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے، نہ اس کی اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی کی اولاد ہے۔ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہے یعنی اس کے برابر کا کوئی نہیں (سورۃ الاخلاص آیت 1 تا 4)۔

(2) اسلام کا دوسرا بنیادی اصول، رسالت ہے۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے دنیا شرک و کفر، تثلیث پرستی، ظلم و ستم اور فسق و فجور میں غرق تھی۔ توحید، معرفت، اخلاص اور اطاعت جیسے الفاظ بے معنی تھے۔ اخلاق و تمدن کی تباہی و بربادی تو ناگفتہ بہ تھی۔ جہالت کی حکومت تھی اور ضلالت کی سلطنت۔ چونکہ عادتِ خداوندی ہے کہ وہ قحط کے بعد سرسبزی، خزاں کے بعد بہار اور تاریکی کے بعد روشنی عطا کرتا ہے، لہٰذا یہ وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ ضلالت کے بعد ہدایت عنایت فرماتا اور اس کے لیے رسول کو مبعوث کرتا۔ چنانچہ حکمتِ الٰہی اس امر کی متقاضی ہوئی کہ فاران کی چوٹیوں اور مکہ کی سرزمین سے ایک آفتابِ نبوت و رسالت طلوع کر کے روئے زمین سے جہالت و ضلالت اور فسق و فجور کی

ظلمت کو دور کرتا اور اسے نورِ ہدایت سے معمور کرتا۔ اور بالآخر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی آمد اور آپ کی تعلیمات کے بعد دنیا کا انقلاب ، باطل سے حق ، ظلمت سے نور ، کذب سے صدق ، کفر سے ایمان اور شرک سے توحید کی طرف ہوگیا۔

(3) اسلام کا ایک اور بنیادی اصول ، تحصیلِ علم ہے۔ قرآن شریف میں ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی پیغمبر! تم کہہ دو کیا عالم و جاہل دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ (سورۃ الزمر آیت 9)۔ زندہ علم رکھتا ہے اور مُردہ بے علم ہوتا ہے۔ علم ہی کے سبب انسان تاجِ خلافتِ الٰہیہ سے سرفراز ہوتا ہے اور تمام عالم پر حکومت کرتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔ یاد رکھو! علم کی فضیلت ، معلوم سے ہے۔ معلوم جتنا افضل ہوگا اسی قدر علم بھی افضل ہوگا۔ لہٰذا اللہ کے جاننے کی فضیلت ماسوا اللہ کے جاننے پر ثابت ہوگئی۔ تم مذہبی معلومات سے بے بہرہ مگر چند اشیا کے علم پر نازاں۔ ہم مذہبی معلومات کے دلدادہ اور چند غیر ضروری چیزوں سے ناواقف۔ دیکھ لینا کل انشاءاللہ کون زیادہ گھاٹے میں رہے گا ؟ تم یا ہم۔

(4) اسلام کا ایک اور بنیادی اصول ، محبت ہے۔ دیکھو! دنیا محبت پر قائم ہے۔ محبت فطری بھی ہوتی ہے اور ارادی بھی۔ ماں باپ کو اولاد سے فطری محبت ہوتی ہے۔ لوگوں کو غرض کی محبت بھی ہوتی ہے۔ نفع و لذت کے لیے بھی محبت پیدا ہوتی ہے۔ خدا کے واسطے سے بھی محبت ہوتی ہے۔ خدا کی محبت پائیدار ہے۔ غیرِ خدا سے محبت ناپائیدار۔ غرض نکلی تم کدھر ، ہم کدھر۔

(5) فرض شناسی : دیکھو انسان حقوق و فرائض میں مقیّد ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حقوق ہیں۔ بادشاہ اور رعیت کے حقوق ہیں۔ گھر کے لوگوں کے حقوق ہیں۔ دوستوں کے حقوق ہیں اور خود اپنے آپ کے بھی حقوق ہیں۔ حدیث شریف میں ہے " تم پر تمھارے نفس کا بھی حق ہے لہٰذا تم خودکشی نہیں کرسکتے اپنے ہاتھ پاؤں بے کار نہیں کرسکتے، بیوی کا بھی حق ہے"۔ ایک موقع پر سلمانؓ نے اپنے بھائی ابوالدرداءؓ کو اس بات پر توجہ دلائی تھی کہ دیکھنا تم پر تمھارے پروردگار کا بھی حق ہے۔ تم پر تمھارے نفس کا بھی حق ہے۔ تم پر تمھاری بیوی کا بھی حق ہے۔ تم ہر حق دار کو اس کا حق دو۔ اس کے بعد ابوالدرداءؓ نے جناب رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان باتوں کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا

"سلمان نے سچ کہا"۔ چناں چہ میاں بیوی ، ماں باپ ، اولاد ، رشتہ دار ، محلّہ دار ، سب کے حقوق و فرائض ہیں۔ فرض شناسی ، اسلام کا اہم اصول ہے۔

(6) اعتدال: دیکھو انسان کے لیے تھرمامیٹر کا پارہ 98.4 F درجہ پر ہے تو درست ہے۔ زیادہ حرارت بخار ہے اور کم ، ضعیف اور کمزور ہونے کا اشارہ دیتا ہے۔ دونوں کا انجام موت ہے۔ قرآن شریف میں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے ، خدا یا ہم کو سیدھا راستہ بتا (سورۃ الفاتحہ آیت 5)۔ ٹیڑھے خطوط بہت سے ہوتے ہیں۔ اور خطِ مستقیم صرف ایک ہوتا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا۔" میں بہ نسبت تمھارے ، خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ اس کی ناخوشی سے پرہیز کرنے والا ہوں۔ مگر میں روزہ بھی رکھتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جو میرے طریقے سے منھ پھیرے وہ میرے متعلقین میں سے نہیں"۔

(7) ایک اور بنیادی اصول ، جاندار کا احترام ہے۔ آپ کسی جاندار کو آگ میں نہیں ڈال سکتے۔ سانپ بچھو ، کھٹمل تک کو بھی نذرِ آتش نہیں کر سکتے۔ جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کر سکتے۔ خود کشی بھی نہیں کی جا سکتی۔ جانور کی ہلاکت تو ایک طرف ، بلا سبب درختوں کو بھی نہیں جلا سکتے۔ برخلاف اس کہ آج کی اس' نئی تہذیب' میں ایٹم بم ، ہائیڈروجن بم وغیرہ بلاامتیاز سب کو ہلاک کر سکتے ہیں۔

(8) ایک اور اصول ، تقسیمِ دولت ہے جو بنیادی نوعیت کا ہے۔ سامراجیت میں لوگ کمانے میں بھی آزاد ہیں اور نہیں دینے میں بھی آزاد ہیں۔ جب کہ اشتراکیت میں عوام کسی چیز کے مالک نہیں ہوتے۔ سب کچھ قوم کا۔ یوں ساری قوم ، غلاموں کا مجموعہ ہے۔ اسلام میں کمانے میں آزادی ہے۔ مگر غریبوں کو زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ مرنے کے بعد حقداروں میں دولت کی تقسیم بھی فرض ہے۔ یہاں فطرہ بھی ہے۔ اور قربانی میں حصہ بھی۔

(9) قیامِ امن: فتنہ و فساد برپا کرنا اسلام میں ہرگز درست نہیں۔ قرآن میں وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (سورۃ البقرۃ آیت 205) اور وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (سورۃ البقرۃ آیت 192) ہے۔ گالی ، زناکاری ، قماربازی ، شراب خوری ان سب سے بدامنی اور فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے۔ اسلام نے ان سب سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ اسلام کا مقصد اعلیٰ امن ہے۔

(10) مساوات: حدیثِ شریف میں ہے" اَلنَّاسُ کَاَسْنَانِ الْمِشْطِ " یعنی لوگ کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں۔ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔ امیر وغریب سب ایک صف میں بازو سے بازو لگائے کھڑے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے جس نے تکبر کیا وہ ابلیس تھا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَه مِنْ طِیْنٍ۔ یعنی مجھے آگ سے بنایا اور اس (انسان) کو مٹی سے، لہٰذا میں انسان سے افضل ہوں (سورۃ ص آیت 76)۔ ذات کا جھگڑا ابلیس کا نکالا ہوا ہے۔ رنگ، زبان، قوم، ملک کا اختلاف اسلام میں نہیں۔ فضیلت کا معیار اسلام میں تقویٰ ہے۔ عملِ صالح ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ (سورۃ الحجرات آیت 13)۔

(11) حرکت میں برکت: سورۃ النجم کی آیات 39 اور 40 میں اللہ فرماتا ہے کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اور آدمی اپنی کوشش ہی کا نتیجہ دیکھتا ہے۔ دیکھو! حرکت میں برکت ہے۔ اس میں عزت و حرمت ہے۔ آج کا کام کل پر ڈالو گے تو کل کا کام کب نکالو گے ۔۔۔؟

(12) اسلام کا ایک اور بنیادی اصول، خوفِ خدا ہے۔ صاحبو! خشیت اللہ یعنی اللہ کا ڈر جرائم کے لیے تریاقِ اعظم (a super remedy) ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ قرآن شریف میں بار بار قیامت کا ذکر ہے اور اس کی ہولناکی کا بیان ہے۔ ایک دن سب کو خدا کو منہ دکھانا ہے۔ اس کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ جوابدہی کرنا ہے۔ وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ عقلِ سلیم کہتی ہے کہ ایک شخص تمام عمر ظلم و ستم کرے اور آخر تک خوش حالی میں بھی بسر کرے اور دوسرا نیک صفات ہو، نیک اوقات ہو صبر و شکر اس کا شیوہ ہو تو کیا یہ دونوں برابر ہوسکتے ہیں ۔۔۔؟ ہرگز نہیں۔ بُرے کام کی سزا اگر کسی کو یہاں نہیں ملی تو اللہ کے پاس اس کے انصاف کے تحت اسے ضرور مل کر رہے گی۔

(13) آخری بنیادی اصول، دعا ہے۔ خدا سے التجا کرنا ہے۔ انسان لاکھ کوشش کرے کامیابی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی اصول پر ہم دعا کرتے ہیں۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا۔ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ۔ وَاعْفُ عَنَّا۔ وَاغْفِرْلَنَا۔ وَارْحَمْنَا۔ اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ، اے ہمارے رب! ہم سے بھول چُوک ہو جائے تو ہم سے اس کا مؤاخذہ نہ کر۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا کہ گزشتہ لوگوں پر ڈالا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم پر اتنا بارِگراں نہ ڈال جس کی ہم کو طاقت نہیں۔ اور ہمارے گناہوں کو عفو کر (مٹا دے)۔ اور ان کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپا لے۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا آقا ہے، تُو ہم کو کافر قوم پر فتح و نصرت فرما (سورۃ البقرہ آیت 286)۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 30 تا 36 پارہ 3 صفحہ 69 اور کتابچہ اصولِ اسلام مولفہ حسرتؔ ﴾

18 - علم

☆ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلاَّ لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ط

اور ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ نہیں بنایا تھا جس پر تم تھے مگر اس لیے کہ ہم سب کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول کی اتباع کرتا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 143 کا حصہ)

☆ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا ط

اور ابھی تک اللہ کو معلوم نہیں کہ کون مجاہدین ہیں۔ (سورۃ ال عمران آیت 142 کا حصہ)

☆ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ ط

تو اے لوگو اہلِ علم سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔(سورۃ النحل آیت 43 کا حصہ)

☆ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ط

اور تم کہو (دعا کرو) اے اللہ! تو میرے علم کو زیادہ کر۔ (سورۃ طٰہٰ آیت 114 کا حصہ)

- سورۃ البقرہ اور سورۃ ال عمران کی جو دو آیات اوپر بیان کی گئی ہیں ان میں اِلاَّ لِنَعْلَمَ اور وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں اس کی مکمل تشریح ضروری ہے۔

☆ دیکھو! اللہ تعالیٰ کا علم تین طرح کا ہوتا ہے۔

(1) علمِ ذاتی

- اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ کو جاننا، در اصل سب کو جاننا ہے اور یہ علمِ ذاتی ہے۔ کیوں کہ وہ سب کا منشا اور سبب ہے۔ خدا کو، ذات اور علم دونوں طرح کا احاطہ ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِيْطٌ، وہ سب کو محیط ہے۔ ایک ذرّہ بھی اس کی ذات اور اس کے علم سے باہر نہیں۔ تمام ذاتِ الٰہی کی تفصیل ہے۔ غور کرو کہ ایک شخص کا نام عبد اللہ ہے۔ اس میں کیا کچھ نہیں ہے؟ سر ہے، تن ہے، سر میں کیا کیا ہے؟ دو آنکھیں ہیں، ان پر دو بھوئیں ہیں۔ دو کان ہیں۔ ایک ناک ہے۔ منھ ہے، منھ میں ہونٹ ہیں، دانت اور زبان بھی ہے۔ تن میں ہاتھ ہیں، گردن ہے، پیٹ ہے، پیٹھ ہے، پیر ہے۔ غرض

ایک بال بھی اس سے خارج نہیں۔ بہ ظاہر عبد اللہ ایک مفرد چیز ہے۔ مگر غور کرتے جاؤ تو اسی میں ہزاروں چیزیں نکلیں گی۔ تم بولتے بولتے تھک جاؤ گے مگر عبد اللہ سے کوئی چیز نہ چھوٹے گی۔ چونکہ ایسے علم کا منشا ذاتِ خداوندی سے ہے لہٰذا اس علم کو علمِ ذاتی کہتے ہیں۔ اس مرتبہ میں خدا، خود ہی عالم ہے، خود ہی علم ہے اور خود ہی معلوم بھی۔

(2) علم فعلی

- پیدا کرنے سے پہلے، اعیانِ ثابتہ اور معلومات کو ممیز و ممتاز جاننا، علمِ ذاتی ہے۔ان دونوں طرح کے علموں کے قِدم، eternity یا ہمیشگی میں کسی کو شبہ نہیں ہوتا۔چونکہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو جان کر پیدا کرتا ہے لہٰذا اس علم کا مرتبہ قدرت کے مرتبے سے پہلے ہے۔ چیزوں کو پیدا کرنے سے پہلے وہ تمام چیزیں علمِ الٰہی میں تھیں۔جو چیزیں علمِ الٰہی میں رہتی ہیں انہیں اصطلاحاً "اعیانِ ثابتہ" کہا جاتا ہے۔ کوئی عینِ ثابتہ پیدا اس وقت ہوگی یا اس کا ظہور اس وقت ہوگا جب اللہ تعالیٰ اس کو 'کُن' کا حکم فرمائے گا۔ اسی لیے اس درجے کے علم کو علمِ فعلی کہتے ہیں کیونکہ اس کے اثر سے اس کے بعد کے درجے کا علم ہوتا ہے۔

(3) علم انفعالی

- اللہ تعالیٰ کے علمِ قدیم کا مخلوقات سے اس کی تخلیق کے بعد متعلق ہونا، علمِ انفعالی ہے۔ یعنی پیدا کرنے کے بعد جاننا۔ ایسے علم کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلوحق یعنی God ہے اور دوسرا خلق یعنی God's creations ہے۔خلق کے حادث اور نئے پیدا ہونے سے علمِ قدیم کے حادث ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔لیکن اوپر بیان کیا گیا کہ سب چیزیں خلق سے پہلے علم میں تھیں۔ چناں چہ خدا جیسا جانتا ہے ویسا ہی پیدا بھی کرتا ہے اور وہ چیز ویسی ہی رہتی ہے۔ خدا جانتا تھا کچھ، اور پیدا ہوگیا کچھ، یہ ممکن نہیں۔معلومِ الٰہی کو جب کُن کا حکم دیا جاتا ہے اور اسمائے الٰہی کی اس پر تجلی ہوتی ہے تو تمام چیزیں ظاہر اور خارج میں موجود ہوجاتی ہیں۔علم کے اس مرتبہ کا نام علمِ انفعالی ہے۔ اور یہ مرتبہ، بَعدِ کُن ہے۔

- بعض کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے دو علوم یعنی علمِ ذاتی اورعلمِ فعلی کو ماضی (past) سے بیان کرتا ہے اور تیسرے قسم کے علم کو استقبال (future) سے۔ جیسے ہم کہیں، اللہ نے فلاں شئے کو پیدا کیا۔ تو اس پیدا کرنے میں دو طرف نسبت ہوئی۔ ایک اللہ کی طرف اور دوسرے اس کی پیدا کردہ چیز کی طرف۔ اس علم کو جب خدائے تعالیٰ کی طرف نسبت لگا کر دیکھو تو اس کا منشا، قدیم ہے۔ اور جب کسی مخلوق کی طرف نسبت کرکے دیکھو تو اس کا منشا، حادث (new emergence) ہے، نو پیدا ہے۔ بعض کا خیال

ہے کہ علم ، قدیم میں قدیم اور حادث میں حادث ہے۔بعض کہتے ہیں کہ اللہ نے پیغمبر کے علم کو اپنا علم کہا ہے۔ اور لِيَعْلَمَ اللهُ کے معنی لِيَعْلَمَ الرَّسُوْلُ کے ہیں۔ جیسے يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيهِمْ میں نبی کا ہاتھ (سورۃ الفتح آیت 10)۔ اور بعض کا خیال ہے کہ لِيَعْلَمَ اللهُ کے معنی لِيَعْلَمَ النَّاسُ کے ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ دائرہ زماں سے خارج ہے اور اس کے لیے تقدیم اور تاخیر (early or late) نہیں بلکہ یہ زمانہ لوگوں کے لحاظ سے ہے۔ مثلاً پریس میں پتھر پر کاغذ چسپاں کیا جاتاہے۔ اور تمام کتابت پرنٹ ہوجاتی ہے۔ دیکھو! پتھر کے لحاظ سے کوئی سطر، کوئی صفحہ پہلے اور بعد نہیں لیکن پڑھنے کے لحاظ سے مقدم اور مؤخر ضرور ہے۔ پس لِيَعْلَمَ اللهُ کے معنی لِنَعْلَمَ النَّاسُ کے ہوئے۔ الغرض ، اللہ تعالیٰ کا علم بہ حیثیت "اللہ" کے قدیم ہے۔ حدوث یعنی new appearances کو وہاں دخل نہیں ، عدم یعنی nonexistence کو وہاں قدم نہیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّ اٰخِرًا وَّ بَاطِنًا وَّ ظَاهِرًا۔

- قرآن شریف میں ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلاَّ يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ، اور کوئی شئے ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح نہ کرتی ہو (سورۃ الاسراء آیت 44)۔ گویا ہر چیز کو کچھ نہ کچھ علم ہے۔ انسان اور حیوان کا صاحبِ علم ہونا تو سب کو معلوم ہے۔ اب نباتات میں بھی علم ہونے کی تحقیق ہورہی ہے۔ انسان جب آپس میں ملتے ہیں تو روحِ انسانی دی جاتی ہے ، اور وہ ان کی حاکم ہوتی ہے۔ حیوان ملتے ہیں تو روحِ حیوانی دئی جاتی ہے۔ اسی طرح نباتات کو روحِ نباتی دی جاتی ہے۔ اور وہی ان سب پر حاکم رہتی ہے۔ قیامت میں روحِ انسانی کی حکومت ہٹا دی جائے گی تو ہاتھ پاؤں اور تمام چیزیں اس پر گواہی دیں گی۔

- صاحبو! بے علمی بری بلا ہے۔ جاہل مردہ ہے ، گو چلتا پھرتا ہے۔ انسان کا امتیاز علم سے ہے۔ اگر علم ہے نہ ہنر تو پھر تم کو انسان کہلانے کا حق نہیں۔علم و ہنر رکھنے والے تم پر اسی طرح حکومت کرتے ہیں جس طرح انسان حیوان پر حکومت کرتا ہے۔ لہٰذا تم سعی و اجتہاد کرو۔ کوشش کرو ، محنت کرو۔ اہلِ علم سے پوچھو۔ ان سے تعلیم حاصل کرو۔ عالم کہلاؤ۔ پھر تعلیم کے لیے نکلو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ نیم ملا خطرۂ ایمان نہ بنو۔ دیکھو! کسی تجربہ کار ڈاکٹر کے نیچے کچھ مدت تک کام کرتے ہیں تو پھر کہیں علٰحدہ کام کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

- شروع میں درج شدہ سورۃ طٰہٰ کی آیت 114 پر بھی ذرا غور کرو۔ حبیبِ خدا محمد مصطفٰی ﷺ کو جن کی شان ہے وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (سورۃ النساء آیت 113) اور جن کا طرۂ دستار ہے " اُوْتِيْتُ الْعِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ " اُن کو بھی حکم ہوتا ہے وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ، اور تم اپنی علمی ترقی کے لیے دعا کرو --- لہٰذا تم بھی یہ یاد رکھو اور خوب سمجھ لو کہ زندگی علمی ترقی کا نام ہے۔ اگر علم کا دروازہ

بند ہوجائے تو موت ہے ، یا پھر اقل درجہ (lowest degree) کا دماغ پر فالج ہے۔

- اچھا! ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب رسولِ خدا ﷺ کو عِلمُ الاَوّلِین وَالاٰخِرِیْنَ دیا گیا تو ان کی علمی ترقی کیسی؟ --- اس کا جواب یہ ہے کہ باوجود اجمالی علم کے تفصیلی علم کے طلب کی ضرورت ہے۔ دیکھو جیسے میں آپ کو دیکھ رہا ہوں تو یہ آپ کے بارے میں ایک اجمالی (brief) سا علم ہے۔ اور آپ کے بارے میں مزید علم کی پھر بھی ضرورت ہے۔ اسی طرح سارا عالم آجائے تو پھر بھی اس کی ہر چیز کو جاننے کے لیے التفاتِ خاص کی ضرورت ہوگی۔ تفصیلی علم تو قیامت تک اوراس کے بعد بھی ختم نہ ہوگا۔ کیونکہ جیسا اوپر بیان کیا گیا کہ علم اگر موقوف ہوجائے ، رُک جائے ، تو موت ہے۔

- صاحبو! علم کو پانی سے بڑی نسبت ہے۔ پانی ، پیاس بجھاتا ہے۔ علم ، طلب بجھاتا ہے۔ جس طرح پانی سے حیات ہے ، علم سے بھی حیات ہے۔ ایک جاہل کو علم دینا اس کو زندہ کرنے کے مساوی ہے۔ غرض کہ علم بڑی دولت ہے۔ نعمت ہے۔ ایک اور بات یاد رکھو کہ جس کا آج اس کے کل کے برابر ہے وہ گھاٹے میں ہے۔ اس کی آج کی زندگی بے کار ہے۔ للہٰذا زمانہ کے ساتھ ساتھ تمھارا علم ترقی کرتا چلا جائے۔ ہر سانس ایک تازہ علم کے ساتھ ہو۔ رَبِّ زِدْنِی عِلمًا. وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ.

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 2 تا 5 پارہ 4 صفحہ 43 تا 45 پارہ 14 صفحہ 71 ، 72 پارہ 16 صفحہ 40 ، 123 ، 124

پارہ 18 صفحہ 57 پارہ 26 صفحہ 41 اور پارہ 29 صفحہ 100﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (سورۃ الانعام آیت 12)۔ یہ اللہ کی عنایت ہی تو ہے کہ اس نے رحم کو ہمارے لیے اپنے اوپر واجب کرلیا ہے۔ ہم نیست تھے ہم کو ہست کیا۔ ہم معدوم تھے ہم کو موجود کیا۔ ہم نے کیا کیا تھا کہ ہم کو پیدا کرتا۔۔؟ یہ اس کا فضل ہے ، کرم ہے --- ماں کا سینہ میں دودھ کا اتارنا ، کون سے کام کا بدلہ ہے۔۔؟ ہماری پرورش کے لیے کھیتوں میں غلّہ ، درختوں پر میووں کا پیدا کرنا ، ہمارے کس کام کا اجر ہے۔۔؟ اَللّٰھُمَّ خَلَقْتَنِیْ مَجَاناً ، وَرَزُقْتَنِیْ مَجَاناً ، فَاغْفِرلِیْ مَجَاناً ، اے ہمارے رب تو نے مجھے مفت پیدا کیا ہے ، مفت پالا ، اب مجھے بخش دے تو مفت ہی ---

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 7 صفحہ 45 اور 46﴾

19 - فکر و عمل

☆ وَالۡعَصۡرِ ۙ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

❁ زمانہ شاہد ہے۔ ❁ بے شک انسان نقصان میں ہے۔ ❁ مگر وہ لوگ نہیں جو ایمان رکھتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ (سورۃ العصر آیت 1، 2 اور آیت 3 کا حصہ)

☆ قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ۚ

❁ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا، اے نوح! یہ (تمھارا بیٹا) تمھارے متعلقین میں سے نہیں۔ بے شک اس کے اعمال اچھے نہیں۔ (سورۃ ھود آیت 46 کا حصہ)

- اسلام اور قرآن کی تعلیم میں ہمیشہ غور و فکر اور تفکر کی ہدایت کی جاتی ہے۔ دوسرے مذاہب میں عقل و فہم سے کام نہیں لیا جاتا۔ استعارات یعنی metaphors اور similes سے حقیقت یا truth کی طرف راستہ نکالنے کا حکم نہیں دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ مکار پیشوایانِ مذاہب کے پنجہ سے نہیں نکلتے۔ صرف اسلام کی تعلیم میں تفکر سے کام لیا جاتا ہے۔ ہر آدمی غور و فکر کر کے بڑے بڑے مراتب تک پہنچ سکتا ہے۔ یہاں نہ ذات کا جھمیلا ہے نہ خاندان کی خصوصیت۔ جو کرے گا وہ پائے گا۔ اسلام کا راز فکر و عمل میں ہے۔ علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی و ضلال ہے۔

- عملِ صالح کیا ہے؟ --- ہمارا ہر فعل، ہر عمل اللہ کے حکم کے تابع ہو۔ ہر شخص کے ساتھ اس کا عملِ صالح اور عملِ صالح کے ساتھ اس کے نتائج و لوازم لگے رہتے ہیں۔ نہ انسان فنا ہوتا ہے نہ اس کے اعمال اور نہ اس کے نتائج۔ جیسا عمل ویسی جزا۔ اعمال اگر بے جان بھی ہوں تب بھی اس کا نتیجہ ضرور ظاہر ہوگا۔ جو شکر کھائے گا اس کا منہ میٹھا ہوگا اور جو ایلوا چاٹے گا اس کا حلق ضرور کڑوا ہوگا۔ دنیوی نیک کاموں کا نتیجہ راحت ہے، آرام ہے، آبرو ہے، عزت ہے، حکومت ہے۔ جو دنیا کی طرف توجہ نہیں کرتا اور صرف آخرت اس کے پیشِ نظر ہے تو اس کے لیے اُخروی راحت ہے، جنت ہے۔ جو دین اور دنیا دونوں کے لحاظ سے مناسب کام اور عملِ صالح کرتا ہے اس کا دین بھی اچھا ہے

اور دنیا بھی اچھی۔ مسلمانو! دنیوی کاموں میں اگر درستگی کا لحاظ نہ رکھوگے تو تم کو آخرت تو ملے گی مگر دنیا خراب ہو جائے گی۔ اسلام میں رہبانیت اور جوگی پن نہیں ہے۔ مسلمان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں ملے ہوئے ہیں۔ مسلمان کے پاس ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً یعنی اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی (سورۃ البقرہ آیت 201)۔

- دنیا عالمِ اسباب ہے۔ اللہ نے عقل دی ہے، ہاتھ پیر دیئے ہیں۔ ان کو بے کار نہ سمجھو۔ اللہ نے جن اغراض کے لیے ان کو پیدا کیا ہے ان کا استعمال کرو۔ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کیا عالم اور جاہل دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ (سورۃ الزمر آیت 9)، ہرگز نہیں۔ وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ط وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی، آدمی کے لیے وہی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ بے شک آدمی اپنی سعی اور کوشش کے نتیجے کو دیکھے گا (سورۃ النجم آیت 39، 40)۔ جیسا کروگے، ویسا بھروگے۔ جیسا بوؤگے ویسا کاٹو گے۔

- ایک بات اور یاد رکھو! عملِ صالح نہ رہنے کے سبب نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا بیٹا تمہارے متعلقین میں سے نہیں ہے (دیکھو سورۃ ھود کی آیات 45 تا 47)۔ لہٰذا اے پیرزادو! اے عالموں کے بچو! ماں باپ کے اچھے ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ جب تک کہ ان کی چال پر نہ چلیں اور ان کی طرح عملِ صالح نہ کریں۔ افسوس کہ لوگوں کا سرمایۂ افتخار اب صرف بزرگ زادگی رہ گیا ہے۔ اپنے ناموں کے ساتھ سید، شاہ اور نہ جانے کیا کیا القاب لگاتے ہیں۔ اور عمل میں صفر۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اب بزرگی باقی نہیں رہی، بزرگ زادگی ہے۔ روز بہ روز کا گھٹنا (decline) ہے، تنزل ہے، تباہی ہے۔ دیکھو! اللہ کے فرمان، اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ۔ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ، کو یاد رکھو۔ اپنے بزرگوں کا نام اپنی بداعمالیوں سے بدنام نہ کرو۔ اگر تم خود اچھے کام کروگے تو تم اپنے بزرگوں سے ملا دیئے جاؤگے۔ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ (سورۃ الطور آیت 21)۔

باتوں سے کیا ہوتا ہے
عمل سے ساری عزت ہے
علم و عمل کی دنیا ہے
غفلت باعث ذلت ہے

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 9 پارہ 1 صفحہ 35، 49، 50 پارہ 12 صفحہ 31 تا 34 اور پارہ 30 صفحہ 172، 173 ﴾

20 - اطاعتِ رسول ﷺ

☆ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ط

آپ فرمادیجئے، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں (نہ مانیں) تو اللہ کافروں کو محبوب نہیں رکھتا۔ (سورۃ ال عمران آیت 32)

☆ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ط

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ (سورۃ ال عمران آیت 132)

- پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر شخص کا فرض ہے۔ ان کے احکام نہ ماننا کفر ہے۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کا پھل کیا ہے ---؟ تمام گناہوں کا بخشا جانا ہے، اللہ کا محبوب ہو جانا ہے، بھلا خدا کی محبوبیت سے بھی کوئی اعلیٰ و ارفع چیز ہے---؟

- سورۃ النساء کی آیت 65 میں اطاعتِ رسول پر زور دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" نہیں ہرگز نہیں تمھارے پروردگار کی قسم یہ کبھی مومن نہ ہوں گے جب تک کہ آپس کے اختلافات میں تم کو حاکم نہ مانیں۔ اور اس فیصلہ سے ان کے دل میں کسی قسم کی تنگی اور گرانی نہ ہو اور تمھارے احکام کو ظاہر و باطن میں بہ خوشی تسلیم کرلیں"۔ صاحبو! ذرا آج کل کے دور پر غور کرو۔ آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے تمام احکام ماننا کچھ اتنا ضروری نہیں۔ بلکہ اپنی ناسمجھی سے یہ تک سوال کردیتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں کیا تمام احکامات کی پابندی ممکن ہے؟ لیکن یاد رکھو کہ حضور ﷺ کی ایک بات کو بھی نہ ماننا حضورؐ کو نہ ماننا ہے۔ اور اسلامی احکام میں سے ایک کو بھی نہ ماننا اسلام سے انکار ہے۔

- محمد رسول اللہ ﷺ کی پیغمبری کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پیغمبری کا یہ سلسلہ تو آدم علیہ السلام سے چلا آرہا ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ پر ختم ہوا ہے۔ زمانہ بدلتا گیا، پیغمبر بدلتے گئے، احکام بدلتے گئے۔ ہر ایک امت، ہر ایک قوم اپنے زمانے کے پیغمبر اور ہادی کی اتباع کرنے پر مامور ہے۔ مجبور ہے۔

- آج کل غیر مسلموں سے ڈر کر اور ان کی خوشامد میں مسلمان یہ تک کہنے لگے ہیں کہ بس اچھے کام کرو۔ چاہے مسلمان رہو، یہودی رہو یا نصرانی رہو۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو صدق دل سے نہ مانیں اور ان کے احکام کے پابند نہ ہوجائیں ہر گز نجات ممکن نہیں۔ یاد رکھو! ایک پیغمبر سے انکار تمام پیغمبروں سے انکار کے برابر ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبین ہیں۔ ان کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے ، ان کو eliminate کرتا ہے۔ تمام پیغمبروں کا مذہب آپؐ کے تشریف لانے تک تھا۔ تمام آسمانی کتابوں میں آپؐ کے آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ جو حضور ﷺ کو نہیں مانتا گویا وہ کسی پیغمبر کو نہیں مانتا۔ اس موضوع پر بہت سی کتابوں میں معرکتہ الآرا بحثیں بھی کی جا چکی ہیں۔ حدیثِ مبارکہ ہے کہ" لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَّا وَسِعَہٗ اِلاَّ اتِّبَاعِیْ " یعنی موسیٰ اِس وقت زندہ رہتے تو ان کو میری اتباع کے سوائے چارہ نہ تھا۔ لہٰذا جو یہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی مذہب اختیار کریں مگر اچھے کام کرلینا کافی ہے ، درست نہیں۔ ظاہر ہے کہ بغیر تصدیقِ نبوت کے صحیح ایمان نہیں ہوسکتا۔ اور خالی عملِ صالح بغیر ایمان کے کیا وزن رکھتا ہے ---؟ ہمارے پاس ، عملِ صالح نہ کرنا جرم ہے۔لیکن بے ایمانی تو بغاوت ہے۔

- دیکھو! اللہ تعالیٰ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ فرما کر اپنے رحم کو اپنی اطاعت کے ساتھ اطاعتِ رسول سے وابستہ کرتا ہے۔ رحم کے معنی مڑنے کے ہیں۔ اگر تم نے اللہ اور اس کے رسول سے منھ موڑ لیا تو پھر اللہ تمھاری طرف کیوں متوجہ ہوگا---؟

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 100 ، 101 پارہ 4 صفحہ 36 پارہ 5 صفحہ 48 ؛ 49 اور پارہ 6 صفحہ 115 ٭

متفرقات - Miscellaneous

☆ سورتوں کی ابتداء میں جو حروف آتے ہیں جیسے الٓرٰ ، الٓمٓصٓ ، یٰسٓ وغیرہ ، ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں۔ ان میں سے بعض پوری آیتیں ہیں اور بعض جزوِ آیات۔ یہ چیزیں اسرارِ الٰہی میں سے ہیں جس کو اللہ معلوم کرائے اس کو معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے جاننے میں خارجی کوششیں بے فائدہ ہیں۔ البتہ پیغمبر کا اس کو جاننا ضروری ہے کیونکہ قرآن مبین ہے۔چناں چہ حروفِ مقطعات کے معنی اس کے اصل مخاطب رسول اللہ ﷺ کو ضرور معلوم ہیں۔ ان حروف کے بارے میں بعض ادیبوں نے یہ لکھا ہے کہ تمام حروف ملائے جائیں تو اقسام انواع اور صفاتِ حروف کے نصف نصف ہیں۔ انہیں بعض لوگ مخفف بھی کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ دل سے گھڑنے سے بہتر ہے کہ " اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ " کہہ کر خاموش ہوجائیں۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ البقرۃ ، سورۃ اٰل عمران ، سورۃ الاعراف اور سورۃ الرعد وغیرہ ٭

21 - محبت

☆ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط

اور وہ جو ایمان دار ہیں، اللہ سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت 165 کا حصہ)

- محبت کیا ہے؟ --- محبت جذبۂ دل ہے ، طبیعت کی ایک طلب ہے۔ یہی طلب ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے تو عشق کہلاتی ہے۔ محبت تمام عالم پر کارفرما ہے۔ مختلف مقام میں اس کے مختلف نام ہوتے ہیں۔ ذراتِ عالم میں کششِ اتصال (conjunctional attraction) ہے۔کراتِ عالم میں تجاذب (absorption) ہے۔ زمین و زمینیات میں کششِ ثقل (gravitational attraction) ہے۔ حیوانات میں الفت و نفرت ہے۔ انسان میں محبت ہے ، عشق ہے۔ اس کی تحریک اصل میں فوق العرش میں ہوئی ہے۔

- محبت میں کبھی اس کی منشا ، لذت ہوتی ہے۔ ایسے میں وہ آتی بھی جلد ہے اور جاتی بھی جلد۔ کبھی اس کی منشا ، نفع کا حصول ہوتا ہے تو ایسی محبت آتی دیر سے اور جاتی جلد ہے۔ کبھی منشائے محبت ، خیر ہوتا ہے۔ ایسی محبت آتی جلد اور جاتی دیر سے ہے۔ کبھی یہ محبت فطری ہوتی ہے۔ جیسے ماں باپ کی اولاد سے۔ احسان سے بھی محبت ہے۔ شریف آدمی محسن سے محبت کرتا ہے۔ کبھی طبیعتوں کی موافقت بھی محبت پیدا کرتی ہے۔ وہ یہ نہیں بتلا سکتا کہ یہ محبت آئی کیسے۔ دیکھنے ، سننے ، صحبت میں رہنے سے کچھ محبت پیدا ہوجاتی ہے۔

- محبت کو شراب سے بڑی مشابہت ہے۔ عقل خراب ، حواس غائب ، نہ عزت کا خیال نہ آبرو کا لحاظ۔

تم نے کیا سوچ کر محبت کی
دیکھو آگے ہیں مشکلات بہت

مگر کس خانہ خراب نے سوچ کر محبت کی ---؟ بس کسی نے اپنا جلوہ دکھایا ، غریب گھائل ہوگیا۔ واپس جانا چاہتا ہے لیکن محبت کا پنجۂ آہنی کسی کو کب چھوڑتا ہے۔ تڑپتا ہے ، پھڑکتا ہے ، کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔ جان جائے گی تو ہی یہ عذاب جائے گا۔ حضرتِ عشق بڑے ہی غیور ہیں۔ شرکت پسند نہیں کرتے۔ اَنَا لاَ غَیْرِیْ کا دعویٰ ہے۔ خود کو وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ سمجھتے ہیں۔

- صوفیہ کے پاس آدم کی خلقت کی وجہ ، محبت ہے۔ محبت ہی بارِ امانت ہے۔ محبت ہی اس کی اس خلافت کا باعث ہے۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیان

- کوئی کسی چیز یا کسی شخص کو دیکھتا ہے تو اسماءِالٰہیہ ہی ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن عینِ ثابتہ یعنی معلوماتِ الٰہی کی استعداد کے مواقف۔ تجلیٔ الٰہی کی جھلک ہر شئے سے ظاہر ہوتی ہے۔ مگر چشمِ بینا یا دیکھنے والی آنکھ کی ضرورت ہے۔ بعض ، جو ظاہر ہے اس کو نہیں دیکھتے ، اس کی محدودیت کو دیکھتے ہیں۔ سیاہی سے غرض نہیں ، حروف کے شیدا ہیں۔ بعض کو کبھی کبھی کسی خوبصورت شئے میں حسنِ ازلی کی جھلک نظر آجاتی ہے۔بعض کو ہمیشہ مگر صورتِ خاص ، واسطہ پڑتی ہے۔ بعض صورت سے گذر کر معانی تک رسائی حاصل کرتے ہیں تو بعض کے پاس ہے :

گم شدن در گم شدن دینِ من است
نیستی در ہست ، آئینِ من است
(کھو جانا اور بس کھو جانا ہی میرا دین ہے۔ خود کو مٹا کر اسے پالینا ہی میرا ایمان ہے)

- محبت محورِ زندگی ہے۔ دنیا اسی پر چلتی ہے۔ خواہ غرضی محبت ہو ، خواہ طبعی۔ سب کی اصل یہی محبت ہے۔

- عشق و محبت سے نکلنے والے آبشار کے پانی کا ایک گھونٹ بھی ، پینے والے کو مست و الست کر دیتا ہے۔ جو اس کا پانی پیتے ہیں ، ان میں سے بعض عاشق کہلاتے ہیں۔ اور بعض معشوق۔ کچھ محبّ ہوتے ہیں اور کچھ محبوب۔ کوئی چاہتا ہے اور کوئی چاہا جاتا ہے۔ یُحِبُّوْنَهٗ وَ یُحِبُّوْنَهُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ محبِ خدا محبوبِ خدا ہوتا ہے۔ اور محبوبِ خدا ، محبِ خدا بھی۔ مگر دونوں میں امتیاز صرف یہ ہوتا ہے کہ جو چیخا چلایا وہ عاشق کہلایا۔ اور جس نے ضبط کیا ، صبر و سکون سے بیٹھا وہ معشوق۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 22 تا 24 اور پارہ 30 صفحہ 138﴾

22 - غزوۂ بدر

☆ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ط

اور تم کو اللہ نصرت بخشے (کیسی نصرت؟) باعزت نصرت ، (نادر)۔ (سورۃ الفتح آیت 3)

☆ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ط

اور یقیناً اللہ نے تم کو بدر میں فتح (و نصرت) عطا کی حالانکہ تم کمزور تھے۔

(سورۃ ال عمران آیت 123 کا حصہ)

- سورۃ الفتح کی آیت میں بدر کی لڑائی کی طرف اشارہ ہے۔اکثر علماء پورے حالات سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے جنگِ بدر کو جارحانہ (aggressive) سمجھتے ہیں۔کہتے ہیں کہ مسلمان قریش کو لوٹنے کے لیے گئے تھے۔ہم پورے حالات بیان کریں گے جس سے ثابت ہو جائے گا کہ بدر کی لڑائی مدافعانہ یعنی defensive تھی نہ کہ جارحانہ ۔

- صاحبو! عربوں کی عادت تھی کہ ماہ ذیقعدہ ، ذی الحجہ ، محرم اور ماہ رجب میں وہ آپس میں صلح و آشتی سے رہتے اور ان مہینوں میں تجارت کے قافلے جاتے۔ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّيْفِ ۔سرما و گرما میں امن کے زمانے میں یہ تجارت کر کے مالا مال ہوجاتے۔ سعد بن معاذؓ کی سرداری میں مسلمانانِ مدینہ ، حج کرنے کے لیے مکہ شریف آئے تو ابوجہل نے خلافِ قاعدہ سعدؓ سے کہا کہ تم محمدؐ کو ہمارے حوالے کردو ورنہ ہم تم کو حج کرنے نہ دیں گے۔ سعدؓ نے کہا ، تم ہم کو حج سے روکتے ہو ، تو ہم تم کو بھی تجارت کرنے کے لیے ہماری سرزمین سے گزرنے نہ دیں گے۔ قریش کے شریر کفار ، مدینہ شریف کے علاقے میں جا کر مدینہ والوں کے اونٹ ہانک کرلے جاتے۔ ابوسفیان ابن حرب کی سرکردگی میں ایک تجارت کا قافلہ شام کے لیے نکلا تھا۔ اس قافلہ کے لوگوں نے باہم معاہدہ کرلیا تھا کہ اس دفعہ جو فائدہ ہوگا ، مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے اس کی ساری رقم لگا دی جائے گی۔مسلمانوں نے یہ سن کر 313 آدمی مدینہ کے علاقے کی سرزمین پر اس قافلہ کو روکنے کے لیے اور اپنی سرزمین پر سے نہ گزرنے دینے کے لیے مقامِ بدر میں آ کر ٹھیرے رہے۔ رسول خدا ﷺ اس چھوٹے سے اسلامی لشکر کے روحِ رواں تھے۔ ابوسفیان کو اس کی خبر ہوگئی اور اس نے واپسی میں راستہ کترا کر اپنا قافلہ مکہ پہنچا دیا۔لیکن جب کفارِ قریش نے یہ سنا تو مکہ سے 1000 مسلح سپاہیوں کے ساتھ مدینہ کی سرزمین پر حملہ کردیا۔ جب

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آگئیں تو جنگ شروع ہوگئی۔ کفارِ قریش میں عتبہ ، شیبہ ولید بن مغیرہ اور ابو جہل جیسے ممتاز سردار تھے۔ عتبہ ، شیبہ اور ولید نے آواز لگائی "کوئی لڑنے والا ہے تو آئے اور ہم سے لڑے"۔ یہ سن کر انصار ، جاں نثارانِ محمدی آ پہنچے۔ ان کفارِ قریش کے سرداروں نے ان سے کہا "تم کیا ہماری برابری کرتے ہو؟ تم کو کیا حوصلہ ہے کہ ہم سے مقابلہ کروگے؟ تم کھیتی باڑی کرنے والے لوگ ہو" --- اس پر رسول اللہ ﷺ نے آواز دی۔ "کہاں ہیں حمزہ بن عبد المطلب" (حضورؐ کے چچا)؟ "کہاں ہیں ابو عبیدہ بن حارث" (حضورؐ کے چچازاد بھائی)؟ "کہاں ہیں علی ابن طالب" (حضورؐ کے چچازاد بھائی اور داماد)؟ اور فرمایا "جاؤ اور ان کافروں سے جنگ کرو" --- عتبہ کے مقابلے پر حمزہؓ آئے ، شیبہ کے مقابل ابو عبیدہؓ ہوئے اور ولید کے مقابل حضرت علیؓ۔ عتبہ نے حمزہؓ سے پوچھا "تم کون ہو"؟ آپ نے فرمایا "میں حمزہ بن عبد المطلب ہوں ، یہ ابو عبیدہ بن حارث ہیں اور یہ علی ابن طالب ہیں" --- اس نے کہا "کُفُوٌ کَرِیمٌ" -- یعنی تم تو ہمارے برابر والے ہو ، شریف ہو۔

- اور پھر تلواریں چلنے لگیں۔ بجلیاں کوندنے لگیں۔ حمزہؓ بن عبد المطلب نے عتبہ کو فنا کردیا۔ علیؓ ابن ابی طالب نے ولید کو مار کر ڈھیر کر دیا۔ شیبہ نے بھالے سے ابو عبیدہؓ کے پیر پر ایسی مار ماری کہ وہ زمین پر آرہے۔ لیکن حمزہ بن عبد المطلبؓ اور علی ابن ابی طالبؓ نے شیبہ کا کام تمام کردیا۔ ابو عبیدہؓ جگہ سے ہٹا لیے گئے۔ ابو عبیدہؓ کے سر کو ، رسول اللہ ﷺ نے اپنے زانوئے مبارک پر رکھ لیا۔ اور بار بار اپنے رومالِ مبارک سے ان کا منہ پوچھتے تھے۔ ابو عبیدہؓ پوچھتے کہ یا رسول اللہ ﷺ ، میں جنگ گاہ سے ہٹا لیا گیا ہوں کیا میں شہیدوں میں شمار کیا جاؤں گا؟ سرکارؐ تصدیق فرماتے تھے اور وہ راہئ عالمِ بالا ہوتے ہیں۔

دوسری طرف ایک انصاری نوجوان بچہ جس کا نام معوذؓ بن عفراء تھا ، عبداللہؓ ابن مسعود کے پاس آکر پوچھتا ہے کہ چچا! وہ ابو جہل کونسا ہے جو ہمارے سرکارؐ کو تکلیف دیتا تھا۔ اُدھر دوسرا بھائی آتا ہے جس کا نام معاذؓ بن عفراء تھا ، وہ بھی پوچھتا ہے کہ چچا! وہ ابو جہل کونسا ہے جو ہمارے سرکارؐ کو ہمیشہ ستاتا تھا۔ چچا ، ابو جہل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور پھر بجلیاں کوندنے لگتی ہیں اور ان دونوں بچوں کی تلواریں ابو جہل کے دونوں پاؤں پر پڑتی ہیں۔ اور وہ دھڑام سے زمین پر آگرتا ہے۔ ایک بھائی خون آلودہ تلوار حضورؐ کو دکھاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میں نے آپؐ کے دشمن کو مار کر پھینک دیا۔ دوسرا انصاری دوڑے آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ سرکارؐ میں نے آپ کے دشمن کو مار ڈالا۔ اور اپنی خون آلود تلوار حضورؐ کو بتلاتا ہے۔ سرکارؐ ان دونوں کی کارکردگی پر خوشی و خرمی کا اظہار فرماتے ہیں۔ یہ ہے خلاصہ جنگِ بدر سنہ 2 ہجری کا ---

٥ حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 3 صفحہ 81 پارہ 4 صفحہ 29 تا 31 پارہ 9 صفحہ 94 تا 96 پارہ 26 صفحہ 50 ، 51 اور پارہ 30 صفحہ 190 ❊

23 - جنگِ اُحد

☆ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبۡهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا ط

❁ اور جو منھ پھیرے (جنگ میں حاضر نہ ہو) اس کو عذابِ الیم ہوگا۔

(سورۃ الفتح آیت 17 کا حصہ)

- بدر کی لڑائی کے کچھ ہی عرصے بعد کافر اپنے سرداروں کے مارے جانے کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ کے قریب اُحد کے پہاڑ کے پاس تین ہزار (3,000) جرار فوج لے کر پہنچے جہاں مسلمانوں اور کافروں میں جنگ ہوگئی۔ حضرت رسول اللہ ﷺ اور چند لوگوں کی رائے تھی کہ شہر بند ہو کر لڑیں ، اور تیر اندازی سے کام لیں۔ مگر دوسرے بہت سے لوگوں کی رائے تھی کہ میدان میں نکل کر لڑیں۔ آنحضرت ﷺ نے کثرت رائے کا خیال کرتے ہوئے میدان میں نکل کر لڑنے کو اختیار فرمایا۔ عبداللہ بن ابی منافق اور بعض دوسرے منافقین نے عین وقت پر دغا دی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن لڑائی کے شروع میں اللہ نے مسلمانوں کو ہی فتح دی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ایک گھاٹی پر عبداللہ بن جبر کے زیرِنگرانی کچھ تیراندازوں کو بٹھایا تھا ، اورانہیں قطعی حکم دیا تھا کہ وہاں سے نہ ہٹیں۔ اور اس گھاٹی کی حفاظت میں سرگرم رہیں۔ مگر ان نادانوں نے اپنی فتح دیکھی تو رسول اللہؐ کے حکم کے خلاف کافروں کا مالِ غنیمت لینے میں مشغول ہوگئے۔ خالد بن ولید نے ، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ، اس گھاٹی پر سے حملہ کردیا۔ غفلت میں پشت کی طرف سے جو حملہ ہوا تو اسلامی لشکر تتربتر ہوگیا۔ اور لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ وحشی ، نامی ایک شخص نے پتھر کے پیچھے سے چھپ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر بھالا پھینکا جس سے آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ خود آنحضرت ﷺ بھی زخمی ہوئے اور آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوگئے۔ اس حالت میں کسی شیطان نے یہ آواز لگادی کہ آنحضرت ﷺ شہید ہوگئے ہیں۔ بس اس کے بعد اسلامی لشکر میں بڑی افراتفری پھیل گئی۔ پہلے کافروں کو شکست ہوئی تھی۔ اور پھر بعد میں مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا۔ لیکن کافر بھی اس قابل نہیں رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کرکے اس کو فتح کرلیں۔ یوں یہ لڑائی بے نتیجہ ہی رہی۔ اس کو ، جنگِ اُحد ، کہتے ہیں۔

☜ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 4 صفحہ 30 تا 32 پارہ 26 صفحہ 68 ، 69 اور پارہ 30 صفحہ 190 ☞

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ سورۃ الاحزاب کے تیسرے رکوع میں غزوۂ احزاب ، جسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں ، کا ذکر ہے۔ یہودیوں نے قریش کے کفار سے مل کر مختلف قبائل سے لشکر جمع کرکے مدینہ پر چڑھائی کی۔ کافروں کا یہ لشکر 12,000 کا تھا۔ ان کے ساتھ سازوسامان بھی تھا۔ اس لشکر نے چاروں طرف سے مدینہ کو گھیر لیا۔ ان کو روکنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے دونوں لشکروں کے درمیان ایک خندق کھدوائی جس میں خود حضورؐ نے بہ نفس نفیس شرکت بھی فرمائی۔ پھرایک رات سخت آندھی چلنے لگی۔ کفار کھلے میدان میں تھے لہٰذا ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ ہوا کے زور سے ان پر کنکر پتھر ، مٹی اور ریت ایسی آئی کہ ٹھیرنا دشوار ہوگیا۔ مجبوراً ان کو منتشر ہونا پڑا۔ آخرکار اللہ نے اپنے حبیبؐ اور مسلمانوں کو فتح دی اور کافروں کے شر سے بچایا۔ یہ واقعہ سنہ 4 یا 5 ہجری کا ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 21 صفحہ 93 ﴾

☆ سورۃ الفتح کی آیت 20 میں فتحِ خیبر کی طرف اشارہ ہے۔ فتحِ خیبر (سنہ 7 ہجری) کا واقعہ یہ ہے کہ جب یہودی مسلمانوں کے ساتھی ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود جنگِ احزاب میں کفار سے مل گئے اور مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیاری کی ، تو مسلمانوں نے بھی ان کی سرکوبی کے لیے خود رسول اللہ ﷺ کے زیرِ سرکردگی ، خیبر پر حملہ کردیا۔ یہ لڑائی یا محاصرہ تین چار روز تک رہا۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی شیرِ خدا کو جھنڈا دے کر خیبر کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے قوتِ ولایت سے قلعہ کے دروازے کے پٹ کو اس زور کا جھٹکا دیا کہ اس کی چولیں ٹوٹ گئیں اور دروازہ کھل گیا۔ پھر اس پٹ کو خندق پر بچھا دیا گیا۔ جس پر سے لوگ گزر کر قلعہ خیبر میں داخل ہوگئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ دروازہ اس قدر مضبوط تھا کہ کئی آدمی مل کر بھی اس کو اٹھا نہیں سکتے تھے۔ بہر حال یہودیوں میں لڑنے کی قوت نہ تھی۔ صرف ایک پہلوان جس کا نام مرحب تھا اس نے حضرت علیؓ سے لڑائی کی اور مارا گیا۔ یوں بغیر کشت و خون کے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو فتح و نصرت عطا کی ، اور مسلمانوں کو یہودیوں کے شر سے محفوظ کردیا۔ اس میں مالِ غنیمت بھی مسلمانوں کو بہت کچھ ملا۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 26 صفحہ 72 ﴾

24 - فتحِ مکہ

☆ اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ط

بے شک ہم نے تم کو واضح (اور کھلی) فتح عطا کی۔ (سورۃ الفتح آیت 1)

☆ وَھُوَ الَّذِیۡ کَفَّ اَیۡدِیَھُمۡ عَنۡکُمۡ وَ اَیۡدِیَکُمۡ عَنۡھُمۡ بِبَطۡنِ مَکَّۃَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ اَظۡفَرَکُمۡ عَلَیۡھِمۡ ۔ وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا ط

اور وہی تو ہے جس نے اُن کے ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے ہاتھوں کو اُن سے روکا خود شہر مکہ میں (یعنی لڑائی ہونے نہ دی)، بعد اس کے کہ اللہ نے تم کو اُن پر ظفریاب کیا (فتح دی)۔ اور اللہ تو تم لوگوں کے کاموں کو دیکھتا ہے۔

(سورۃ الفتح آیت 24)

- صاحبو! صلحِ حدیبیہ میں مسلمانوں اور مشرکین میں یہ طے پایا تھا کہ دس سال تک آپس میں کوئی جنگ نہ کریں گے۔ لیکن دو قبیلوں، قبیلہ بنوبکر (مشرکین کا حلیف) اور قبیلہ بنوخزاعہ (رسول اللہ کا حلیف) کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ جس میں قبیلہ بنوخزاعہ کو سخت نقصان پہنچا۔ جس پر اس قبیلے نے مکہ میں چیخا کہ یا محمدؐ! قریش کے کفار نے اپنے حلیفوں کی مدد کر کے ہم کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ آپ ہمارے حلیف ہیں لہذا ہماری مدد فرمایئے ۔۔۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تھے۔ آپ نے مدینہ سے جواب دیا۔ " لبیک! میں تمھاری مدد کرنے کے واسطے حاضر ہوں۔ اگر میں تمھاری مدد نہ کروں تو اللہ میری مدد نہ کرے"۔ جس پر ابوسفیان بن حرب نے مدینہ پہنچ کر یہ کوشش کی کہ کسی طرح دوبارہ مصالحت ہوجائے اور پھر سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوجائے۔ لیکن اس کی یہ کوشش ناکام رہی۔ حضورؐ دس ہزار (10,000) فوج لے کر مکہ کی طرف چلے۔ راستے میں دو ہزار آدمی اور مل گئے۔ اس طرح آپؐ کے ساتھ بارہ ہزار (12,000) کی فوج ہوگئی جس نے مکہ پہنچ کر پورے شہر کو گھیر لیا۔ ابوسفیان نے دیکھا کہ اتنی بڑی اسلامی فوج سے کس طرح جنگ ممکن ہے۔ حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ جو مسلمان تو ہوچکے تھے لیکن ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی، انہوں نے ابوسفیان کو مشورہ دیا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے امن مانگو، ورنہ

تمام مشرکینِ قریش تہ تیغ کردیئے جائیں گے۔ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو لے کر حضورؐ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے پہرے بھی تھے۔ لیکن چونکہ حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو سواری پر اپنی پیٹھ کے پیچھے بٹھا رکھا تھا اس لیے وہ اسے حضورؐ تک بہ حفاظت پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے آپؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ، ابوسفیان مسلمان ہونا چاہتا ہے اس کو کچھ عزت سے ممتاز فرمایئے۔ حضورؐ نے فرمایا "جو ابو سفیان کے گھر میں پناہ لے اس کو امن ہے"۔ اس نے کہا میرا گھر سارے قریش کو کہاں جگہ دے سکتا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "جو مسجد الحرام میں پناہ لے اس کو امن ہے اور جو ہتھیار ڈال دے یا گھر کے دروازے بند کرلے اس کو بھی امن ہے"۔ پھر اسلامی فوج نے شہر مکہ میں داخل ہونا شروع کیا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو کسی اونچی جگہ کھڑا کردو تاکہ یہ اسلامی فوج کا گزرنا دیکھ لیں۔ ایک مسلم نے ابوسفیان سے کہا کہ آج قریش ذلیل ہونگے۔ جس پر ابو سفیان نے سرکارؐ سے رجوع کیا۔ آپؐ نے فرمایا "میں بھی تو قریشی ہوں ، آج کے دن قریش کی بڑی عزت ہوگی" ۔۔۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ ، اِنَّا فَتَحنَا کا سورۃ پڑھتے ہوئے مکمل فتح مندی کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ سنہ 8 ہجری کا ہے۔

- قریش کو بڑا زعم تھا کہ مکہ کسی سے فتح ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا نے اصحابِ فیل کو جب کہ وہ مکہ پر حملہ کر رہے تھے ، ابابیل (یعنی پرندوں) کی مختلف جماعتوں کی مدد سے ان کو شکست دی تھی۔ انھیں کیا خبر تھی کہ اس مرتبہ یہاں کوئی غیر نہیں آ رہا ہے بلکہ خود شہر مکہ کا رہنے والا ، جس کو انہوں نے ظلم و ستم کرکے نکالا تھا ، پھر اپنی جائے پیدائش اور وطن میں داخل ہو رہا ہے۔

- صاحبو! اتنا اہم شہر فتح ہوگیا ، اور اس موقع پر کل 70 آدمی مارے گئے ، اور وہ بھی حضور ﷺ کے حکم کے بغیر ، اور کسی غلط فہمی سے۔ یہ فتحِ مبین نہیں تو اور کیا ہے ۔۔۔؟ ایسے مواقع پر عام طور سے غنڈہ گردی ہوتی ہے۔ سینکڑوں آدمی مارے جاتے ہیں۔ رحمت للعالمین کی رحمت دیکھو! جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اسے امن۔ جو مسجدِ حرام میں پناہ لے اسے امن۔ جو گھروں کے دروازے بند کرلے ان کو امن۔ جو ہتھیار ڈال دے اس کو امن۔

- پھر آخر میں رحمت للعالمینؐ نے کیا کیا۔۔۔؟ مکہ ، مکے والوں کو مبارک! اور خود مدینہ شریف کو واپس! کیا تاریخ کوئی ایسی مثال بتاسکتی ہے؟ نہیں ، ہرگز نہیں۔۔۔!

❁ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 26 صفحہ 45 ، 74 تا 76 ❁

25 - منافقین اور ان کی کارروائیاں

☆ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ مَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ

اور لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر حالانکہ وہ ایماندار نہیں ہیں ۔ (سورۃ البقرہ آیت 8)

☆ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَھُمۡ نَصِیۡرًا ؕ

بے شک منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں رہیں گے۔ اور تم ان کا کوئی یار و مددگار نہ پاؤ گے۔(سورۃ النساء آیت 145)

☆ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ------------------

------------------ وَاللّٰہُ مُحِیۡطٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ؕ (سورۃ البقرہ آیت 9 تا 19)

☆ وَ قَدۡ نَزَّلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الۡکِتٰبِ ------------------

------------------ لِلّٰہِ عَلَیۡکُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ؕ (سورۃ النساء آیت 140 تا 144)

- پہلے ابتدائے اسلام کے منافقین پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ یہ منافق کیا کرتے تھے؟ یہ لوگ بہ ظاہر تو مسلمان ہو چکے تھے لیکن بہ باطن ، کافروں سے ملے ہوتے تھے۔ مسلمانوں سے بھی ڈرتے اور کافروں سے بھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا غلبہ ہو تو وہ فائدہ میں رہیں ، اور اگر کافر ہی کا غلبہ ہو جائے تو بھی فائدے میں رہیں۔ سچے مسلمان ، ان سے کہتے کہ یہ دو رخی چال نہیں چلنا چاہیے۔ مسلمانوں کے راز کفّار کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بزدل ، حیلے حوالے سے شریکِ جنگ نہ ہوتے۔ اور اگر ہوتے بھی تو عین جنگ سے بھاگ پڑتے۔ ان سے پوچھا جاتا ایسا کیوں کرتے ہو ، تو وہ کہتے کہ ہم پالیسی والے لوگ ہیں۔ سیاست کی ہم کو مہارت ہے۔ ان کا کہنا ہوتا کہ عقلمند تو وہ ہے جو سب سے ملے اور فوائد حاصل کرے۔ یہ جنگ اور یہ لڑائی بھڑائی تو نری جہالت ہے۔

- جب سرکارِ دوعالم ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو مسلمانوں کا بہت غلبہ ہوگیا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے سرداروں کی کچھ نہ چلنے لگی۔ آخرکار یہ مسلمان ہوگئے۔ مگران کی لیڈری جاتی رہی۔ چناں چہ اب ان کے دلوں میں حسد کی بیماری پیدا ہوگئی۔ نتیجتاً رات دن فتنوں اور سازشوں میں کٹتے۔ مگر جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے۔ اسلام بڑھا اور بڑھتا ہی رہا۔

- اب حال کے منافقین کا بھی ایک جائزہ لیتے ہیں۔ یہ دراصل بین الاقوامی یا سیاسی مسلمان ہیں۔ انہیں نہ نماز سے غرض نہ مسجد سے مطلب۔ ہاں کبھی کبھی ضرورت سمجھتے ہیں تو نماز بھی پڑھ لیتے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چندہ دیتے ہیں اور کافروں کو بھی۔ یہ، مجلسِ آئین و قوانین میں شریک ہوکر اصول و احکامِ اسلام کے خلاف، قوانین منظور کرواتے ہیں۔ خود بھی خلافِ شرع کام کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہ کفار کی محبت میں غلطاں دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان سے بھی کہتے ہیں کہ ہم تو آپ کے دوست ہیں۔

- ان میں سے بعض منافقین کی صورت یہ بھی ہے کہ اسلام کی بعض باتیں ان کی سمجھ میں آتی ہیں تو مان لیتے ہیں۔ اور جو سمجھ میں نہیں آتیں تو ان سے انکار کر دیتے ہیں۔ قرآن کے اثر سے ان کو کچھ امید بھی ہوتی ہے اور کچھ خوف بھی۔ کافروں سے ڈرتے ہیں اور نظامِ اسلام کی خوبی کی وجہ سے ان کو کچھ دنیاوی امید بھی دکھائی دیتی ہے۔ یوں وہ تذبذب میں پڑ جاتے ہیں۔ یہ نہ مسلمان ہیں نہ کٹّے کافر۔

☆ لیکن بعض منافقوں کی ظاہری حالت کو دیکھیں تو یہ نہایت متقی لباس میں نظر آئیں گے۔ لیکن بات بات میں شرک اور کفر سے ڈرانا۔ بدعت بدعت ان کی زبان پر ہر وقت ورد میں رہتا ہے۔ عربی زبان کو یہ مٹاتے چلے جا رہے ہیں۔ من مانے ترجمے و تفاسیر لکھتے ہیں۔ مستقل تحریک ہے کہ بجائے عربی خطبوں کے اردو میں تقریر کی جائے تاکہ ان کی ضروریات کو ظاہر کیا جاسکے۔ ان کی زباں پر رات دن ہر وقت قال اللہ اور قال الرسول وِرد میں ہوتا ہے لیکن یہ، لوگوں کے دلوں سے حضور ﷺ کی محبت میں کمی پیدا کرنے کے لیے غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ نوبت تو یہ بھی ہے کہ اب اس برصغیر میں بہت سے مدعیانِ نبوت بھی نظر آنے لگے ہیں۔ کھلے کافروں سے اس قدر نقصان نہیں جتنا ان خانہ خرابوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اللہ ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 12 تا 27 اور پارہ 5 صفحہ 114 تا 119﴾

26 - کافروں کی دوستی

☆ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً۔ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ۔ وَ اِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ط

مسلمانوں کو مناسب نہیں کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی پیدا کریں۔ اور جو ایسا کرے گا اس کو اللہ سے کوئی ربط نہیں، مگر ہاں! اپنے بچاؤ کے لیے ان سے مل جل سکتے ہیں۔ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف سب کی بازگشت (اور سب کا انجام) ہے۔ (سورۃ ال عمران آیت 28)

- دیکھو! کافروں کے شر سے بچنے کے لیے ان سے دنیاوی تعلقات رکھ سکتے ہیں۔ مگر اس طرح نہیں کہ اپنے دل میں ان کی محبت بھر لو، ان کی صورت شکل بنا لو، ان کے قدم بہ قدم چلو، ان کے عیبوں کو بھی ہنر سمجھنے لگو۔ جب کہ حق پرست اور ایمان داروں سے ٹھٹھا کرو، ان کا مضحکہ اڑاؤ۔ اور مذہبی مسلمان سے بین الاقوامی مسلمان بن جاؤ۔ دل سے محبت کرنا الگ بات ہے اور معمولی لین دین کرنا جدا بات۔

- صاحبو! ذرا اس زمانے کے حال پر غور کرو۔ کیا کافروں کی محبت مسلمانوں کے دلوں میں گھر نہیں کر گئی؟ اور جو عیوب کافروں میں تھے کیا وہ سب اب مسلمانوں میں آ نہیں گئے؟ وہی ان کی شراب خوری ہے، وہی قمار بازی ہے، وہی جھوٹے پروپیگنڈے ہیں، وہی جھوٹی قسمیں ہیں، سود خوری ہے، زنا کاری ہے، وہی کوٹ پتلون ہے، وہی نکٹائی ہے۔ نام بھی تو اب A، B، C، D کے رکھنے لگ گئے ہیں۔ اب کس طرح تم کو پہچانیں کہ تم مسلمان ہو؟ آج کل کے مسلمان کیا ہیں، ایک بے پیندے کا لوٹا ہیں۔ کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر، بیچ میں اَدھر۔ نہ کوئی مذہب ہے نہ کوئی تہذیب ہے۔ نہ کوئی پالیسی ہے

نہ کوئی پختہ رائے ہے۔ اس صورت سے تم کس طرح زندہ رہ سکو گے۔۔۔؟ تقیہ! تقیہ!! تمھارے اس ڈر خوف نے تو ایمان کی بنیادیں ہلا دی ہیں۔ تم لوگوں میں نہ اگلوں سا مزہ ہے نہ اگلی خوشبو ہے۔ دیکھو! اللہ سے ڈرو۔ اللہ ہی کو منھ دکھانا ہے۔ سب کا انجام اللہ کی طرف ہے۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر۔

- صاحبو! ذرا ہندوستان کے آج کل کے مسلمانوں پر غور کرو۔ مختلف فرقے پیدا ہوگئے ہیں۔ کوئی کیمونسٹ ہے تو کوئی کانگریسی ہے۔ ان کا کام ہے غیر مسلوں سے دوستی پیدا کرنا، ان کی ہاں میں ہاں ملانا۔ دیکھو جو اللہ کا مخالف ہے، جس پر عذابِ الٰہی نازل ہونے والا ہے، اس سے کاہے کی دوستی۔۔۔؟ کیسی دوستی۔۔۔؟ دشمنِ خدا کا دوست، دشمن۔ ان لوگوں کا رات دن کا کام کیا ہے؟۔۔۔ علمائے دین کو اور مذہبی لوگوں کو برا بھلا کہنا۔ ان میں سے ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ میں آزاد ہوں مگر حقیقت میں وہ ان کافروں کا غلام ہے۔ البتہ مذہب سے ضرور آزاد ہے۔ کافروں سے محبت کا نتیجہ کیا ہوا، کچھ معلوم ہے؟ کافروں نے کانگریسی مسلمانوں کا بھی صفایا کردیا۔ یاد رکھو۔۔۔! اپنے دشمنوں کو دوست سمجھنا سفاہت یعنی foolishness ہے، حماقت اور stupidity ہے۔ جب اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور بلا آتی ہے تو کوئی نہیں بچتا، ساتھ اچھوں کو بھی لے جاتی ہے۔ آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا ملتی ہے۔ مگر یہاں تو بلا سے کوئی نہیں بچتا۔ بُری باتوں سے روکنا پیشواؤں اور لیڈروں کا کام ہے۔

- سورۃ المائدہ کی آیت 82 کہتی ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ عداوت رکھنے والے تم یہودیوں اور مشرکین کو پاؤ گے۔ تم ہو کہ ان میں محبت سے گھسے جاتے ہو۔ وہ تم سے ہرگز محبت نہیں کرتے۔ جب موقع ملتا ہے تو تم کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ آخر تمھاری یہ جھوٹی دادرسی کب تک۔۔۔؟ دشمنانِ خدا کو اپنا دوست نہ سمجھو۔ کفر اور اسلام نہ کبھی ملے ہیں اور نہ کبھی ملیں گے۔ تم ان سے ملنے کی لاکھ کوشش کرو لیکن تیل، پانی سے ہرگز نہ ملے گا۔ اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہو۔ بل میں بل اپنا بل۔ خود اعتمادی سیکھو۔ کب تک دوسروں کی دُم پکڑے رہو گے۔

یہ بے دین، بے دین تم ہو تو مانیں
عبث پھر منانے کی تیاریاں ہیں

- سورۃ النساء کی آیت 91 میں بھی اللہ تعالیٰ توجہ دلاتا ہے کہ کفار اور بے ایمانوں سے دوستی نہ کرو۔ ان کی میٹھی میٹھی باتوں میں نہ آؤ۔ یہ بڑے بدعہد ہیں ، بے ایمان ہیں۔ ان کو جہاں موقع ملے گا فتنہ اور فساد میں کود پڑیں گے۔ مگر ہاں جن سے معاہدہ ہے ، یا جو تم سے نہیں لڑتے ان سے نہ لڑو۔ ان سے ملنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر فتنہ انگیزوں کو جہاں پاؤ ان کو پکڑو اور مار دو۔ تمھاری حجت ان پر قائم ہے۔ اور ان کے لیے کوئی عذر و حیلہ باقی نہیں ہے۔ فتنہ و فساد کا روکنا اور لڑنے والوں سے لڑنا ہر مرد کا فرض ہے۔ مسلم ہرگز ذلیل و خوار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ وہ لڑنے سے نہیں ہچکچاتا۔ دین اور عزت ہمیشہ اس کے پیش نظر رہتے ہیں۔ اس کو اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کی پروا نہیں۔

- آج کل لفظ محبت ، شرمندۂ معنی نہیں ہے۔ ہر ایک قوم دوسری قوم کو ذلیل سمجھتی ہے۔ اور ان سے غلاموں کا سا سلوک کرتی ہے۔ اس زمانے میں پادری بھی ہیں تو سیاسیات کے نمائندے۔ دوسرے کے ملک میں پہنچ کر شر و فساد پھیلاتے ہیں۔ اور اس کے ملک پر قبضہ کرنے کی ایک وجہ بن جاتے ہیں۔ افسوس ---! اس وقت نہ مسلمان مسلمان ہیں نہ عیسائی عیسائی۔ اب خدا پرستی کی جگہ زر پرستی نے لے لی ہے۔ سب سے بے حس کون ہیں؟ مسلمان ---! لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللهِ۔

- صاحبو! کافروں کا کہا ماننے کا انجام کیا ہے؟--- دین سے دور ہو جانا ہے۔ تباہی و بربادی میں گرفتار ہو جانا ہے۔ دیکھ رہے ہو ، تم پہلے کیا تھے؟ کیا ہو رہے ہو؟ ان کافروں سے کسی قسم کی امید نہ رکھو۔ ان کو اپنا آقا نہ مانو۔ ان کو اپنا کارساز نہ سمجھو۔ اللہ تمھارا مَولیٰ ہے۔ اسی پر اعتماد کرنا اَولیٰ ہے۔ اللہ ہی کے ہاتھ میں فتح و نصرت ہے۔ تم اطاعت کرو ، وہ نصرت دے گا۔

❀ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 96 ، 97 پارہ 4 صفحہ 25 ، 26 ، 53 پارہ 5 صفحہ 71 تا 73 ، 118 ، 119

پارہ 6 صفحہ 126 اور پارہ 28 صفحہ 11 ❀

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ صبر کی کئی اقسام ہیں۔

(1) صبر علی العبادۃ : عبادت کی مشکلات کو برداشت کرنا۔

(2) صبر عن المعصیۃ : گناہ سے بچنے میں جو سختی ہے اس کو برداشت کرنا۔

(3) صبر علی البلاء : مصائب و بلا کو برداشت کرلینا۔

- اس کے علاوہ بھی صبر کی دو قسمیں ہیں۔

(1) بدنی : پھر بدنی کی بھی دو اقسام ہیں۔ (الف) فعلی : مشقت اور تکلیف دہ کاموں کو کرنا۔

(ب) انفعالی : درد و تکلیف کو برداشت کرنا۔

(2) نفسانی : نفس کو اس کی خواہشوں سے روکنا۔ اس کی بھی کئی صورتیں ہیں۔

(الف) عفت : خواہشِ شکم اور طلبِ نساء سے روکنا۔

(ب) زہد : بے ضرورت چیز سے خود کو روکنا۔

(ج) تقویٰ : دین میں نقصان دہ کاموں سے روکنا۔

(د) حلم : انتقام سے روکنا۔

(ہ) قناعت : تھوڑے پر راضی رہنا۔

(و) متانت : چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتعل نہ ہوجانا۔

- بات یہ ہے کہ تکلیف کے وقت خدا یاد آتا ہے۔ غفلت دور ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ساتھ ہی ہے۔صرف بُعدِ خیالی کا دور ہونا ہی ہے۔ پھر تم ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ ، کا جلوہ دیکھ لوگے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 2 صفحہ 13 ﴾

27 - کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں!

☆ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنعَمتَ عَلَيهِم ط

(ہم کو سیدھے رستہ پر چلا) ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ (سورۃ الفاتحہ آیت 6 کا حصہ)

☆ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ۔ وَ الَّذِينَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَينَهُم ط

محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں (آپؐ کی صحبت میں رہتے ہیں) وہ کافروں کے مقابلے میں بڑے شدید (اور سخت) ہیں، وہ آپس میں رحیم (و مہربان) ہیں۔ (سورۃ الفتح آیت 29 کا حصہ)

- اسلام کے تباہ کرنے کے منازل کیا ہیں؟--- دیکھو! سب سے پہلے حُبِ اہلِ بیت کی اہمیت ظاہر کی جاتی ہے۔ پھر اس میں سے ازواجِ مطہرات نکالے جاتے ہیں۔ پھر تفضیل کا مسئلہ آتا ہے۔ پھر شہادتِ امام حسینؓ اور مظالمِ کربلا کا ماتم ہے۔ پھر مشاجراتِ صحابہ اور تکفیرِ صحابہ ہے۔ پھر تقیہ (ڈر) کا مسئلہ ہے --- اور اس پر دین کا خاتمہ ہے۔

☆ ذیل میں ان تمام مسائل کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

(1) اصحابہؓ کرام کی فضیلت سے انکار

- یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ شاگردانِ رسول ﷺ یعنی صحابہؓ کرام ، درحقیقت قرآن میں مذکور انعمتَ علَیھِم کے مصداق ہیں۔ یہ منبع تعلیماتِ نبی ہیں۔ لہٰذا اعلیٰ و افضل ہیں۔ مسلمانوں کے ایک مخصوص گروہ کا ان سب کو مرتد بنا دینا اور بے دین سمجھنا دراصل قرآن اور حدیث ہی کا مٹا دینا ہے۔ یہ دین کی بنیاد کا گرا دینا ہے۔ تماشہ یہ ہے کہ اسلام کا دعویٰ بھی ہے اور درپردہ قلع قمع کی کوششیں بھی۔ ذرا غور تو کرو! یہ قرآن ہم تک کس سے پہنچا؟--- ان ہی صحابہؓ کرامؓ سے۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ ، حضرت علیؓ حضرت زید بن ثابتؓ ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی ابن کعبؓ سے۔ اگر صرف حضرت علیؓ کی

روایت ہی پر اصرار کیا جائے تو پھر یہ قرآن متواتر کب رہتا ہے۔ مسلمانوں کا سرمایۂ ناز تو قرآن کا یہی تواتر ہے۔ اگر اسی کو برباد کر دیا جائے تو سب کچھ غیر یقینی ہو جائے گا۔ اسی طرح حدیث کا حال سنیے۔ حضور ﷺ نے بعض احکامات خواتین میں بھی دیئے ہیں۔ یہ لوگ ان کو بالکل قبول نہیں کرتے۔ حضرت علیؓ کے علاوہ تمام روایتیں ان کے لیے ناقابل اعتبار۔ طُرفہ تو یہ بھی ہے کہ ان کے نزدیک خود حضرت علیؓ نے بھی جن احادیث کو بر سر منبر دوسرے صحابہ کے حوالے سے ذکر کیا تو اسے بھی تقیہ یعنی ڈر سے منسوب کردیا۔ پھر کتنی حدیثیں بچ جائیں گی۔ ایسے میں حدیث کہاں ، دین کدھر! اللہ اکبر ، اللہ اکبر ---! کوئی ان سے یہ بھی پوچھے کہ اس روئے زمین پر اسلام کس نے پھیلایا؟ تمام دنیا میں اسلامی سلطنتیں کس نے قائم کیں؟ رسول اللہ ﷺ کی 23 سالہ تبلیغ کا کیا اثر ہوا؟ کیا حضرت علیؓ اور صرف دو تین اور اصحاب کا اسلام ---! اللہ تعالیٰ تو تمام صحابۂ کرام کے لیے فرماتا ہے ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی (سورۃ البینۃ آیت 8)۔ پھر اللہ کی رضامندی کے سامنے تمھاری ناراضی ہے کیا چیز ---؟ جو شخص معمولی مسلمان کو کافر کہے تو اس کا کفر اس پر لوٹ آتا ہے۔ چہ جائیکہ شاگردانِ رسول ---! یارانِ پیغمبر پر لعنت کرنا کام ہے فوارۂ لعنت کا۔ کیونکہ از او می خیزد و براو می ریزد (یعنی اُس سے اٹھاتا ہے اور اُسی پر ڈالتا ہے۔ جیسے فوارے کا پانی ، جو اپنی جگہ سے اٹھ کر خود اسی پر گرتا ہے)۔ صحابہؓ کے متعلق تو اللہ یہ بھی فرماتا ہے کہ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ، وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں (سورۃ الفتح آیت 29)۔ اس کے بعد بھی قرآن شریف کے خلاف کوئی یہ کہے کہ صحابہ میں اتفاق نہ تھا تو وہ جھوٹا ہے ، کذاب ہے۔ ائمہ اہلِ بیت سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے ان ظالموں کے پاس وہ سب تقیہ ہے ۔ ڈر کر کہا گیا ہے لہٰذا جھوٹ ہے۔ یاد رکھو! جو ائمہ اہلِ بیت کو جھوٹا کہے وہ خود جھوٹا ہے۔

- صحابہؓ کو بُرا کہنا تو ایک طرف ، اِن میں کے بعض تو خود رسول اللہ ﷺ پر بھی حضرت علیؓ کو فضیلت دے دیتے ہیں۔ اِن کا کہنا ہے کہ جب معراج میں رسول اللہ ﷺ عرشِ اعظم پر پہنچے اور بیچ سے پردہ اٹھایا گیا تو آپؐ نے وہاں حضرت علیؓ کو موجود پایا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب محمد مصطفیٰؐ 40 سال کے ہوئے تھے تب آپؐ پر قرآن اترنا شروع ہوا تھا جب کہ حضرت علیؓ اس سے 13 برس پہلے پیدا ہوتے ہی قرآن شریف پڑھنے لگے تھے۔ اور اِن میں کے بعض تو یہاں تک بھی کہہ دیتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے غلطی کی اور انہوں نے حضرت علی کو وحی پہنچانے کی بجائے آنحضرتؐ کو پہنچا دی۔ تم یہ کیا کہتے ہو ---؟ دیکھو! خود حضرت علیؓ تو یہ فرماتے ہیں کہ " وَیْحَكَ اَنَا عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِ مُحَمَّدٍ " یعنی ارے تجھ پر افسوس ہے ، میں تو محمدؐ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہوں۔

(2) آلِ رسول ﷺ کی حیثیت

- ان لوگوں کے نزدیک اہلِ بیت اطہار کا جو مقام ہے اس پر بھی ایک نظر دوڑائیں تو درجہ ذیل صورت سامنے آتی ہے۔

❁ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں ہیں۔ یہ صرف حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے علاوہ باقی تین کو نہیں مانتے۔

❁ خود حضرت علیؓ کے صاحبزادے امام محمد بن علیؓ (محمد بن حنفیہ) کے متعلق تو بہت کچھ کہتے ہیں۔

❁ ان کے نزدیک حضرت امام حسنؓ کے سلسلۂ اولاد کی کوئی اہمیت نہیں۔ پھر امام زیدؒ، امام اسماعیلؒ اور ان کی اولاد کو نہیں جانتے۔ کُل بارہ اماموں کو مانتے ہیں۔ لیکن باقی تمام ائمہ کے لیے بدگوئی الگ۔

- اس کے باوجود حیرت کا مقام یہ ہے کہ یہ سب آلِ محمد ﷺ سے محبت کے خصوصی دعویدار بھی بنتے ہیں۔

(3) مسئلۂ تفضیل

- حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو جزِ رسول ہیں۔ یہ شرف تو کسی کو بھی حاصل نہیں ہے ماسوا دیگر امہات المومنین کے۔ ان لوگوں کا ازواجِ مطہرات کو یوں تطہیر سے نکالنا تو قرآن پر ظلم کرنا ہے۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ، اے پیغمبر کی بی بیو! تم اور عورتوں کی جیسی نہیں ہو (سورۃ الاحزاب آیت 32)۔ مگر یہ حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں کمی کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے۔ ازواجِ مطہرات کا اُم المومنین ہونا قرآن میں موجود ہے ، وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ ، اور پیغمبر کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں (سورۃ الاحزاب آیت 6)۔ ماں کی تعظیم تو ہر مذہب میں ، ہر قوم میں لازم سمجھی جاتی ہے۔

(4) خلافت کا جھگڑا

- اس بارے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ حضورؐ کے وصال کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ وہاں پر موجود لوگوں سے کہنے لگے کہ حضورؐ فرما رہے ہیں۔ "دوات قلم لاؤ میں تم کو ایسی چیز لکھ دوں گا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہوگے"۔ جس پر حضرت عمرؓ نے کہا "نہیں اس وقت حضورؐ پر بیماری کی شدت ہوگئی ہے اور وہ بار بار بے ہوش ہو رہے ہیں ، تمھارے پاس قرآن ہے ، تم کو اللہ کی کتاب کافی ہے"۔ اس پر جھگڑا شروع ہوگیا۔ کوئی کہتا قلم دوات لاؤ ، رسول اللہؐ لکھ دیں گے۔ کوئی اُسی بات پر زور دیتا جو حضرت عمرؓ نے کہی تھی۔ جب زیادہ شور اٹھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تم سب لوگ

میرے پاس سے اُٹھ جاؤ"۔ اب ، بنی عباس کا خیال ہے کہ حضور، بنی عباس کی خلافت کے متعلق لکھ رہے تھے۔ جب کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کا خلافت نامہ تھا۔

☆ حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں ایک سے زیادہ موقع پر کہی گئی کئی حدیثیں ملتی ہیں۔ لیکن اس سے متعلق ایک اہم واقعہ بھی موجود ہے۔ تاریخ الخلفاً للسیوطی میں ہے کہ مسجد کی بنیاد رکھی جانے لگی تو پہلے حضورؐ نے سنگِ بنیاد رکھا ، پھر حضرت ابوبکرؓ نے ، پھر حضرت عمرؓ نے۔ اور پھر آپؐ نے فرمایا۔ "هٰٓؤُلَآءِ الْخُلَفَآءَ مِنْ م بَعْدِیْ" یہ میرے بعد خلفا ہیں۔

(5) ماتم

- امام حسینؓ اخلاقی جرأت ، حق پرستی ، شجاعت ، اور جان سے بے خوفی کا بہترین نمونہ تھے۔ اس جماعت کا ہر فرد صابر تھا ، شاکر تھا۔ شہادتِ امام عالی مقامؓ سے ، حق پرستی اور اسلام پر جاں بازی کا سبق حاصل ہوتا ہے ، نہ کہ بُزدلی کا۔ ان ہی لوگوں نے پہلے خطوط لکھ کر امام حسینؓ کو بلوایا۔ وہ پہنچے تو اچانک یزید کی فوج کے ساتھ ہوگئے۔ امام عالی مقامؓ کو شہید کرنے کے بعد خود کو تائبین مشہور کر دیا اور لگے تال سُر پر سینہ کوبی کرنے اور مرثیے پڑھنے۔

(6) غداریاں

- ذرا غور تو کرو کہ اسلامی ریاستوں کو کس نے تباہ کیا۔۔؟ اسی قوم نے۔ سلطنت عباسیہ کو موئدالدین علقمی نے --- ریاست مغلیہ کو میر حسن علی و میر عبداللہ نے --- ریاست فتح علی ٹیپو سلطان کو میر صادق نے --- ریاست شجاع الدولہ کو میراں و جعفر نے --- تاریخِ اسلام پر نظر ڈالیے تو ہر جگہ یہی قوم کئی اسلامی ریاستوں کی بربادی کا باعث دکھائی دے گی۔

☆ سچ پوچھو تو یہ کوئی مذہب نہیں ہے ، بلکہ دشمنانِ اسلام اور انارکسٹوں کا ایک فرقہ ہے اور اسلام کو تباہ کرنے کی سوچتا ہے۔ اس میں یہودی ، مجوسی ، بت پرست اور دہری سب ہی ہم نوا ہوگئے ہیں۔ ان کا متفق علیہ مسئلہ جس پر ان کا دین و ایمان ہے وہ ہے عداوتِ اسلام --- لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

﴾ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 30 ، 37 تا 44 پارہ 5 صفحہ 80 ، 81 اور پارہ 26 صفحہ 80 تا 83 ﴿

28 - شیطان اور ابلیس ازم

☆ اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

۞ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں، مردود پھٹکارے ہوئے شیطان سے۔

☆ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ۔ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ط

۞ اور (یاد کرو) جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ (تعظیمی) کرو تو بجز ابلیس کے تمام (فرشتوں) نے سجدہ کیا۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور وہ تو تھا ہی کافروں سے۔ (سورۃ البقرہ آیت 34)

☆ صاحبو! شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنے، یعنی استعاذہ کے متعلق چند امور قابلِ غور ہیں۔

- دیکھو شیطان میں اور ہم میں قدیم آبائی دشمنی ہے۔ جب اس نے بابا آدم کو وسوسے میں ڈال کر جنت سے نکلوایا تو کیا وہ ہم کو سہولت سے جنت میں جانے دے گا ---؟ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف میں آدمؑ اور شیطان کا قصہ بار بار آیا ہے۔
- شیطان پڑھا لکھا دشمن ہے۔ اس کے شر سے بچنا مشکل کام ہے۔
- شیطان نظر نہیں آتا۔ گھات میں بیٹھا کام کر رہا ہے۔
- آدمی اسی وقت استعاذہ کرتا ہے (اللہ کی پناہ لیتا ہے) کہ جب خود کو کمزور، شیطان کو قوی دشمن اور اللہ کو قادر اور توانا سمجھتا ہے۔
- آدمی کو جب اپنی کمزوری کا احساس ہوتا ہے تو انکسار پیدا ہوتا ہے، جو بندگی کی جان ہے۔
- دشمن بھی پناہ میں آجاتا ہے تو اس کو تکلیف نہیں دی جاتی۔ جب ہم اللہ تعالےٰ کی پناہ میں آجائیں گے تو وہ، ہمارے تمام کام درست کر دے گا۔ شیطان سے بھی بچائے گا اور دیگر مضر چیزوں سے بھی بچائے گا۔
- شیطان، درگاہِ الٰہی کا کتا ہے۔ کسی کو محلِ شاہی میں گھسنے نہیں دیتا۔ تم اس کے آقا کو پکارو جو ہمارا

بھی آقا ہے۔ اے مالک! یہ کتا تیرے دربار میں داخل ہونے سے ہم کو روکتا ہے۔ وہ اس کو ڈانٹ دے گا تو کتا ہٹ جائے گا۔ اور ہم اس کی درگاہ میں داخل ہوسکیں گے۔

- دیکھو! اپنی قوتوں پر ، اپنی عقلمندی اور ہوشیاری پر نہ پھولو۔ ہمیشہ اللہ تعالے کے دامنِ رحمت میں چھپے رہو۔

☆ نوٹ: جب قرآن پڑھو تو پہلے اعوذ پڑھو۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (سورۃ النحل آیت 98)۔ یہ حکمِ الٰہی ہے۔

- صاحبو! آج کل ابلیس پرست بہت ہوگئے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ابلیس بڑا توحید پرست تھا کہ اس نے لعنت کا طوق تو پہن لیا لیکن اللہ کے سوا اس نے کسی اور کو سجدہ نہیں کیا۔ دیکھو! اس مسئلہ میں ابلیس نے غلطی پر غلطی کی۔ خدا کو بے سمجھ بتایا اور کہا " اللہ کو اچھے بُرے کی تمیز ہی نہیں ، اس نے افضل کے رہتے کم تر کو سجدہ کرنے کا حکم دیا " ---۔ یاد رکھو! اللہ کے حکم سے انکار ، کفر ہے ، اس کو بے فہم سمجھنا کفر ہے۔ اللہ کے حکم کے مقابل ، شیطان کا خود ایک حکم رکھنا ' شرک فی الحکم ' ہے۔ ابلیس نے آدم کو خاک سمجھا۔ کیا خاک سمجھا---! آدم میں جامعیت ہے ، عاجزی رازِ بندگی ہے جو خاک سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کو سمجھنا چاہیے تھا کہ بندگی سے سر بلندی ہے۔ خود پسندی میں ذلّت ہے ، شرمندگی ہے۔ اور پھر وہ تو اللہ سے مقابلہ بھی کرنے کو تیار ہوگیا۔ کیا یہی اس کی توحید پرستی ہے ---؟ اس نے آدم کے علم کی فضیلت کو بھی ہیچ جانا۔ یہ خود اس کے ہیچ ہونے کی دلیل ہے۔

- دیکھو! سب سے پہلے جس نے گناہ کی ابتدا کی ، شر و فساد پھیلایا ، وہ ابلیس ہے۔ وہ فاسد ، قوتِ غضبی کا مرکز ہے۔ اب بھی جو شرور پیدا ہو رہے ہیں وہ ابلیس ازم کی اتباع میں ہورہے ہیں۔ ابلیس ازم کے اصول و نظریئے کیا ہیں اس کی کچھ تفصیل درجہ ذیل ہے۔

(1) اپنی ذات کو اعلیٰ ذات اور دوسروں کی ذات کو ادنیٰ اور نیچ سمجھنا۔ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ مجھے تو نے آگ (یعنی لطیف تر) سے اور آدم کو مٹی (یعنی کثیف تر) سے پیدا کیا (سورۃ الاعراف آیت 12) ---گویا اونچی ذات کے سامنے علم و تقوٰی کوئی چیز نہیں۔

(2) توحید فی الحکم کوئی چیز نہیں ، حکم کرنے میں عقل آزاد ہے۔

(3) خدا پر الزام لگانا ہے کہ ، وہ غلط احکام دیتا ہے ، افضل کے رہتے مفضول کو خلافت دیتا ہے۔

(4) ابلیس نے خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ تو دیکھا مگر وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ ، اور اس میں اپنی (اللہ کی) روح پھونک

دوں (سورۃ صٓ آیت 72) کو نہ مانا ۔۔۔ گویا اس کے پاس جو کچھ ہے مادّیات ہے ، روحانیت کوئی چیز نہیں۔

(5) جب اس کا آدم علیہ السلام پر کچھ زور نہ چلا تو ماما حوا؈ سے مدد لی۔

(6) آدم اور حوا کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں تمھارا بہی خواہ ہوں ، یعنی اپنے حصولِ مقصد کے لیے جھوٹی قسمیں کھانے سے نہ ڈرنا چاہیے ۔۔۔ اس کو پالیٹکس کہتے ہیں۔ اسی کا نام پالیسی ہے ، سیاست ہے۔ خصوصاً قومی کاموں میں دھوکا دینا عین ہنرمندی ہے۔ بڑا عقلمند وہ ہے جو بڑے بڑوں کو چکر میں لاکر تباہ کر دے۔ نہ تو قسم وعہد کوئی چیز ہے اور نہ معاہدہ قابلِ پابندی۔ بلکہ معاہدہ اسی لیے تو کیا جاتا ہے کہ توڑا جائے۔

(7) جھوٹی عزت کے سامنے نہ دنیا کی پرواہ کرو نہ عقبیٰ کی۔

- صاحبو! اس وقت کیا ہو رہا ہے؟ اسی ابلیس ازم کی اتباع ۔۔۔! ہر شخص اپنی قوم ، اپنی ذات اور اپنے فیشن کو اعلیٰ سمجھتا ہے ، اور دوسرے کو اپنی قومیت میں شریک نہیں کرتا۔ دوتین ہزار برس ہوئے وسط ایشیا سے ہندوستان میں آرین قوم آئی۔ یہ برہمن ، چھتری ، ویش ، اعلیٰ ذات والے سمجھے جارہے ہیں۔ برہمن اپنے کو دیوتا سمجھتے ہیں اور یہاں کے غریب اصلی باشندوں کو ملیچھ یعنی ناپاک ، اور شودر یعنی خدام سمجھتے ہیں۔ نہ روٹی نہ بیٹی ، نہ دوسروں کو اپنی قوم میں لیا نہ اصلی ہندوستان کی عورتوں سے شادی بیاہ کرکے اپنے میں ہندوستانیوں کا خون ملایا۔ یہ ابھی تک پردیسی کے پردیسی ہیں۔ وہ لاکھ خود کو ہندوستانی بتلائیں مگر ہیں خاص وسطِ ایشیا ہی کے۔ دیگر تمام اقوام کی بھی کچھ یہی حالت ہے۔ انگریز الگ قوم ہے اور آئرش الگ۔ ان کے ملک اور زمین جدا ہیں۔ بعض کے پاس قومیت کا دارومدار رنگ پر ہے۔ امریکہ میں سفید لوگ بھی ہیں اور حبشی بھی۔ وہ ایک ہی زبان اور ایک ہی مذہب رکھتے ہیں مگر یہ دونوں الگ الگ ہی سمجھے جاتے ہیں۔ اپنی قوم کو اچھا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر جاننا تو بلائے عام ہے ، ایک وبائے عظیم ہے۔ انگلستان اور امریکہ کے بعض ہوٹلوں کے بورڈ پر لکھا دیکھا گیا کہ dogs and Indians are not allowed ، یعنی کتے کو ساتھ لانے اور انڈین کو اس میں آنے کی اجازت نہیں۔ یہ ہے ابلیس ازم اور اس کی شاخوں کا حال ۔۔۔ !

☆ اس کے برخلاف "الٰہی ازم" یعنی اسلام کے اصول و نظریے دیکھو ۔۔۔ جو خدا کو ایک مانے اور اس کے احکام کی اطاعت کرے ، الٰہی ازم میں شریک ہوگیا۔ مسلم قوم میں داخل جو حقوق قدیم مسلمانوں کے

ہیں وہی حقوق نومسلم کے بھی ہیں۔ اسلام ، حریت اور مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ اس میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں۔ ذرا مسجد کو دیکھو۔ یہاں قدیم الاسلام ، عرب ، افغان ، ترک ، ہندوستانی ، گورا ، کالا سب ہی کاندھا لگائے نماز پڑھ رہے ہیں۔ بادشاہ رعایا کے ساتھ بازو سے بازو لگائے کھڑا ہے۔ سب شہنشاہِ ارض و سما کے سامنے سر بہ سجود ہے۔ یہاں قبیلہ کی عصبیت ہے ، نہ رنگ کی ، نہ زمین کی اور نہ زبان کی۔ اس کی تاریخ بھی دیکھو۔ ابنِ عمر کے غلام ، امام مالکؒ کے استاد ہیں ---سبکتگین ، الپتگین کا غلام ہے --- قطب الدین ایبک جس کا دہلی میں قطب مینار ہے ، وہ پہلے غلام تھا اور پھر شہنشاہ ہوا۔

- صاحبو! ذرا غور کرو۔ آدم کو سجدہ نہ کرنے سے ابلیس درگاہ خداوندی سے مردود ہوگیا۔ جو لوگ نماز نہیں پڑھتے اور اللہ کو سجدہ نہیں کرتے گویا وہ شیطان کے شاگرد ہیں۔ بلکہ شیطان نے اللہ کو سجدہ کرنے سے کب انکار کیا تھا---؟ یہ تو اس کے مزید ہی سپوت اور faithful شاگرد نکلے کہ اللہ کو سجدہ کرنے سے بھی انکار کر رہے ہیں ---!

- صاحبو! قرآن شریف میں آدم اور شیطان کا قصہ بار بار اسی لیے آتا ہے کہ اس میں بہت سی نصیحتیں اور اخلاقی تعلیم مقصود ہے۔ اپنے آپ کو تکبر ، خود پسندی اور احساسِ برتری سے محفوظ رکھنے کی تعلیم ہے۔ انسان خاک سے بنا ہے تو انسان کی خاکساری اس کا شیوہ ہے۔ عاجزی اور انکساری اس کا مسلک ہے۔ اور بندگی اس کا کمال۔ برخلاف اس کے ، شیطان کی جبلت میں شر و فساد ہے۔ اور اس فساد کی جڑ اس کا اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ (سورۃ الاعراف آیت 12) ، میں اِس (آدم) سے بہتر ہوں ، سمجھنا ہے۔ یوں وہ تمھارا آبائی دشمن ہے۔ پڑھا لکھا ہے ، بلکہ معلم الملکوت بھی ہے۔ تم اس کو دیکھ نہیں سکتے لیکن وہ تم کو دیکھتا ہے۔ اس طرح کی مہلت اس کو قیامت تک کے لیے دی گئی ہے۔ للہذا ایسے دشمن سے بچنے کی بڑی ضرورت ہے۔ بڑی ہوشمندی کی بھی حاجت ہے۔ کیا کرنا چاہیے کہ اس ظالم کے شر سے محفوظ رہیں؟ ---بس اس کے مالک کی پناہ میں آجاؤ۔ اللہ رب العالمین سے مدد مانگتے رہو۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھو۔ خدا کے بندے بنو۔ اس کی اطاعت کیا کرو۔ اپنے دل کو یادِ الٰہی سے بھر دو کہ شیطان کے وسوسوں کی گنجائش ہی نہ رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور اولیائے کرام کو اپنا رفیق طریق بنالو۔ دیکھو اکیلی بکری کو بھیڑیا لے جاتا ہے۔ چرواہا ساتھ ہو تو بھیڑیا کیا کرسکتا ہے---؟ دشمن اگر قوی است ، نگہباں قوی تر است۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی ۔ سورۃ الفاتحہ صفحہ 1 ، 2 پارہ 1 صفحہ 71 تا 74 پارہ 8 صفحہ 71 تا 73 اور 84

پارہ 14 صفحہ 21 تا 23 پارہ 15 صفحہ 46 اور پارہ 23 صفحہ 102 ، 103﴾

29 - نماز

☆ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ ط

❁ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ (سورۃ الفاتحہ آیت 4 کا حصہ)

☆ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ط

❁ پھر نماز پڑھو تمھارے پروردگار کی اور قربانی کرو۔ (سورۃ الکوثر آیت 2)

- نماز تمام مخلوقات کی عبادتوں پر مشتمل ایک عبادت ہے۔ مثلاً درخت سیدھا کھڑا ہے اور خدا کی یاد میں مشغول ہے۔ جانور سر جھکائے ہوئے ہیں۔ انسان بھی رکوع میں ان ہی کی طرح سر جھکا کر عبادت کرتا ہے۔ پہاڑ اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا ہوا ہے۔ التحیات پڑھتے وقت نمازی پہاڑ کا کام کررہا ہے۔ بیلیں زمین پر پڑی ہیں تو مصلّی بھی سجدہ کے وقت زمین پر سر رکھ کر عبادت کرتا ہے۔ ہمارے پاس ہر چیز خدا کی یاد میں سرگرم ہے۔ مگر ان کی تسبیح سے تم واقف نہیں۔ وَ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلاَّ یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لاَّ تَفۡقَھُوۡنَ تَسۡبِیۡحَھُمۡ (سورۃ الاسراء آیت 44)۔

- صاحبو! نماز میں کونسی عبادت ہے کہ نہیں ہے۔ نماز میں کھا پی نہیں سکتے، یہ روزہ کا ایک رنگ ہے۔ بات نہیں کرسکتے، یہ ایک قسم کا صومِ مریم ہے۔ تکبیرات اس میں ہیں، جو خدا کی بزرگی کو ظاہر کرتی ہیں۔ قرآن، نماز میں ہے۔ تسبیح، اس میں ہے یعنی سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡعَظِیۡمُ اور سُبۡحَانَ رَبِّیَ الۡاَعۡلٰی۔ التحیات کا کیا پوچھنا، معراج شریف کا نمونہ ہے۔ رسولِ خدا ﷺ دربارِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں "اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ۔ جس پر اللہ فرماتا ہے" اَلسَّلَامُ عَلَیۡکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحۡمَتُہ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ"۔ پھر امتِ محمدی کے خیال سے رسولِ خدا ﷺ فرماتے ہیں" اَلسَّلَامُ عَلَیۡنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیۡنَ"۔ دیکھو صالحین کے ساتھ ہم گنہ گاروں کو بھی "عَلَیۡنَا" کہہ کر اپنے ساتھ لے لیا۔ پھر ہر ایک فرشتہ کہتا ہے" اَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ"۔ نماز میں درود بھی ہے۔ اور آخر میں لوگوں کے لیے دعا بھی ہے۔

- نماز با جماعت سے نمازی اپنی انانیت کی نفی بھی کردیتا ہے۔ پھر اچھوں کو اپنے ساتھ کرلیتا ہے کہ ان کے طفیل سے شاید خود کی نماز بھی قبول ہو جائے۔ جماعت کا تنہا کے مقابل 27 گنا ثواب زیادہ ہے۔ یاد رہے کہ بہ نسبت ایک چراغ کے بہت سے چراغوں سے روشنی زیادہ ہوتی ہے۔ ادراک و ابصار زیادہ ہوتا ہے۔ مخلصین کے پرخلوص تموجِ خیالات کا اثر دوسروں پر بھی ہوتا ہے۔ ہر شخص کچھ نہ کچھ برقی اثر رکھتا ہے۔ آدمی زیادہ جمع ہوں تو برقی قوت بھی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

- صاحبو! باجماعت نماز سے ، تنظیم اور امیر کی اطاعت کی دن میں پانچ مرتبہ عبادت اور مشق کرائی جاتی ہے۔اس میں حاکم کے احکام پر عمل کرنے کی تاکید ہے۔ دیکھو۔۔۔! جب تک کسی کو امام بنایا نہ تھا آزاد تھے۔ جب امام بنالیا تو اس کے ہرکام کی اطاعت ضروری ہے۔حکم پر نماز شروع کی جاتی ہے۔ دست بستہ کھڑے ہوجاتے ہیں۔حکم پر ہی رکوع کرتے ہیں اور حکم ہی پر سجدہ۔ التحیات کے لیے بیٹھنا بھی حکم کے تابع ہے۔ یہاں تک کہ حکم ہی پر سلام پھیر کر نماز ختم کرتے ہیں۔ نماز میں فوجی ڈرل ہے۔ صف بندی کی عادت ہے۔ یہ اذان کیا ہے ؟ ۔۔۔ فوجی بگل بج رہا ہے۔ جو فوج بگل کی آواز پر جمع نہ ہو وہ نافرمان کہلائے اور ناکارہ ہو جائے۔ نماز پر غور کرو کہ کس طرح تمام اعضا میں حرکت ہے۔ نماز ایسی ہلکی ورزش ہے کہ مرد ، عورت ، بچے اور بوڑھے سب اسے کر سکتے ہیں۔ یہ آرام طلبوں کے حق میں ورزش ہے تو محنتی لوگوں کے لیے آرام ، وقفہ اور دم لینا ہے۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 12 ، 22 تا 24 اور پارہ 30 صفحہ 157 ، 185﴾

متفرقات ۔ Miscellaneous

- دیکھو! علم اور چیز ہے اور تزکیۂ نفس یا self refinement اور چیز ہے۔ باتوں سے تزکیۂ نفس نہیں ہوتا۔ یہ عملی چیز ہے، روحانی چیز ہے، نفسانی چیز ہے۔ رسول اللہؐ صحابہ کا تزکیہ کس طرح فرماتے۔۔؟ کسی کو اپنے سینے سے لگا لیا ان کا شرک و کفر دور ہوگیا ، کسی کو فرمایا دامن پھیلاؤ اور پھر اشارہ سے کچھ عطا کیا ان کو علم اور حضورِ قلب مل گیا۔ صحابۂ کرام کہتے تھے کہ جب ہم دربارِ نبوتؐ میں رہتے تو ہماری دل کی کیفیت جدا رہتی۔ پس معلوم ہوا تزکیۂ نفس روح سے ہوتا ہے۔ اس کے حصول کی دو صورتیں ہیں۔(1) توجہِ خاص یعنی special attention سے یا (2) صحبتِ نیک سے ۔۔۔ نیک صحبت سے جو فیض حاصل ہوتا ہے اس کو تموج یا vibration کہتے ہیں۔ یاد رکھو! تم کسی اچھے کے پاس بیٹھوگے تو ان کی اچھائی کے تموج سے تم بھی اچھے ہوجاؤ گے۔ بُرے کے پاس بیٹھوگے تو ان کی برائی کے تموج سے تم بھی خراب ہو جاؤ گے۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 28 صفحہ 55 اور 56﴾

30 - روزہ

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ---------------

--------------- مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ؕ (سورۃ البقرہ آیت 183 تا 185)

❁ اے ایمان والو! تم پر روزہ (اسی طرح) فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔ (سورۃ البقرہ آیت 183)

❁ گنتی کے چند دن (روزے فرض کیے گئے ہیں)۔(اس پر بھی) جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر ہو تو اور دنوں سے اس کی تکمیل کرلے(قضا کرلے)۔ اور جن کو طاقت ہو تو ان پر ایک آدمی کا کھانا دینا واجب ہے۔ جو خوش دلی سے خیرات کرے تو اس کے لیے بہتر ہے۔ اور روزہ رکھنا تو بہتر ہی ہے، اگر تم جانتے۔ (سورۃ البقرہ آیت 184)

❁ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا ہے لوگوں کے لیے سراپا ہدایت بنا کر اور واضح احکام، ہدایت اور فیصلہ کے ساتھ، پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے، چاہیے کہ وہ روزہ رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا مسافر ہو تو اسے دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرنی چاہیے۔ اللہ تمھارے لیے نرمی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا، اور (وہ چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بزرگی بیان کرو، جس طرح کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے، تاکہ تم شکر کرو۔ (سورۃ البقرہ آیت 185)

- صبحِ صادق سے پہلے سے اور غروبِ آفتاب کے بعد تک کا کھانا پینا چھوڑ دینا "روزہ" کہلاتا ہے۔ روزے کے متعلق حدیثِ قدسی ہے" روزہ میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں ہوں (اَلصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اُجْزٰى بِهٖ)"۔ روزے میں ایک قسم کی صمدیت کی شان ہے۔ اس میں ماسوائے اللہ سے استغنائے بے نیازی پیدا ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ وہ کھاتا پیتا نہیں ، نوعی احتیاج (sexual urge) بھی اس کو نہیں رہتی۔

- روزے کے عمومی فوائد کیا ہیں ---؟

☆ روزے سے غریبوں کی بھوک کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

☆ روزے سے آدمی مضبوط اور جفاکش ہوجاتا ہے۔ اور بھوک و پیاس کی تکلیف برداشت کر سکتا ہے۔

☆ روزے سے بہت سے امراض دفع ہوتے ہیں۔

- روزہ کوئی نیا فرض نہیں ہوا۔ تمام پیغمبروں کے زمانے میں روزے فرض تھے۔ فرق صرف شرائط اور تفصیلات میں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ روزہ ، شوال سنہ 2 ہجری میں فرض ہوا۔

- صاحبو! تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ ایک بار سخت قحط ہوا تھا تو اس زمانے کے پیغمبر نے حکم دیا کہ ایک وقت کا کھانا خود کھائیں اور دوسرے وقت کا غریبوں کو دیں۔ اس طرح روزہ پرہیزگاری پیدا کرنے کے لیے مقرر ہوا۔ لیکن موجودہ زمانے میں اس کا کیا حال ہے ---! مال دار تو یہ سمجھتے ہیں کہ روزہ رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جن کے پاس پیسہ نہیں۔ متوسط درجے کے لوگ روزہ رکھتے بھی ہیں تو رمضان میں عام دنوں کے مقابل کئی چند زیادہ صَرف کرتے ہیں۔ پھر آدھے دن تک پیٹ کی بے چینی میں مبتلا رہتے ہیں تو باقی آدھے دن بھوک پیاس کی تکلیف کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔ گویا ہر وقت ، ہر آن ہائے ہائے! بار بار دیکھتے ہیں کہ کتنے بجے ہیں۔ پھر اِن سے لڑائی ، اُن سے لڑائی۔ رمضان شریف میں دیکھو تو جا بجا لڑائی کا زور رہتا ہے۔ کیا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ کی یہی تفسیر ہے ---؟ یہ روزہ رکھنا نہیں ہے بلکہ روزے کو بدنام کرنا ہے۔

- گنتی کے چند روز ہیں --- برس کے 12 مہینے روزہ رکھنے کا حکم نہیں ہے، بلکہ پہلی شوال اور 10 ، 11 ، 12 اور 13 ذی الحجہ کو تو روزے کی ممانعت ہے--- بیمار کے ساتھ رعایت ہے --- خواتین کے ساتھ رعایت ہے --- اور مسافر کے ساتھ بھی رعایت ہے کہ یہ سب روزے کو قضا کرسکتے ہیں۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ، اللہ تمھارے لیے نرمی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا (سورۃ البقرہ آیت 185) ۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 2 صفحہ 40 تا 48 ﴾

31- زکواۃ

☆ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا ------------------------- فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ط

بے شک صدقات تو محض فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے اوراُن کارکنوں کے لیے جو صدقات کا انتظام کرتے ہیں اوراُن لوگوں کے لیے ہے جن کی تالیفِ قلوب ضروری ہے، اورگردنوں کی آزادی میں اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافروں کے لیے ہے۔ یہ اللہ کا فرض ہے (ٹھیرایا ہوا حکم ہے)۔اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (سورۃ التوبہ آیت 60)

☆ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ط

اورانھیں اتنا ہی حکم دیا گیا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی بندگی کریں۔ ایک رُو ہوکراور (پابندی سے) نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اوریہی تو پکا سیدھا دین ہے۔ (سورۃ البینۃ آیت 5)

- ہر کام جو راہِ خدا میں کیا جائے ، وہ صدقہ ہے۔ مگر بعض دفعہ قرینہ سے اس کے معنی زکواۃ کے لیے جاتے ہیں۔ جس طرح نماز پڑھنا ، روزہ رکھنا فرض ہے اسی طرح زکواۃ دینا بھی فرض ہے۔ جو لوگ زکواۃ دینے کو ضروری نہیں سمجھتے ان سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جہاد کیا۔ آج کل مسلمان زکواۃ نہ دینے کی وجہ سے کوئی قومی کام نہیں کرسکتے۔ اگر تمام لوگ زکواۃ ادا کریں تو مسلمانوں کی ایسی بدحالی نہ ہو۔ جو لوگ زکواۃ ادا کرتے ہیں وہ خوش حال بھی رہتے ہیں اور آفات سے محفوظ بھی رہتے ہیں۔

- صاحبو! جس کو دیکھو پیسہ پیسہ! جائز طور سے ہو یا ناجائز طور سے۔ رشوت لینے سے نہیں ڈرتے۔ سود کھانے کو تیار۔ چوری میں کوتاہی نہیں۔ رات دن زر ، زمین ، گھر، موٹر اور دھن دولت کی فکر۔ نہ یتیموں کی خبرداری اور نہ غریبوں کی امداد۔ بے جا رسوم میں مال برباد۔ ہزاروں روپے جمع ہوگئے، لکھ پتی، کروڑ پتی بلکہ ارب پتی ہوگئے ، پھر بھی بس نہیں۔ اس اور اور کا کیا نتیجہ ہوگا کچھ معلوم ہے۔۔۔؟ جہنم ہوگا، دوزخ ہوگا۔ تم بھی اور اور کہتے ہو ، وہ بھی اور اور پکارتی ہے۔ تم کو بس نہ اُس کو بس۔ دیکھو! فکرِ مال ایک جنجال ہے۔ نہ دن کو چین ہے اور نہ رات کو راحت۔ مال کے شوق میں پیٹ بھر کھانا تک نصیب نہیں۔ آرام سے سونا تک نہیں ملتا۔ حساب کرتے ہیں تو جو کچھ کھایا ہے اسے بھی نقصان کے کتابچہ میں لکھ دیتے ہیں۔ کھال جائے مگر مال نہ جائے کب تک؟ چمڑی جائے مگر دمڑی نہ جائے کہاں تک؟ کیا مال تمھارا خادم ہے یا تم مال کے خادم ہو؟ شکاری جانوروں کی طرح دوڑ دھوپ کرکے جمع کرنا ، نہ کھانا نہ کھلانا ، اور آخر میں حسرتناک موت مرجانا ، یہ نہایت افسوس ناک ہے۔ دیکھو! خدا نے تم کو نعمتوں سے مالا مال کردیا ہے تو اس کی آمد و خرچ کی بابت بھی سوال ہوگا کہ کس طرح جمع کیا اور کس جگہ صَرف کیا گیا؟ ایسا نہ ہو کہ مال وبال ہو جائے۔ اور اس کا حساب عذاب بن جائے۔ لہذا یاد رکھو کہ جائز طور سے کماؤ۔ غریبوں کی امداد کرو۔ نیک کاموں میں پیسہ صَرف کرو۔ تو پھر تمھارا جینا بھی اچھا اور مرنا بھی اچھا۔ جس کے دل میں قناعت ہے وہ دراصل بادشاہ ہے ، صاحبِ تاج وتخت ہے۔ اس کو دنیا میں بھی راحت ہے اور آخرت میں بھی مسرت ہے۔ اللہ بس باقی ہوس۔

- اسلام میں سرمایہ داری کے مظالم ہیں نہ اشتراکیت کے مصائب۔ بلکہ اسلام اجازت دیتا ہے کہ جائز طور سے کماؤ ، دھن دولت جمع کرو۔ مگر غریبوں کا بھی خیال رکھو۔ زکواۃ ادا کرو۔ دولت اس طرح نہ کماؤ کہ غریب تباہ ہوجائیں۔ افسوس! مسلمان زکواۃ نہیں دیتے اور چندہ چندہ چیختے ہوئے چاروں طرف پھرتے رہتے ہیں۔ سال بھر کے بعد زکواۃ کی مد میں چالیس (40) روپیوں میں سے ایک روپیہ دینا بھی ان کو دشوار ہوگیا ہے۔

- دیکھو! ناجائز طور سے روپیہ جمع کرنے والوں اور زکواۃ نہ دینے والوں پر خدا کی کیسی مار پڑتی ہے۔ بنکوں میں جتنا روپیہ جمع کیا گیا تھا ، بنکوں کے دیوالیہ ہونے سے سب غارت۔ جو بنک موجود ہیں ان کے روپے نے قیامت کے دامن سے اپنا دامن باندھا ہوا ہے۔ حکومت کی طرف سے طرح طرح کے

ٹیکس الگ! ان سب نے ضروریاتِ زندگی کی قیمتوں کو مستقلاً آسمان پر پہنچا رکھا ہے۔ افسوس! یہ تمھاری تنگ دلی کا نتیجہ ہے۔ تم نے اپنا ہاتھ روکا تو خدا نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اس زمانے میں برکت کو خلافِ واقعہ سمجھتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ' ابر نہ آید از پئے منع زکواۃ ' یعنی تم نے بندگانِ خدا کو امداد دینے سے انکار کیا تو خدا نے پانی نہ برسا کر تمھاری بھی امداد نہ کی۔ یاد رکھو! جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا اس پر آسمان والا بھی رحم نہیں کرتا۔

- زکواۃ لینا کس کا کام ہے؟ ---جواب ہے حکومتِ وقت کا۔ جہاں اسلامی حکومت نہیں یا جہاں اسلامی اصولوں کے مطابق زکواۃ نہ لی جاتی ہو ، نہ دی جاتی ہو ، وہاں قوم کو چاہیے کہ اپنے کسی معتبر اور معتمد شخص کو زکواۃ جمع کرنے اور تقسیم کرنے کے لیے مقرر کریں۔ اس کام کے لیے ضرورت ہے کہ منظّم طور سے کام کریں۔ حاجتمندوں سے واقف بھی ہوں اور ان مستحق لوگوں تک زکواۃ پہنچانے میں کوتاہی بھی نہ کریں۔ ہر محلّہ اور گاؤں میں جس طرح میرِ محلّہ یا پٹیل پٹواری ہوتے ہیں ، اسی طرح زکواۃ وصول کرنے والوں کا باقاعدہ انتظام کیا جانا چاہیے۔ چند گاؤں یا محلوں پر ایک صدر مقرر کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ہر ضلع (district) کا ایک صدر اور ہر صوبہ (province) کا ایک صدر ہو۔ان سب پر ایک مجلس (committee) بھی ہو جو زکواۃ کے لینے اور تقسیم کرنے کا انتظام کرے۔ اس کی تفصیلات مرتب کرنے کے لیے مردم شماری کے تختوں یعنی data اور دیگر سرکاری ریکارڈ سے بھی مدد لی جاسکتی ہے۔ میں نے ایک بار اس سلسلے میں data تیار کر کے اپنے یہاں کے تمام اضلاع میں تقسیم کیا تھا۔ مگر لوگوں نے اس پر زیادہ توجہ نہ کی۔ اور عملی طور سے بالکل غافل ثابت ہوئے۔ افسوس!

- افسوس! ایک افسوس کے بعد ہزاروں افسوس کا تانتا ---! اصل سوال یہ کہ دیانت کہاں سے آئے؟ مستحقین کو کون پہنچائے؟ سارے جہاں میں قومی کاموں کے لیے چندے جمع کیے جاتے ہیں۔ مگر ہوتا کیا ہے؟ نشتند و گفتند و برخواستند۔ سب جمع ہوئے ، خوب تقریریں ہوئیں ، لیکچرز ہوئے ، تحریکات پر cheers ہوئیں ، اللہ اکبر کے خوب نعرے بھی لگے ، واہ واہ اور مرحبا کی صدائیں ہوئیں ، بہت سے resolutions اور تجویزیں بھی پاس ہوئیں۔ ممکن ہے کہ کچھ چندوں کا کام بھی بنا ہو ، مگر کام سے زیادہ نام میں روپیہ صَرف ہوجاتا ہے۔ نمائش پر داد و دہش ہے۔ اللہ کے لیے کام کرنے والوں کی بڑی قلت ہے۔ اسی وجہ سے تو ہماری خواری اور ذلت ہے۔ کام کرتے بھی ہیں تو بالکل غیر منظّم حالت میں۔ روپیہ

تو دینے والے دے بھی دیتے ہیں۔ مگر لینے والوں سے حساب و کتاب اور قومی اغراض و مقاصد کی تکمیل کرنے کی بھی جرأت چاہیے۔ پیٹھ پیچھے بُرا بولیں گے۔ غیبت کریں گے۔ مگر حق بات کے لیے تنقید کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے۔ اس کے لیے دیانت اور اخلاقی جرأت کی ضرورت ہے۔ ایک بات کو رویا جائے دو بات کو رویا جائے۔ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ بہر حال اللہ ہم کو سخاوت بھی دے۔ دیانت بھی دے۔ اخلاقی جرأت بھی دے۔ اور سب سے اہم تو یہ ہے کہ قوتِ ایمانی بھی دے۔ آمین۔

وَالْعَصْرِ ط اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ط اِلاَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ط

(۔ زمانہ شاہد ہے۔ ۔ بے شک انسان نقصان میں ہے۔ ۔ مگر جو ایمان رکھتے ہیں اور نیک و مناسب کام کرتے ہیں اور باہم حق بات کی وصیت کرتے ہیں۔ اور صبر و استقلال کی ہدایت کرتے ہیں۔)

﴿حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 10 صفحہ 93 تا 96 پارہ 30 صفحہ 156 تا 158 اور 171 ، 172﴾

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ صاحبو! ذرا مسلمانوں کی حالت پر غور کرو۔ خدا و رسول کے احکام کو وہ کچھ نہیں جانتے۔ علماء اور مشائخ پھرتے ہیں ، گاؤں کا دورہ کرتے ہیں۔ دورہ کرنے میں تو لیڈر حضرات ان سے بھی تیز ہیں۔ مگر دین کی تبلیغ نہ یہ کرتے ہیں نہ وہ۔ ایک بار ہمارے ایک دوست نے ایک عورت کو کلمہ شریف یاد کرنے کے لیے کہا۔ وہ اپنے بچوں کے پاس پہنچی اور کہنے لگی " یہ کدھر کا مولوی آگیا ہے جو کلمہ پڑھنے کو کہہ رہا ہے ، کلمہ کی تعلیم تو مرنے کے وقت دی جاتی ہے"۔ اس عورت کے بچے ہاتھوں میں لٹھ لے کر پہنچے کہ تُو ہماری ماں کو قبل از وقت کیوں ختم کرنا چاہتا ہے ۔۔۔؟ شکر ہے بعض سمجھدار لوگ آگئے اور انہوں نے بیچ بچاؤ کرکے ہمارے دوست کو بچا لیا۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 11 صفحہ 4﴾

32 - حج

☆ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا ط

اور ہم کو اعمالِ حج سکھا۔ (سورۃ البقرہ آیت 128 کا حصہ)

☆ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط

اور حج و عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔ (سورۃ البقرہ آیت 196 کا حصہ)

☆ فِيْهِ اٰيٰتٌ م بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ----------------------------------- فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ط

اس میں چند ظاہر نشانیاں ہیں (مجملہ ان کے) مقامِ ابراھیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو امن میں ہے۔ اور لوگوں پر خدا کی طرف سے حجِ بیت اللہ (فرض) ہے (کن پر؟) اس پر جو اس کی طرف راستہ کی استطاعت رکھتا ہو۔ اور جو اس سے انکار کرے پس بے شک اللہ ساری دنیا سے مستغنی ہے۔ (سورۃ ال عمران آیت 97)

☆ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۔ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ ----------------------------------- وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ط (سورۃ البقرہ آیت 196 تا 203)

- حج نام ہے احرام باندھ کر نویں ذی الحجہ کو عرفات میں ٹھیرنے اور دسویں ذی الحجہ کو کعبہ معظّمہ کے طواف کا۔

☆ فرائضِ حج تین ہیں۔ (1) احرام باندھنا (2) عرفات میں ٹھیرنا (3) طوافِ زیارت

☆ واجباتِ حج پانچ ہیں۔ (1) مزدلفہ میں ٹھیرنا (2) رمی جمار یعنی کنکریاں مارنا (3) حلق یعنی سر منڈوانا یا تقصیر یعنی بال کترنا (4) سعی یعنی صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ، اور (5) طوافِ وداع

- باقی تمام ، آدابِ حج ہیں۔ ان کا کرنا بہتر ہے۔
- میقات ، احرام باندھنے کا مقام ہے۔ میقات کے اندر کی زمین کو حَرَم اور باہر کی زمین کو حِل کہتے ہیں۔ پاکستان سے جانے والوں کے لیے میقات ، یلملم کی پہاڑی ہے۔
- احرام کیا ہے؟ ۔۔۔ ایک تہہ بند باندھنا اور ایک چادر اوڑھنا ، احرام ہے۔ عورت کے لیے نماز کا لباس ہی احرام ہے۔
- حرم پہنچ کر سب سے پہلے عمرہ کا ادا کرنا افضل ہے۔

☆ ارکانِ حج مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) آٹھویں ذی الحجہ کو احرام کی حالت میں ظہر سے پہلے منیٰ روانہ ہو جائیں۔

(2) نویں ذی الحجہ کو فجر پڑھ کر منیٰ سے عرفات پہنچیں۔

(3) عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر کے وقت ادا کریں۔ اور سورج کے ڈوبنے تک عرفات میں رہیں۔

(4) آفتاب غروب ہو جائے تو مزدلفہ کے لیے روانہ ہو جائیں۔

(5) مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ عشا کے وقت پڑھیں۔

(6) مزدلفہ میں ساری رات گذاریں۔ اور یہاں قیام کے دوران رمی جمار کے لیے کنکریاں جمع کرلیں۔

(7) دسویں ذی الحجہ سورج نکلنے سے قبل منیٰ کے لیے روانہ ہوجائیں۔

(8) منیٰ پہنچ کر رمی جمار یعنی شیطانوں کو کنکریاں ماریں۔ پھر قربانی کریں۔ اور حلق یا قصر کریں یعنی سر کے بال اتاریں یا کم کریں۔

(9) پھر مکہ جائیں۔ طواف کریں۔ اور صفا و مروہ کی سعی کریں۔ یہ "طوافِ زیارت" فرض ہے۔

(10) پھر واپس منیٰ روانہ ہو جائیں۔

(11) گیارہ ذی الحجہ کا تمام دن منیٰ میں قیام کریں۔ اور اس روز رمی جمار بھی ادا کریں۔

(12) بارہ ذی الحجہ کو تیسری اور آخری رمی جمار کریں۔ اور زوال کے بعد مکہ واپس آئیں۔

(13) مکہ پہنچ کر طواف کریں۔ یہ "طوافِ وداع" ہے جو واجب ہے۔ جس پر حج ختم ہوا۔

☆ حج و عمرہ کے چار طریقے ہیں۔

(1) اِفراد بِالْحَج (2) اِفراد بِالْعُمرة (3) قِرائن (4) تَمَتُّع

❁ افراد بالحج: حج کے مہینوں میں یا ان سے پہلے کے دنوں میں مقامِ میقات یا اس سے قبل احرام باندھ کر حج کی نیت کرے اور تمام ارکان ادا کرے ، تو یہ" افراد بالحج "ہے۔

❁ افراد بالعمرۃ: حج کے مہینوں میں یا ان سے پہلے کے دنوں میں مقامِ میقات یا اس سے قبل احرام باندھے۔ اور عمرہ کی نیت کرے۔ پھر طواف و سعی کرے۔ اور واپس گھر لوٹ جائے۔ البتہ بعد میں چاہے تو حج بھی ادا کرے ، یا اس سال حج نہ کرنا چاہے تو نہ کرے ، تو یہ" افراد بالعمرۃ "ہے۔

❁ قرأن: حج اور عمرہ کو ایک ہی احرام میں جمع کرے۔ اور حج وعمرہ دونوں کی نیت کرے۔ پہلے عمرہ ادا کرے اور بعد میں حج کے ارکان پورے کرے ، تو یہ" قران" ہے۔

❁ تمتع: حج کے مہینوں میں یا ان سے پہلے کے دنوں میں مقامِ میقات یا اس سے قبل عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کی نیت کرے۔ اور پھر عمرہ ادا کرے۔ اور گھر واپس لوٹے بغیر حج کی نیت سے دوسری بار احرام باندھے۔ اور اسی سال حج بھی ادا کرے ، تو یہ" تمتع "ہے۔

- یاد رہے کہ اہلِ مکہ کے لیے افراد بالحج (صرف حج) یا افراد بالعمرۃ (صرف عمرۃ) ہی ہیں۔ ان کے لیے قرأن اور تمتع نہیں ہیں۔

☆ مقامِ میقات پانچ ہیں۔

(1) اہلِ مدینہ کے لیے ذو الحلیفه

(2) اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عِرق

(3) اہلِ شام کے لیے جُحفه

(4) اہلِ نجد کے لیے قَرن

(5) اہلِ یمن اور ہند و پاکستان کے لیے یلملم

نوٹ: اہل مکہ کے لیے خصوصی میقات ، تنعیم ہے۔

☆ جس طرح نماز دربارِ الٰہی کا مظاہرہ ہے اسی طرح حج بھی عاشقِ صادق کا مظاہرہ ہے۔ گھر دار سے چھوٹا ہوا ، وطن سے منہ موڑا ہوا ، کفن پہنا ہوا ، عشق و محبت کے نعرے مارتا ہوا ، سر کے بال بڑھے ہوئے۔ کبھی خانۂ کعبہ کے صدقے ہوتا ہے تو کبھی آستان بوسی کرتا ہے ، کبھی سنگ بوسی کرتا ہے۔ کبھی اِس پہاڑی سے دوڑتا ہوا اُس پہاڑی کو پہنچتا ہے۔ محبوب کا نام لے کر چیختا ہے ، چلاتا ہے۔ پتھر پھینکتا ہے۔ سر مُنڈا لیتا ہے۔ آخر میں جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن محبوب ، بڑا قدر دان ہے۔ جان بخشی فرما دیتا ہے۔ اور فدیہ میں جان کی قربانی قبول کرلیتا ہے۔

- حج میں توحید کی بھی تعلیم ہے ، کہ تمام جہاں کا خدا ایک ہے۔ اس کے سوا کسی کو اپنا معبود نہ سمجھنا چاہیے۔
- حج میں مساوات کی بھی تعلیم ہے ، کہ تمام ممالک کے لوگ ایک ہی رنگ میں ، ایک ہی لباس میں ہوتے ہیں۔ امیر، غریب سب کے لیے دو چادریں ہیں۔ جو کام ایک ملک والے کرتے ہیں وہی دوسرے ملک والے بھی کرتے ہیں۔
- حج میں سفر کی سختیاں اٹھانے کی بھی عادت ہوتی ہے۔ اور کچھ نہ کچھ رقم جمع کرنے کی عادت بھی ہوتی ہے۔
- حج میں تمام روئے زمین کے مسلمانوں سے ملنا ہوتا ہے۔ اور ان سے خیالات کا تبادلہ کرنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ دوسروں کے حالات سے سبق ملتا ہے۔ اور اپنی ترقی کے لیے راستہ کھلتا ہے۔
- اسلام تجارت سے نہیں روکتا۔ لہٰذا حج میں وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ، اور اللہ کے فضل کو طلب کرو ، روزی کی تلاش کرو ، کماؤ کھاو (سورۃ الجمعہ آیت 10) سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

☆ صاحبو! اُن مسلمانوں پر افسوس کرو کہ جن کے پاس لندن ، پیرس اور امریکہ جانے کے لیے روپیہ پیسہ ہے ، بدن میں قوت ہے ، صحت ہے مگر انھیں جدہ سے ، جو ان کے راستے ہی میں پڑتا ہے مکہ شریف جانے کی توفیق نہیں۔ ان کی قسمت میں حج جیسی نعمت نہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ فرماتا ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ، جو عمل صالح کرے گا اس کا فائدہ اسی کو اور جو بُرا کرے گا اس کا وبال اسی پر (سورۃ حٰم سجدہ آیت 46) ۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ حج سے نماز آسان ہے۔ وہ جب نماز ہی نہیں پڑھتے تو حج کیا کریں گے ۔۔۔! اللہ اکبر! اللہ اکبر!

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 177 تا 180 پارہ 2 صفحہ 56 تا 66 پارہ 4 صفحہ 5 تا 7 پارہ 13 صفحہ 114 اور پارہ 28 صفحہ 58 ﴾

33 - جہاد اور شہادت

☆ وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلاَ تَعْتَدُوْا ط

اور اللہ کے واسطے ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ (سورۃ البقرہ آیت 190 کا حصہ).

☆ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ ط

اور ان کو مار ڈالو جہاں پاؤ اور ان کو (ان کے وطن سے) نکال دو جس طرح کہ تم کو (تمہارے وطن سے) نکالا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 191 کا حصہ)

☆ وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لاَ تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّ یَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ط

اور ان (ظالموں) سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ و فساد باقی نہ رہے اور اللہ ہی کا دین رہ جائے۔ (سورۃ البقرہ آیت 193 کا حصہ)

☆ وَ لاَ تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لاَّ تَشْعُرُوْنَ ط

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں تم ان کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں مگر تم کو اس کا شعور نہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت 154)

- مسلمان بہادر ہوتا ہے۔ مسلمان چاہتا ہے کہ باعزت جئے اور باعزت مرے۔ اس کا شیوہ ہے۔

با آبرو ہو زندگی بے آبرو، بے کار ہے

- دیکھو! خواہ مخواہ ایک آدمی کو قتل کر دینا مسلمان کا طریقہ نہیں۔ مسلمان مقاتلہ کرتا ہے یعنی جو اسے مارنا چاہتا ہے وہ اس کو مارتا ہے۔ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ، صرف اللہ کے راستے میں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دشمنوں سے جنگ کرو تو تمہارا مقصود اللہ ہو ، نہ کہ اظہارِ شجاعت اور مالِ غنیمت۔ صرف ان لوگوں

سے لڑو جو تم سے جنگ کرتے ہیں ،کشت و خون کرتے ہیں۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو ، زیادتی نہ کرو۔ عورتوں کو ، بچوں کو اور راہبوں کو نہ مارو۔ جانوروں کو ضائع نہ کرو۔ مُثلہ نہ کرو یعنی کسی کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان نہ کاٹو۔

- صاحبو! یہ تہذیب کے مدعی! یہ نام نہاد civilized لوگ ---! دیکھو آج کل یہ کیا کر رہے ہیں---؟ نہ بچوں پر رحم ہے اور نہ عورتوں پر شفقت۔ نہ مذہبی پیشواؤں کی عزت۔ گھر جل رہے ہیں۔ مسجد ، مندر اور گرجے برباد ہو رہے ہیں۔ نیک و بدسب تہِ شمشیر ہیں۔ سب ہی توپ و اسلحے کے نشانے پر ہیں۔ خانماں برباد ، شہر ویران۔ آج کل انسانیت ، تہذیبِ نفس کا نام نہیں بلکہ بمباری اور آتش زنی کا نام ہے۔ مہذب وہی ہے جو بلا امتیاز قتل کرے۔ کسی پر رحم نہ کھائے۔ اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنْ کُلِّ بَلَآءٍ۔

- صاحبو! جہاد کے ناجائز اور خلافِ انسانیت ہونے کا راگ وہ الاپتے ہیں جن کے گھوڑے مسلمانوں کے خون میں تیرتے ہیں۔ پانڈوؤں کوروؤں کی لڑائی سے کون واقف نہیں۔ صلیبی لڑائیوں کو کون نہیں جانتا۔ ان میں جو جو مظالم ہوئے ان سے کون آشنا نہیں۔ یہ کرسچین! جنابِ مسیح کی بھیڑیں نہیں بھیڑیے ہیں۔ ان کی مثال کپاس کے بونڈوں کی سی ہے کہ ظاہر تو سفید اور نرم ہے لیکن باطن سیاہ اور سخت۔ ان صلیبی لڑائیوں میں سلطان صلاح الدین اور عیسائیوں کی تہذیب و انصاف کا موازنہ بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ protestants نے اپنا مذہب جاری کرنے کے لیے کیسے کیسے ظلم وستم نہ کیے! John Colon نے شاہ فرانس کو ترغیب دی کہ جو ہمارے مذہب کو نہ مانے ، قتل کردیا جائے۔ اسپین میں مسلمانوں پر پادریوں نے کیا کچھ جوروستم نہیں کیے! ہندوؤں میں ویدوں اور بدھ مذہب والوں میں بھی سالہا سال تک کیسے کیسے قتلِ عام نہیں ہوئے! اور آج بھی یہ نام نہاد روشن دماغ حکومتیں ،حقوق کا نام لے کر آزاد افراد کو غلامی کی قید میں لانے کے لیے کیسی کیسی خوں ریزی کیا کرتی ہیں۔ اور اپنی فریب بازی اور مکاری کو سیاست سے موسوم کرتی ہیں۔ جھوٹ پھیلانے کو propaganda اور بد عہدی کو اقتضائے زمانہ یا strategy اور بے رحمی کو ضرورت یعنی necessity سمجھتی ہیں۔

- بعض ایسے مسلمان جو بزدل اور نامرد ہیں ، وہ بھی ان ظالموں کی ہاں میں ہاں ہی ملاتے ہیں۔ اور جہاد کو جس کے معنی ہیں اللہ کی راہ میں کوشش کرنا ، بُرا سمجھتے ہیں۔اور سادہ دل مسلمان ان کے مکروفریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جہاد سے جی چرانے کا نتیجہ کیا ہوا؟ دنیا میں ذلت اور آخرت میں منھ کالا۔ انسان کی قوت ، اخلاقی اجزا سے ہے۔ جس کو اخلاقی قوت نہیں اس کی کوئی عزت نہیں۔ مسلمانوں کے پاس بے عزتی کے جینے سے عزت سے مرنا بہتر سمجھا جاتا ہے۔ لومڑی کی سو سالہ زندگی سے شیر کا ایک ساعت

جیتا رہنا افضل ہے۔ موت سے ڈرنا حماقت ہے ، کیونکہ کوئی وقت سے پہلے مرا نہیں کرتا۔

- صاحبو! جو قوم جہاد نہیں کرتی وہ ذلیل و خوار رہتی ہے۔ اکثر ماری بھی جاتی ہے۔ جب قوم میں زندہ دلی اور بہادری پیدا ہوتی ہے تو عزت بھی آتی ہے اور آبرو بھی۔ قومیں زندہ بھی ہوتی ہیں اور مر بھی جاتی ہیں۔ اور ایک زمانہ کے بعد پھر قوموں میں حیات پیدا ہوتی ہے۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے

مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

- حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں "مَا تَرَكَ قَومٌ نِ الْجِهَادَ اِلاَّ ضَرَبَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِّ" جو قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دیتی ہے ، اللہ اِن پر ذلت بھیجتا ہے۔ ذرا اپنے حال پر غور کرو کہ تم زندہ ہو یا مُردہ۔ زندہ اور مُردہ میں یہی فرق ہے کہ زندہ حرکت کرتا ہے۔ اور مُردہ حرکت نہیں کرتا ۔ اگر تم جمود کی حالت میں ہو تو تم مُردہ ہو ، تمہاری زندگی بے کار ہے۔ اور اگر تم حرکت کی حالت میں ہو ، دوڑ دھوپ کرتے ہو تو تم زندہ ہو۔ تمہارا جینا کام کا ، اور تمہاری حیات فائدے کی۔ یاد رکھو اللہ مُردوں کو دنیا میں نہیں رکھتا۔

- مسلمانو! ہمارے بزرگوں کا محبوب ، اللہ تھا۔ اس کا رسول تھا۔ وہ اپنے محبوب سے ملنے کے لیے تیار تھے۔ اپنا سر، دے دیتے تھے اور حیاتِ جاودانی ، لے لیتے تھے۔ وہ زندہ ہیں۔ ان کا نامِ نامی زندہ ہے۔ تم کو اللہ اور رسول سے ربط نہیں ، کوئی مضبوط علاقہ نہیں۔ نہ ان سے ملنے کی طلب ہے۔ تمہارا دل تو دنیا میں پھنسا ہوا ہے۔ تمہارا محبوب ، سیم و زر ہے ، دولت ہے ۔ تم کو ان کے ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہے۔ تم نشاۃِ ثانیہ زندگی یعنی آخرت پر یقین نہیں رکھتے۔ تمہارے پاس مرنا تمام مالوفات اور محبوبات یعنی companions & dears سے چھوٹنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم موت سے بھاگتے ہو۔ تمہارے بزرگ تو " ایک ہی دفعہ مرنا ہے" سمجھتے تھے ، اور اس پر مضبوط تھے۔ لیکن تم سمجھتے ہو " جینا ایک ہی بار ہے" لہٰذا مرنے سے گھبراتے ہو۔ تم میں عزتِ نفس ، خود داری ، آزادی کی روح نہیں رہی۔ تم ذلیل ہوئے ، خوار ہوئے۔ غلامی تمہارا لباس ہے۔ تم کم ہمتی کی آب و ہوا میں رہتے ہو اور تم کو احساس ہی نہیں۔ تم کو اپنے بزرگوں کے نام پر فخر کرنے کا حق نہیں۔ تمہاری نسبت سے ان کی ذلت ہوتی ہے۔ تمہارے پاس مذہب کوئی چیز نہیں۔ تمہارا مقصدِ حیات ، صرف کھانا پینا ہے۔

- صاحبو! اسلحے کے استعمال سے ناواقف ہونے کا عذر کرنا منافقوں کا کام ہے۔ مسلمان اَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ تم کافروں کے لیے تیاری کرو جس قدر قوت پیدا کرسکتے ہو (سورۃ الانفال آیت 60) پر عمل کرتے ہیں۔

مسلمان جنگ کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ وہ حیلے حوالے کرنا نہیں جانتا۔ اسلام میں ہر شخص سپاہی ہوتا ہے۔ فنونِ حرب کی اسلام میں تعلیم ، جبری ہے۔ ہمارے پیغمبر ﷺ کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا مگر تلوار ، نیزہ اور دوسرے اسلحے کا استعمال کرنا ضرور آتا تھا۔ کشتی آپؐ کو آتی تھی۔ گھوڑے کی شہسواری سے آپؐ پوری طرح واقف تھے۔ غرض یہ کہ مسلمان ڈرنے کے لیے پیدا نہیں ہوا۔

- ہمارے پاس شمشیرزنی کی تعلیم کی بعض روایتیں اسد اللہ غالب علی ابن ابی طالبؓ تک پہنچتی ہیں۔ بلکہ رسولِ خدا ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ اُس وقت تیروں اور تلواروں کا زمانہ تھا تو اس کی تعلیم دی گئی تھی۔ اب بندوقوں ، توپوں ، میزائیلوں اور طیاروں کا زمانہ ہے تو ان کے استعمال کا طریقہ سیکھنا واجب ہے۔ لاعلمی کا عذر منافقوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بے علمی ، بے ہنری اور ہَول دلی سے بچائے۔ اے اللہ! تو اِن کو اولوالعزمی دے۔ اِن کے شریف خون میں جوش دے۔ ان کو اپنی ذلت و خواری پر متنبہ کرے۔ ان کو جھنجھوڑ دے ، اٹھا کر بٹھا دے اور ان کا منہ دھلا دے۔

نا مرد مرتا روز ہے
مَردوں کی موت اک بار ہے
ہرگز نہیں مرتا ہے وہ
مرنے کو جو تیار ہے

- خوب یاد رکھو کہ راہِ خدا میں شہید ہونے والا ، دنیا سے پردہ کرلیتا ہے مگر ان کا نام زندہ رہتا ہے۔ ان کے آثار زندہ رہتے ہیں۔ وہ مرتے ہی اللہ کے پاس پہنچ جاتے ہیں ان کے جسد کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ ان کو رزق عطا کرتا ہے۔ اور وہ آزادی سے ادھر ادھر پھرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ شہداء اس دنیا کے رہنے والوں کو بھی کبھی کبھی نظر آجائیں مگر یاد رکھو کہ جب تک آدمی مادیات کے جال میں پھنسا ہوا ہے اس کو عالمِ ارواح تک پہنچنا دشوار ہوتا ہے۔

- یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو دشمنوں کی تلوار سے مارے جاتے ہیں۔ بھلا وہ کیا مریں گے جو شمشیرِ محبت سے مارے ہوئے ہیں۔ ہرایک اپنے محبوب کے پاس رہتا ہے۔ جاں باز عاشق ، ضرور اپنے معشوق کے پاس ہی رہے گا۔

اے حسرتِ شیدا فکر نہ کر ، ہیں ساتھ ہمارے پیغمبر
جب اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ ، فرما دیا کملی والے نے

☆ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 13، 14 ، 51 تا 54 ، 114 ، 115 پارہ 4 صفحہ 72 تا 76 اور پارہ 19 صفحہ 15 ، 16☆

34- تبلیغ

☆ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ط

❁ اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہو جو خیر کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم کرے اور بُری بات سے منع کرے۔ اور ایسا کرنے والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ (سورۃ ال عمران آیت 104)

☆ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ط

❁ (پیغمبر!)تم طریقِ حق کی تبلیغ کرو (کس طرح؟) حکمت سے اور پندو نصیحت سے اور ان سے بحث کرو تو بہترین طریقہ سے بحث کرو۔ بے شک تمھارا رب خوب جانتا ہے گمراہوں کو اور وہ خوب واقف ہے راہ یافتوں سے بھی۔ (سورۃ النحل آیت 125)

- صاحبو! دنیا کی تاریخ اٹھا کر دیکھو ، اس کا ہر ورق شہادت دے گا ، عالم کے تمام واقعات سے یہی ثابت ہوگا کہ کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا ، ہرگز کسی کا مقصد حاصل نہ ہوگا جب تک آدمی ایمان نہ رکھے یقین نہ رکھے ، صحیح عقیدہ نہ رکھے۔ لیکن صرف ایمان ہی کافی نہیں ، اس کے ساتھ نیک کام اور عملِ صالح بھی ضروری ہیں۔ پھر مناسب کام بھی ناگزیر ہیں۔ اکیلے ایک انسان کا نیک ہوجانا بھی کافی نہیں ہے۔ دوسروں کو بھی نصیحت اور وصیت کرنا ضروری ہے۔ دیکھو ایک کشتی میں کچھ لوگ بیٹھے ہیں ، ایک شخص اس میں سوراخ کرنا چاہتا ہے۔ اگر سب لوگ اس کو نہ روکیں گے تو سب کے سب ڈوب مریں گے۔ ایک اور مثال یہ کہ ایک جگہ سینکڑوں آدمی موجود ہیں اور ان کے ہاتھ میں گندگی کی ٹوکری ہے اور

ایک شخص کے ہاتھ میں عطر کی شیشی ہے تو بھلا وہ اکیلی شیشی اس جگہ کو کیوں کر معطر کر سکتی ہے۔ چناں چہ آپ بھی نیک بنو اور دوسروں کو بھی نیک کام کی نصیحت کرو۔ پیغمبر اسی لیے بھیجے گئے تھے کہ حق بات کی تعلیم دیں۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اچھی بات کا حکم دیں اور بُری بات سے ڈرائیں۔ اسلام، تبلیغی مذہب ہے۔ اچھی بات کا حکم دینا اور بُری بات سے روکنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ دیکھو! جہاں دوسروں کو نصیحت کرتے ہو وہاں اگر دوسرا بھی نصیحت کرے تو اس کو بھی سنو اور قبول کرو۔ غوطہ خور کے ادنیٰ درجہ کے ہونے سے موتی کی قیمت کم نہیں ہوتی۔ علم اگر چین میں بھی ہو تو اس کو حاصل کرو۔ پھر اچھا کام بھی دو چار دن کر لینے سے کیا ہوتا ہے۔ صبرو استقلال سے کیے چلے جاؤ۔ پتھر پر ڈول رکھتے ہیں تو تھوڑے زمانہ بعد اس پتھر میں بھی گڑھا پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ صبرو استقلال میں کامیابی ہے، مقصد وری ہے۔

- دیکھو۔۔۔! جو کام کرو پورے یقین کے ساتھ کرو۔ اکیلا ایک آدمی کوئی کام اچھی طرح نہیں کر سکتا۔ دوسروں سے مشورہ لو، دوسروں کو اپنا شریک بناؤ۔ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے۔ تار آپس میں ملتے ہیں تو رسی بن جاتے ہیں۔ چند لوگ مل کر کام کرتے ہیں تو مجلس، انجمن اور کمیٹی کہلاتے ہیں۔ نہ شخصی کام کوئی مفید ہے، نہ ایک شخص کی رائے کوئی وقعت یا weight رکھتی ہے۔ مل کر کام کرو۔ ہمارے مجالس میں تحریکات یعنی propositions کی کوئی کمی نہیں۔ بہتر سے بہتر تحریکیں ہوتی ہیں مگر عمل دیکھو تو نہ دارد۔ عمل کرتے بھی ہیں تو چند روزہ۔ جیسے دودھ کا ابال، نہ قیام نہ استقلال۔ دنیا کے کاموں میں خود رائی (self-centeredness) نقصان دہ ہے۔ صحیح علم کے ساتھ کام کرو۔ خود رائی چھوڑو۔ جو کام کرو استقلال سے کرو۔ تمھارے سر پر کامیابی ہوگی۔ دنیا تمھاری ہوگی، آخرت بھی تمھاری ہوگی۔

- صاحبو! جب سے مسلمانوں میں سے اَمَرْ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَرِ یعنی اچھی بات کا حکم کرنا اور بُری بات سے روکنا بند ہو گیا ہے مسلمان تباہی کے گڑھے میں گرنے لگے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جتنے باطل مذہب والے ہیں وہ اپنے مذہب اور خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ لیکن مسلمان باوجود حق پر رہنے کے، تبلیغ سے بے خبر ہیں۔ اس کا نتیجہ دیکھ رہے ہیں کہ بدمذہب لوگوں کا زور بڑھتا جارہا ہے۔ روز ایک نیا مذہب ایجاد ہو رہا ہے۔ اور چند بے وقوف اس کے پیرو بن رہے ہیں۔ دیکھو! تم میں چاپلوسی کے سبب حق بات کہنے سے ڈر پیدا ہو گیا ہے۔ بے اصل مذہب والے اپنے خیالات کی تبلیغ کرتے

ہیں اور تمھارے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جھوٹے پروپیگنڈوں سے دشمن تمھارے مذہب پر حملہ کر

رہے ہیں ، مگر تمھاری غیرت میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ تم بے حمیت ہونے کو رواداری سمجھتے ہو اور تمھارے دشمن روز بروز اپنے باطل پر جری ہوتے جارہے ہیں۔ یاد رکھو جب کسی بُری بات کو عام طور سے ہوتا دیکھتے ہیں تو اس کے بُرا ہونے کا احساس باقی نہیں رہتا ، نفس عادی ہوتا جاتا ہے ، غیرت چلی جاتی ہے۔ مذہب کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ اور وہ مضبوط اعتقاد باقی نہیں رہتا جو ہونا چاہیے۔ اس کا انجام آپ جانتے ہیں کیا ہے۔۔۔؟ کفر ، شرک ،فسق و فجور۔

- افسوس! نہ ہم میں اگلا سا جوش ہے۔ نہ دور دور جاکر تبلیغ کرنے کی عادت۔ مسلمانوں میں کچھ اخلاقی جرأت کم ہوگئی ہے کہ حق بات کہنے سے ڈرتے ہیں یا شرماتے ہیں۔ دیکھو نہ اتنے میٹھے بنو کہ کوئی تمھیں کھا جائے۔ نہ اتنے کڑوے بنو کہ کوئی تھوک دے۔ نہ حلوا بنو نہ ایلوا۔ تمھارا لہجہ نرم ہو۔ تمھاری زبان میٹھی ہو۔ تمھاری تقریر واضح دلائل پر منحصر ہو۔ خلافِ واقعہ ایک لفظ نہ نکالو۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ، وہ کبھی نہیں چل سکتا۔ سلیس اور واضح الفاظ میں وعظ کرو۔ خلوصِ دل سے بولو ، اور ٹھنڈے دل سے سنو۔ دیکھو جو بات دل سے نکلے گی وہ دل تک پہنچے گی۔ بے سرو پا باتیں کرنا لوگوں کو خود پر ہنسانا ہے۔ ہمیشہ تبلیغ کیا کرو۔ تکرار میں بڑا اثر ہے۔ ذرا اس پر بھی غور تو کرو ، یہ کیا ہے کہ بات بات کو شرک! بات بات کو کفر! جب ہم اچھے طریقے سے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتے ہیں تو درشت اور سخت طریقہ کیوں اختیار کریں۔ یاد رکھو کہ تمھاری تبلیغ میں کچھ ترغیب یعنی temptation بھی ہو اور کچھ تہذیب اور art of beautification بھی ، یعنی اچھے الفاظ بھی ۔۔۔ دیکھو! کچھ غیر مذہب والوں سے سبق حاصل کرو۔ وہ لوگ ہسپتال بناتے ہیں ، خدمت کرتے ہیں ، مالی امداد دیتے ہیں ، قرض دیتے ہیں ، پرورش کے اسباب پیدا کرتے ہیں۔ اَلْاِنْسَانَ عَبِیْدُ الْاِحْسَانَ ، احسان کا دلوں پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ تم بھی اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تمھارا مذہب حق ہے۔ تم کو کیا ڈر ہے۔ ہمارے بزرگوں نے کتنی تکلیفیں اٹھائیں ، کیا کیا مصیبتیں جھیلیں ، تب کہیں اسلام پھیلا۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھی۔ ان کو قوت حاصل ہوئی۔ یہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا کیا ہے۔۔؟ اپنے عمل سے ایک بہترین نمونہ بن کر غیر مسلموں کے سامنے پیش ہو۔ یہ یاد رکھو جو خدا کی مدد کرتا ہے ، خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ (سورۃ محمد آیت 7)۔ کچھ کرو۔ حرکت ہی میں برکت ہے۔

- صاحبو! ہمارا تجربہ ہے کہ جو لوگ تقویٰ اور طہارت کی نمائش کرتے ہیں ان کو ہوا پر غصہ آتا ہے

بات بات پر لوگوں سے لڑتے ہیں۔ اپنے عیب ان کو نظر نہیں آتے ، دوسروں کی عیب جوئی میں بڑے

سرگرم ، غیبت کرنے میں بڑے استاد۔ ان کو دوسروں کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ دوسروں کے گناہ معاف نہیں کرتے اور پھر امید رکھتے ہیں کہ اللہ ہمارے گناہ معاف کر دے گا۔ دیکھو! لوگوں کو بُرا بھلا کہنا ، سوال کرنے والوں کو سختی سے جواب دینا ، دوسرے مذہب کے بزرگوں کو ناشائستہ الفاظ سے یاد کرنا کس طرح جائز ہوگا؟ جب کہ خدائے ذوالجلال ، بتوں کو بھی نامناسب الفاظ کہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حق پرستوں کا کام ہے سمجھانا ، نرمی سے کلام کرنا۔ یاد رکھو تم اللہ تعالیٰ کے پاس موسیٰ و ہارون علیہ السلام سے زیادہ عزت مند نہیں ہو۔ اور تمھارا مخاطب فرعون سے زیادہ ناحق پرست نہیں ہے۔ سورۃ طٰہٰ آیت 44 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَقُوْلاَ لَهٗ قَوْلاً لَّيِّنًا (اے موسیٰ و ہارون!) تم فرعون سے نرمی سے کلام کرو۔ مگر یہ متقی نما علماء نہایت سختی سے نصیحت کرتے ہیں اور ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا خدائی فوجدار ہیں۔ اور جنت اور اللہ کی رحمت ان کے ہاتھ میں ہے۔ جیسے خدا بخشنے والا نہیں ہے بلکہ یہ لوگ بخشتے ہیں۔ خدا کی رحمت سے مایوس کردینا اِن کا کام ہے۔

- اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ، پھر جب (کاموں سے، ذکر شغل سے) فارغ ہو جاؤ تو (ہمت باندھ کر) کھڑے ہو جاؤ (اور تبلیغ کرو ، دین کو پھیلاؤ) سورۃ الشرح آیت 7۔ مگر اے مخاطب! تبلیغ کرنے میں اخلاص ضروری ہے۔ نام آوری کا خیال اور ریا کاری کام نہیں آتی۔ اللہ کے خیال کو پیشِ نظر رکھو۔ اس کے سوا سب کو بھول جاؤ۔ وہی کافی ہے ، وہی وکیل ہے۔ اَللّٰهُ رَبِّيْ وَ هُوَ حَسْبِيْ۔

- یاد رکھو! خدا کے ہاتھ میں ہی میزان ہے۔ خیر و شر کا وہی اندازہ کرسکتا ہے۔ اگر ایک طرف نیک اعمال ہیں تو دوسری طرف اللہ اور اس کے رسولؐ سے حُسنِ عقیدت ہے۔ کیا ظاہر ہی ظاہر ہے یا باطن بھی کچھ ہے۔۔۔؟ تمھارا اخلاص سے ایک بار اللہ کہنا نمایاں ہوگا اور تمام گناہوں کے پلّے پر غالب آجائے گا۔ خوف ، دوا ہے۔ محبت ، غذا ہے۔ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت کرو ، جو سب پر غالب آجائے گی۔

* حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 4 صفحہ 12 ، 13 ، 17 ، 18 ، 37 ، 38 پارہ 7 صفحہ 124 ، 125

35 - ایمان اور یقین

☆ قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ لٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَ لَمَّا یَدۡخُلِ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ط

عرب کے دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے۔ (پیغمبر) تم کہو کہ تم ایمان نہیں لائے ہاں! تم یہ کہہ سکتے ہو، ہم اسلام لائے، اور ابھی تمھارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے۔ (سورۃ الحجرات آیت 14 کا حصہ)

☆ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ط

اور (اے پیغمبر) ان لوگوں کو خوش خبری دے دو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لیے جنتیں ہیں جن میں (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں۔

(سورۃ البقرہ آیت 25 کا حصہ)

- صاحبو! ایمان کے معنی ہیں یقین کرنا۔ اور اسلام کے معنی ہیں اطاعت کرنا اور اپنے آپ کو سپرد کر دینا ، حوالہ کر دینا۔ اگر دل میں یقین ہے ، جیسے کہ کافروں کو تھا ، اور اطاعت و فرماں برداری نہ ہو تو یہ ایمان کیا کام آ سکتا ہے؟ ایسے یقین سے فائدہ! ایسے میں اللہ کے پاس نہ ایمان مقبول ہے نہ اسلام۔ اگر دل میں یقین بھی ہے مگر جان کے ڈر سے ظاہر نہیں ہو رہا ہے تو یہاں ایمان تو ہے مگر اسلام نہیں۔ یہ تقیہ کی ایک صورت ہے۔ دل کا حال خدا کو معلوم ہے۔ دیکھو! پیغمبر تقیہ نہیں کرتے ، نہ پیشوایانِ دین تقیہ کرتے ہیں۔ تقیہ کرنا یعنی ڈرنا ، نامردوں کا کام ہے۔ جہاں دل میں ایمان ہے اور ظاہر میں اطاعت ہے تو ایسوں کا ایمان بھی مقبول ، اسلام بھی مقبول۔ یہ سچے مسلمان ہیں۔ اصلی مومن ہیں۔ اور جہاں بہ ظاہر اسلام ہے ، فرمانبرداری ہے مگر دل میں ایمان کا پتہ نہیں ، یہ منافق ہیں۔ ان لوگوں کا ایمان اور اسلام دونوں اللہ کے پاس نامقبول ہیں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ ظاہر میں اسلامی احکام ہی اس پر جاری ہوں گے۔ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ اس کے دل میں ایمان نہیں۔ کیونکہ دلوں کا حال جاننے والا خدا ہے۔

- یقین کے تین درجات ہیں۔ (1) علم الیقین (2) عین الیقین (3) حق الیقین ۔ ایک شخص نے آگ کو دیکھا اور سمجھ گیا کہ یہ جلانے والی چیز ہے ، یہ علم الیقین ہے۔ پھر اس نے کسی شئے کو جلتے دیکھا ، یہ اس کا عین الیقین ہے۔ پھراس نے آگ کو ہاتھ لگایا ، اس کا ہاتھ جلنے لگا ، یہ حق الیقین ہے۔اگر آگ میں ہاتھ ڈال کر خود اس کا ہاتھ آگ کی طرح مشتعل ہوگیا ہو ، تو یہ حق الحق ہے۔

- بعض علماء میں اختلاف ہے کہ آیا ایمان زیادہ اورکم بھی ہوتا ہے۔۔۔؟ گھٹتا بڑھتا بھی ہے۔۔۔؟ دیکھو! جن لوگوں کی نظر،نفسِ عقیدت پر ہے ان کے پاس ایمان نا قابلِ زیادت ہے۔ کیوں کہ اسلام اور کفر میں کوئی واسطہ نہیں ، کوئی درمیانی حالت نہیں۔ معتزلیون کے پاس گنہ گار نہ مومن ہے ، نہ کافر۔ بلکہ فاسق ہے۔ جب کہ اہلِ سنت کے پاس گنہ گار مومن ہے ، وہ مسلمان ہے ، با ایمان ہے۔ گناہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ البتہ خوارج کے مذہب میں گناہ کرنے سے آدمی کافر ہوجاتاہے۔ اور جن لوگوں کی نظر آثار پر ہے اور اعمال کی کمی یا زیادتی ان کے پیشِ نظر ہے ، ان کے پاس ایمان قابلِ زیادت و نقصان ہے۔ بعض دفعہ ان اعمال کو جو ایمان کی علامت ہیں ، ایمان کہہ دیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے کمی و زیادتی قابلِ اعتراض ہے۔ بہر حال اہلِ سنت کے پاس گناہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے کہ وہ گناہ کرنے والے کو چاہے تو عذاب کرے ، یا چاہے بخش دے۔

- مسلمان کا ایمان بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا یعنی apprehensions اور expectations کے درمیان رہتا ہے۔ جہاں اِتَّقُوا النَّارَ یعنی (جہنم کی) آگ سے ڈرو ہے ، اس کے ساتھ ہی وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی خوش خبری ہے ایمانداروں کے لیے ، بھی ہے۔ یہ بشارت اور نذارت ، صادق مصدوق محمد ﷺ کی ہے۔ آپؐ کا ہر کلمہ سچائی ، ہرایک بات واقعہ کے مطابق ہے۔ دوسرے مصلحین کی طرح اخلاقی تعلیم کے لیے خواہ مخواہ ایک کہانی نہیں بنائی گئی۔ جس نے دنیاوی کام میں جھوٹ نہیں کہا وہ آخرت کی باتوں میں جھوٹ کیوں کر کہہ سکتا ہے؟ منکرسے منکر بھی آپؐ کو ''محمدِامین'' کہتا تھا۔ بڑا افسوس ہوگا اگر مسلمان آپؐ کو نبیِّ امین نہ سمجھے۔ ان کی ہدایتوں پر اعتماد نہ کرے۔ یہ خوش خبری کس کو دی جارہی ہے؟ ان کو جو ایمان رکھتے ہیں ، اورعملِ صالح بھی کرتے ہیں۔ ایمان کی قوت پرعملِ صالح مرتب ہوتا ہے۔ جن کے دلوں میں قوی ایمان ہے وہ ضرور عملِ صالح کریں گے۔ جن کو یقین ہی نہیں وہ کیا عملِ صالح کر سکتے ہیں !۔۔۔

36 - اسماء الحسنٰی

☆ وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ط

اور اللہ کے تمام نام اچھے ہیں پس ان کو لے کر (اللہ کو) پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑو جو اُس کے ناموں میں الحاد کرتے ہیں (بے موقع استعمال کرتے ہیں)۔ وہ اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔ (سورۃ الاعراف آیت 180)

☆ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ط

اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے اچھے اچھے نام ہیں۔ (سورۃ طٰہٰ آیت 8)

- یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ صفت یعنی attribute غیر مستقل بات ہوتی ہے۔ جیسے رحمت ، رحمانیت رحیمیت ۔ اور اس سے جو موصوف (related) ہوتا ہے ، وہ اس کی ذات کہلاتی ہے۔ گویا ذات ، مرجعِ صفت یا source of attribute کو کہتے ہیں۔ اور ذات اور صفت دونوں کا مجموعہ ، اسم یعنی نام کہلاتا ہے۔ یوں رحم ، صفت ہے۔ رحمان اور رحیم ، اسمِ الٰہی ہیں۔ اور ان کا موصوف یعنی 'اللہ' ان کی ذات ہے۔ حسنٰی ، احسن کا مونث ہے اور اس کے معنی ہیں بہتر۔ ایک اور بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہر فعل یعنی verb سے اسم فاعل (nominative) بنا کر اللہ تعالیٰ کی صفت کے طور پر استعمال نہیں کر سکتے۔ اس لیے علماء کہتے ہیں کہ اسماءِ الٰہی " توفیقی " ہیں۔ یعنی قرآن اور حدیث میں اللہ کے جتنے نام آئے ہیں ہم ان ہی کو اللہ کی صفت کہہ سکتے ہیں۔ اسی واسطے فرمایا کہ اس کے سب نام بہترین ہیں۔ اس کے سب نام اسماء الحسنٰی ہیں۔ اللہ کے لیے کوئی بھی ایسا نام استعمال نہیں کر سکتے جو اس کی شانِ عظمت کے خلاف ہے۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ اللہ کے ننانوے (99) نام ہی اسماء الحسنٰی ہیں۔ بے شک یہ ننانوے نام تو اسماء الحسنٰی ہیں ہی مگر یہ سمجھنا کہ دوسرے اسماء الحسنٰی نہیں ہیں ، غلط ہے۔ قرآن اور حدیث میں اللہ تعالیٰ کے جتنے نام بھی وارد ہوئے ہین وہ سب اسماء الحسنٰی ہی ہیں۔ مثال کے طور پر" قدیر"۔ یہ نام اِن ننانوے (99) ناموں میں شامل نہیں ہے۔ لیکن قرآن میں کتنی جگہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔۔۔!

- عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے لیے ہم" خدا " کا لفظ استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں ---؟ جی ہاں! استعمال کرسکتے ہیں کیوں کہ وہ اللہ ہی کا ترجمہ ہے۔

- یہ بات یاد رکھو کہ جس اسم کو بار بار پڑھیں گے اور تمھاری توجہ اس نام کی طرف ہوگی ، اس اسم کے آثار خود تم میں پیدا ہوں گے۔ اسماءِ الٰہی سے جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں ان کو آثار کہتے ہیں۔ جیسے خدا کی ذات ، خدا کی صفت ، خدا کا اثر یعنی بندہ اور اس کے لوازم۔

- یہ بھی یاد رکھو کہ کام کے مناسب نام کی تکرار سے مقصد حاصل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص بھوکا ہے ، تو وہ یَا رَزَّاقُ پڑھے۔ اگر بیمار ہے ، تو یَا شَافِیُ پڑھے۔ یا اگر اسے اولاد نہیں ہوتی تو یَا خَلَّاقُ ، یا فَعَّالُ اور یا مُصَوِّرُ پڑھے۔

❋ حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 9 صفحہ 69 ، 70 اور پارہ 16 صفحہ 71 ، 72 ❋

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا " اللہ تعالیٰ کے اسماءُ الحسنیٰ جن کے ساتھ دعا مانگنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ، ننانوے (99) نام ہیں۔ جو شخص ان کا احاطہ کرے گا (یعنی یاد کرلے گا اور پڑھتا رہے گا) وہ جنت میں داخل ہوگا "۔ وہ نام یہ ہیں۔

اَللّٰہُ ، اَلرَّحْمٰنُ ، اَلرَّحِیْمُ ، اَلْمَلِکُ ، اَلْقُدُّوْسُ ، اَلسَّلَامُ ، اَلْمُؤْمِنُ ، اَلْمُھَیْمِنُ ، اَلْعَزِیْزُ ، اَلْجَبَّارُ اَلْمُتَکَبِّرُ ، اَلْخَالِقُ ، اَلْبَارِئُ ، اَلْمُصَوِّرُ ، اَلْغَفَّارُ ، اَلْقَھَّارُ ، اَلْوَھَّابُ ، اَلرَّزَّاقُ ، اَلْفَتَّاحُ ، اَلْعَلِیْمُ اَلْقَابِضُ ، اَلْبَاسِطُ ، اَلْخَافِضُ ، اَلرَّافِعُ ، اَلْمُعِزُّ ، اَلْمُذِلُّ ، اَلسَّمِیْعُ ، اَلْبَصِیْرُ ، اَلْحَکَمُ ، اَلْعَدْلُ اَللَّطِیْفُ ، اَلْخَبِیْرُ ، اَلْحَلِیْمُ ، اَلْعَظِیْمُ ، اَلْغَفُوْرُ ، اَلشَّکُوْرُ ، اَلْعَلِیُّ ، اَلْکَبِیْرُ ، اَلْحَفِیْظُ ، اَلْمُقِیْتُ اَلْحَسِیْبُ ، اَلْجَلِیْلُ ، اَلْکَرِیْمُ ، اَلرَّقِیْبُ ، اَلْمُجِیْبُ ، اَلْوَاسِعُ ، اَلْحَکِیْمُ ، اَلْوَدُوْدُ ، اَلْمَجِیْدُ ، اَلْبَاعِثُ اَلشَّھِیْدُ ، اَلْحَقُّ ، اَلْوَکِیْلُ ، اَلْقَوِیُّ ، اَلْمَتِیْنُ ، اَلْوَلِیُّ ، اَلْحَمِیْدُ ، اَلْمُحْصِیُ ، اَلْمُبْدِئُ ، اَلْمُعِیْدُ اَلْمُحْیِیُ ، اَلْمُمِیْتُ ، اَلْحَیُّ ، اَلْقَیُّوْمُ ، اَلْوَاجِدُ ، اَلْمَاجِدُ ، اَلْوَاحِدُ الْاَحَدُ ، اَلصَّمَدُ ، اَلْقَادِرُ ، اَلْمُقْتَدِرُ اَلْمُقَدِّمُ ، اَلْمُؤَخِّرُ ، اَلْاَوَّلُ ، اَلْاٰخِرُ ، اَلظَّاھِرُ ، اَلْبَاطِنُ ، اَلْوَالِیُ ، اَلْمُتَعَالِیُ ، اَلْبَرُّ ، اَلتَّوَّابُ ، اَلْمُنْتَقِمُ اَلْعَفُوُّ ، اَلرَّءُوْفُ ، مَالِکُ الْمُلْکِ ، ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ، اَلْمُقْسِطُ ، اَلْجَامِعُ ، اَلْغَنِیُّ ، اَلْمُغْنِیُ ، اَلْمَانِعُ اَلضَّارُّ ، اَلنَّافِعُ ، اَلنُّوْرُ ، اَلْھَادِیُ ، اَلْبَدِیْعُ ، اَلْبَاقِیُ ، اَلْوَارِثُ ، اَلرَّشِیْدُ ، اَلصَّبُوْرُ۔

❋ حوالہ حصن حصین بہ ترتیب جدید ، تاج کمپنی ، صفحہ 44 تا 58 ❋

37 - ذکر

☆ فَاذْكُرُوْنِيٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ط

پس تم میری یاد میں رہو، میں تمھارا ہمیشہ خیال رکھوں گا اور میرے انعامات کا شکریہ ادا کرو اور ان کی ناقدری نہ کرو۔ (سورۃ البقرہ آیت 152)

☆ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ط

(عقلِ سلیم والے کیا کرتے ہیں؟) وہ لوگ اٹھتے بیٹھتے اور آرام سے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران آیت 191 کا حصہ)

☆ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ ---------------- وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ط

اور تم اپنے اللہ کا ذکر کرو (اس کی یاد میں مشغول رہو) دل ہی دل میں، تضرع و زاری اور خوف کے ساتھ، اور نہ بہت بلند آواز سے، صبح کو دن نکلے اور دن ڈھلے، اور غافلوں میں سے نہ رہو۔ (سورۃ الاعراف آیت 205)

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ط

اے ایمان والو تم اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ (سورۃ الاحزاب آیت 41)

- دیکھو! ذکر، نسیان اور غفلت کے مقابل ہے۔ جب کہ یاد، بھول کے مقابل ہے۔ ذکر اور یاد کے لیے الفاظ کی ادائیگی ضروری نہیں۔ مثلاً، میرا ایک دوست ہے۔ میں اس سے غافل نہیں، گویا وہ مجھے یاد ہے۔ اب اس کا نام بے وجہ لے کر پکارنے کی مجھے کیا ضرورت؟ بلکہ یہ تو ایک قسم کی بدتمیزی ہے۔

بہ مُلّے کہ منم ذکرِ یار، بے ادبی است

- شریعت کیا ہے؟--- احکامِ الٰہی۔ طریقت کیا ہے؟--- راہِ خدا پر چلنا۔ اور حقیقت کیا ہے؟--- اللہ کی ذات و صفات کو سمجھنا، اور یہی معرفت ہے۔ اور رات دن اس کی دُھن میں رہنا، یہ محویت ہے۔

اس کے مقابل ، صحو یعنی بے ابر کا کھلا موسم ہے۔ رات دن انس کی یاد ہے ، یاد میں دل شاد ہے۔ دیکھو! نادان اپنی عمر برباد کرتے ہیں۔ نہ ذکر نہ فکر۔ جو ہوشیار ہوتے ہیں وہ ہر طرح خبردار ہوتے ہیں۔

- قرآن شریف میں ہے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ (سورۃ محمد آیت 19)۔ للہذا لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه کا ذکر مشائخوں کا ایجاد کیا ہوانہیں ہے۔ بلکہ حکمِ خدا ہے ، اور پیغمبر کے توسط سے حاصل ہوا ہے۔ قرآن شریف میں یہ بھی ہے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ یعنی تم اللہ بولو اوران غافلوں کو واہی تباہی بحواس میں مشغول رہنے دو (سورۃ الانعام آیت 91)۔ ایک دوسری جگہ ہے وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ ، اور اللہ کی یاد سب سے بڑی چیز ہے (سورۃ العنکبوت آیت 45)۔ یہ سن کر بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ذکر ، مشائخوں کی ایجاد کی ہوئی چیز ہے۔۔۔؟

☆ ذکر کے مختلف اقسام ہیں۔

(1) ذکرِ جہری (2) ذکرِ خفی (3) ذکرِ لسانی (4) ذکرِ قلبی (5) ذکرِ حبسِ دم
(6) ذکر بغیر حبسِ دم (7) ذکرِ دائمی یعنی مستقل حضوری

- باآوازِ بلند ذکر کرنا ، ذکرِ جہری ہے۔ اس سے جسم میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اور سستی دور ہوتی ہے۔ ذکرِ جہری کرنے سے خطرات دفع ہوتے ہیں۔ جذبات اُبھرتے ہیں۔ عشق و محبت میں زور پیدا ہوتا ہے۔ بے قراری اور تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ ذکرِ جہری والوں پر فنائیت آتی ہے۔ ایسے ، جیسے کسی کو بچھونے کاٹ لیا ہو یا آگ میں جل رہا ہو۔ چیختا ہے ، چلاتا ہے۔ اور تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے۔

- بغیر آواز کے آہستہ آہستہ ذکر کرنا ، ذکرِ خفی یا ذکرِ سری ہے۔ اس سے اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے۔ فنائیت و محویت آتی ہے ، اس طرح جیسے کسی کو سانپ نے کاٹ لیا ہو یا پانی میں ڈوب مرا ہو۔ غریب نے جان دے دی ، نہ چیخ نہ پکار۔ نہ ہائے نہ وائے۔ بے چارے نے سانس تک نہ لی اور ختم شد۔

- ذکرِ خفی اکثر نقشبندی لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور ذکرِ جہری عموماً چشتیہ حضرات کرتے ہیں۔ قادریہ طریقہ میں پہلے ذکرِ جہری سے جوش و خروش پیدا کیا جاتا ہے۔اور پھر ذکرِ خفی سے محویت اورسکون کی تعلیم دی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے عددِ کثیر کو مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ یعنی ایک لاکھ یا اس سے زیادہ (سورۃ الصٰفٰت آیت147)

سے بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم لاکھ (100,000) یا سوا لاکھ (125,000) بار پڑھیں تو اس کو " زکواۃ دینا " کہتے ہیں۔ طریقۂ قادریہ میں بعض اسماءِ الٰہیہ کی زکواۃ دلواتے ہیں۔ ہر اسمِ الٰہی کے ساتھ ایک توجہ شریف رہتی ہے۔ یہ مختصر سی دعائیں ہیں جو ہر 100 یا 500 کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ یہ دعائیں توجہات شریف، کشکول شریف اور فیوضات قادری میں ملتے ہیں۔

- دیکھو! شروع شروع میں بچے سائیکل چلانا سیکھتے ہیں تو ہمہ تن سائیکل پر ہی متوجہ رہتے ہیں۔ اور اس کے balance کا ہر دَم خیال رکھتے ہیں۔ جب توازن قائم ہوجاتا ہے اور سائیکل چلانے کا حضور دائمی ہوجاتا ہے یعنی ایک permanent attention قائم ہوجاتا ہے، تو پھر بات بھی کرتے ہیں ادھر ادھر مڑکر بھی دیکھتے ہیں۔ کیا ایسے میں balance کا خیال نہیں رہتا ہے۔۔۔؟ نہیں! ضرور رہتا ہے۔ مگر تحت الشعور میں چلا جاتا ہے۔ دیکھو! جب علمِ ذات ہوگیا تو اب غفلت کہاں اور جہل کدھر؟ سبحان اللہ! جس شخص کو دوامِ حضور ہے، وہ سراپا سرور ہے۔

- عام طور سے درمیانی آواز سے ذکر کرنا چاہیے۔ اگر علیٰحدہ جگہ ہو تو بلند آواز سے بھی ذکر کرسکتے ہیں۔ یہ بات یاد رکھو کہ شروع شروع میں ذکرِ جہر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب دل چلنے لگے اور منھ سے باقاعدہ لفظ نکالے بغیر دل یادِ خدا کرنے لگے تو ذکرِ خفی کریں۔ جب ذکر دائمی ہوجائے تو دل و زبان دونوں سے کام لے سکتے ہیں مگر اوسط آواز میں۔ بہر حال اس میں نہ غفلت جائز ہے اور نہ ہی لوگوں کے کاموں میں خلل ڈالنا مناسب۔

- ذکر کے وقت کپڑے صاف ہوں۔ ہوسکے تو خوشبو بھی مَل لو۔ عُود وغیرہ جلاؤ۔ قبلہ رخ بیٹھو۔ دو زانو بیٹھو، جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں۔ یا چار زانو بیٹھو۔ بائیں ران میں گھٹنے کے نیچے کیماس کی رگ ہے اس کو انگوٹھے سے دباؤ۔ آنکھیں بند کرلو۔ اگر خطرات آتے ہیں تو کلمہ طیبہ پڑھو۔ یعنی لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کی ضرب دو۔ عموماً ضرب دل پر دی جاتی ہے۔ بعض لوگ دیگر اور لطائف پر بھی ضرب دیتے ہیں۔ ذکر کے وقت دونوں ہاتھ رانوں پر رکھو۔ اگر خطرات کم آتے ہوں یا بند ہو گئے ہوں تو اللّٰہُ پڑھو۔ اللّٰہُ کے ھُو کو دراز کرو تو اس سے صوتِ سرمدی پیدا ہوتا ہے۔

- کلمہ طیبہ سے خطرات اور اوہام دور ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے علاوہ ہر شئے کی نفی ہوتی ہے۔ اسمِ جلالہ یعنی اللہ ، اللہ سے استغراق پیدا ہوتا ہے۔ ھُو اور اللہ سے بالخصوص محویت و بے خودی آتی ہے۔

- بہر حال ذکر ، جہری بھی ہوتا ہے اور سری بھی۔ یعنی آواز سے بھی ہوتا ہے اور بے آواز بھی۔ زبان سے بھی ادا ہوتا ہے اور دل میں بھی رہتا ہے۔ دوامِ ذکر اور ہمیشہ یاد میں رہنا بہترین عبادت ہے۔ مقصود تک پہنچنے کے لیے کوشش کی جاتی ہے۔ محبوب کے ظاہر ہوجانے کے بعد فکر باقی نہیں رہتی۔ ذکر باقی رہتا ہے۔ حضورِ محبوب کے وقت کمالِ ذکر رہتا ہے۔ سب سے بہتر ذکر وہ ہے کہ محبوب یاد رہے ماسوا برباد رہے۔ کیا ضرورت ہے کہ اللہ کی یاد کے وقت یہ بھی یاد رہے کہ میں اللہ کی یاد کر رہا ہوں۔ بس اللہ یاد رہے۔ مجھے نہ ذکر کا خیال رہے نہ ذاکر کا۔ جس قدر زیادہ خیالات ہوں گے تکلیف ہی رہے گی۔ یاد رکھو! وحدت ہی میں راحت ہے۔ اسی پر خدا کی رحمت ہے۔ اور یہی مقصدِ محبت ہے۔

- سورۃ الرّعد کی آیت 28 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلاَ بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ جب تک آدمی دنیا کی جھنجھٹ میں پھنسا رہتا ہے کبھی دل کو اطمینان نہیں ہوتا۔ یادِ الٰہی تمام فکروں سے سبکدوش کر دیتی ہے۔ ہزار ہا مقاصد ہوں گے تو ظاہر ہے کہ دل پارہ پارہ ہوگا۔ اطمینان تو کوسوں دور رہے گا۔

اے خیالِ روئے جاناں ، میری جان تجھ پہ قرباں
کیا بے نیاز تو نے ، مجھے فکرِ دو جہاں سے

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے تمام کام چھوڑ کر رہبانیت اختیار کرلو اور مفت کی روٹیاں کھاتے رہو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کو بھول نہ جاؤ۔ عام طور سے خدا کی طرف خیال رکھو۔ جو کام کرو اللہ کا مقرر کردہ فرض سمجھ کر کرو۔ خالی وقت میں اس کی طرف بھی دھیان لگاؤ۔ چند روزہ زندگی کے لیے ہمہ تن مصروفی ، رات دن انہماک ---! دیکھو خدا اور آخرت کے خیال کو تضیع اوقات نہ سمجھو۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 11 ، 12 پارہ 4 صفحہ 96 تا 98 پارہ 9 صفحہ 86 ، 87

پارہ 13 صفحہ 70 ، 71 پارہ 15 صفحہ 74 ، 75 پارہ 22 صفحہ 11 ، 12 اور کتابچہ نظام العمل فقراء مولفہ حسرتؒ صفحہ 40 تا 53 ٭

38 - میلادِ رسول ﷺ

☆ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۔ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ط

(اے پیغمبر تم لوگوں سے) کہہ دو، اللہ کے فضل و رحمت کی وجہ سے، پس اسی سبب سے ان کو خوشیاں منانا چاہیے۔ (اس تمام دھن دولت سے) جس کو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔ (سورۃ یونس آیت 58)

☆ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلاً كَبِيْرًا ط

اور (پیغمبر) تم ایمانداروں کو بشارت (اور خوشخبری) دو کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہوا ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت 47)

- ذرا غور کرو! اللہ کا فضل و کرم اور اس کی نعمتیں ہم پر ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں مگر ذرا یہ تو بتاؤ کہ سب سے بڑا فضل کیا ہے۔۔۔؟ ہمارے پاس تو اللہ کا سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ اس نے محمد ﷺ کو پیدا کیا، ان کو پیغمبر بنایا، اور ہماری ہدایت کے لیے بھیجا۔ اگر وہ نہ آتے تو دنیا کی ظلمت کس طرح جاتی؟ ایمان کہاں سے آتا؟ اسی واسطے ہم آپؐ کی آمد پر میلاد النبی کی خوشی مناتے ہیں۔ اور اللہ کے فضل و کرم پر جلسے کرکے خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ دیکھو قرآن کہتا ہے بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا اس میں فَلْيَفْرَحُوْا، امر کا صیغہ ہے۔ امر، وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارا خوشیاں منانا اگر واجب نہیں تو مستحب ضرور ہے۔ ہر قوم اور ہر ملت میں اپنے بزرگوں کی یاد منائی جاتی ہے تاکہ ان واقعات کو بار بار دہرائیں اور اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلیں۔

- آج کل بداعتقادی کی وبا پھیل رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت روز بہ روز کم ہو رہی ہے۔ جو حضور ﷺ کی ولادت و پیغمبری کی خوشی نہیں مناتے ان کو اپنی بدنصیبی پر رونا چاہیے۔ دنیا میں عام

لوگ اپنے بزرگوں کی یاد مناتے ہیں۔ اس سے بزرگوں کے حالات پر توجہ کی جاسکتی ہے۔ ان کی تقلید کی جاسکتی ہے۔مگر بعض نادان کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی میلادِ مبارک کی خوشیاں نہ منائی جائیں۔ وہ ان جلسوں کو رام لیلا کے مشابہ سمجھتے ہیں۔ دیکھو! کسی کو بچہ ہوتا ہے تو اس کی سالگرہ کی جاتی ہے اور خوشی منائی جاتی ہے۔ بادشاہوں کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ ملکوں کی آزادی کے دن منائے جاتے ہیں۔ اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے اور پیغمبر نہ ہوتے تو تم کو نورِ ہدایت ملتا کہاں سے؟ اور ابدی دوزخ میں جلنے سے کیوں کر نجات ملتی؟ آپ ؐ کی پیدائش سے بڑھ کر ہم پر کیا احسان ہوگا؟ آپؐ نہ ہوتے تو ہم مسلمان کیسے ہوتے اور ” خَيْرَ اُمَّةٍ “ میں کیسے داخل ہوتے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ یعنی تم پر اللہ نے جو انعام و اکرام کیا ہے اس کو بیان کرو (سورۃ الضحیٰ آیت 11)۔ بتاؤ حبیبِ خدا ﷺ کے پیدا ہونے سے زیادہ بڑی ہم پر کونسی نعمت ہے۔۔۔؟ ہمارے پاس تو حضورؐ کے میلاد کی خوشی کرنا حضورؐ سے محبت رکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ وہ شخص ہرگز مسلمان نہ ہوگا جو سب سے زیادہ رسولِ خدا سے محبت نہ کرے گا۔ جس کے حصہ میں رونا ہے وہی حضورؐ کی میلاد نہ منائے گا۔

- کیا میلادِ مبارک کا ذکر کرنا بدعت ہے؟۔۔۔ اگر بدعت ہے تو قرآن میں آدمؑ کی پیدائش کا بیان بدعت ہی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ موسیٰؑ کے میلاد کو بھی بیان فرماتا ہے۔ یوں قرآن بدعت سے بھرا ہوا ہے۔ توبہ کرو توبہ! رسول اللہ ﷺ کی عداوت نہ تم کو دین کا رکھے گی نہ دنیا کا۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ۔ یاد رکھو! صرف لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کہنے سے آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی کہنے سے ہوتا ہے۔ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی جان مال اور قرابت میں ، سب سے زیادہ سرکارؐ سے محبت نہ کرے۔ افسوس ہے ، آج کل مدعیانِ توحید اس دُھن میں لگے ہوئے ہیں کہ جس طرح ہوسکے پیغمبر کی تعظیم میں کمی کریں۔ یاد رکھو ، تمھارے دل میں پیغمبر کی محبت کم ہوئی اور تمھارا ایمان ضعیف ہوگیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

- عاشورہ میں یہودی روزے رکھتے تھے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ تم اس دن کیوں روزے رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا۔ اس دن موسیٰؑ کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا ” نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰى مِنْكُمْ “ ہم موسیٰ کے متعلق تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ اور پھر خود بھی روزہ رکھا۔ دیکھو! موسیٰ علیہ السلام کی نجات کی خوشی ہمارے رسول اللہ ﷺ منائیں۔ اور یہ کیا تاریک دلی ہے کہ ہم حضورؐ کی پیدائش کی خوشی نہ منائیں۔۔۔!

- حدیث شریف میں ہے کہ " اَلاَ بِذِکْرِ الصَّالِحِیْنَ تَنْزِلُ الْبَرَکَۃُ " ہاں! اچھے کے ذکر سے برکت نازل ہوتی ہے۔ تو سیدالانبیاء محمد مصطفی ﷺ کے ذکر سے یقیناً بہ طریقہ اَولیٰ برکت نازل ہوگی۔

- امام المحدثین علامہ ابوالخطاب عمرو ابن وحیہؒ کلبی نے اپنی کتاب 'التنویر فی مولدالبشیر النذیر' میں اور خاتم المحدثین امام جلال الدین سیوطی نے ' سبل الھدیٰ فی مولدالمصطفیٰ ' میں اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں ، میں حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ایک دن ابو عامرانصاریؓ کے مکان پر گیا۔ ابو عامرؓ اپنے قرابت داروں اور بچوں کو جمع کرکے حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت کے حالات سنا رہے تھے اور فرماتے تھے کہ "وہ آج ہی کا دن تھا ، وہ آج ہی کا دن تھا"۔ حضور سرورِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ " ابا عامر! اللہ نے تمھارے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور فرشتے تمھاری مغفرت چاہتے ہیں۔ جس نے تمھارے اس فعل کو کیا ، اس نے تم جیسی نجات حاصل کرلی"۔

- امام المحدثین فقیہ الشافعی علامہ احاد بن حجرالمکی نے مولد الکبیر میں اور علامہ ابوالقاسم محمد ابن عثمان سے الدر المنظم اور سیوطی نے سبل الھدیٰ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے گھر میں لوگوں کو جمع کرکے ولادتِ با سعادت بیان کر رہا تھا۔ لوگ مسرور ہو رہے تھے اور حمد باری اور درود شریف پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں خود سرورِ دوعالم ﷺ تشریف فرما ہوئے اور فرمایا " حَلَّتْ لَکُمْ شَفَاعَتِیْ " یعنی میری شفاعت تم پر حلال ہوگئی۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 11 صفحہ 7 ، 84 ، 85 پارہ 16 صفحہ 82 تا 84 اور پارہ 22 صفحہ 16 ﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

جہاں میں غُل ہوا ، محبوبِ رب العالمیں آیا
شہنشاہِ دو عالم ، صاحبِ تاج و نگیں آیا

ہوئی کافور ظلمت ، بُت پرستی و ضلالت کی
ضیا پاش و ضیاگستر ، حبیب و مہ جبیں آیا

گنہ گارو خطاکارو ، پریشانی ہوئی زائل
تمھارے بخشوانے کو ، شفیع المذنبیں آیا

نہ تھا معلوم کوزہ میں ، سمندر بھی سماتا ہے
محمد مصطفٰے کو دیکھ کر ، سب کو یقیں آیا

دمِ آخر نبیؐ کو دیکھ کر ، حسرت یہ چلاؤں
مرا ماوٰی مرا ملجا ، مرے دل کا مکیں آیا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَزِدْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ

﴿ از مولانا محمد عبد القدیر صدیقی حسرتؒ ۔ حوالہ کلیات حسرت ، صفحہ 12 ، 13 ﴾

39 - اہلِ بیت

☆ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ط

❁ اور اپنے گھروں میں بیٹھو اور جاہلیت کے طریقے کے مطابق بن سنور کے نہ پھرو اور (پابندی اور درستی سے) نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ (اس گھر کے لوگوں سے ، یعنی) اہلِ بیت سے پلیدی کو دور کرے (گناہوں سے محفوظ رکھے) اور خوب پاک صاف کر دے۔

(سورۃ الاحزاب آیت 33)

- یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے لیے اتری۔ یہ اہلِ بیت کے لیے ہے۔ اہلِ بیت کون ہیں؟۔۔۔قرآن شریف میں کئی جگہ لفظ اہلِ بیت کا ذکر ہے۔ اس سے پیغمبر کی ازواجِ مطہرات مراد ہیں۔ یُطَهِّرَكُمْ کی ضمیر تو جمع مذکر کی ہے۔عرب کے محاورے میں اہل کی طرف ہمیشہ مذکر کی ضمیر پھرتی ہے۔ یہ بات بھی واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے جس قدر ربط زیادہ ہوگا ، تعلق قوی ہوگا اسی قدر اہلِ بیت کا لفظ اس پر صادق آئے گا۔ سب سے زیادہ تعلق بی بی کو اپنے شوہر سے ہوتا ہے۔ بیوی کی اولاد ، خاوند کی سمجھی جاتی ہے۔ ازواجِ مطہرات کے علاوہ پیغمبر ﷺ کے دوسرے رشتہ دار بھی حضورؐ کے گھرانے والے ہیں۔ ان سب میں آپؐ کے قریبی رشتہ دار ، حضرت علیؓ ، حضرۃ فاطمہؓ ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ ہیں۔ ان کے بعد ، بنی ہاشم کا درجہ ہے۔ چونکہ حضرت علیؓ کا گھر رسول اللہ ﷺ کے گھر سے جدا تھا اس واسطے رسول اللہ ﷺ نے ان چاروں حضرات کو اپنی عبا میں لے کر فرمایا " خدایا یہ میرے گھر والے ہیں"۔ اس پر حضرۃ ام سلمہؓ نے آپؐ کی عبائے مبارک میں داخل ہونا چاہا تو آپؐ نے فرمایا " اَنْتِ عَلَى الْخَيْرِ ، اَنْتِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ " تم تو اس خیر میں شریک

ہو ہی ، تم تو پیغمبر کی ازواج میں سے ہو۔ جو لوگ ایسا نہیں سمجھتے وہ قرآن کی آیتوں کو بے ربط اور الفاظ سے دور کر دیتے ہیں۔ یہ بھی خوب یاد رکھو کہ "آلِ فرعون" سے مراد فرعون کے تمام متبعین یعنی followers ہیں۔ اسی طرح سے "آلِ محمد ﷺ" سے مراد ، ہم سب مسلمان ہیں۔ جو اس کے خلاف خیال کرتے ہیں گویا ان کے دل میں نسبتِ محمدیؐ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

- رسول اللہ ﷺ کی شادی جب حضرۃ خدیجۃ الکبریٰ سے ہوئی تو اس وقت آپؐ کی عمر شریف 25 سال اور حضرۃ خدیجۃ الکبریٰ کی 40 سال کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام جوانی کی عمر بی بی خدیجہؓ کے ساتھ گزاری۔ جب حضرۃ خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال ہوا تو اس وقت حضورؐ کی عمر شریف 40 سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اُس زمانے میں عام طور سے لوگ اپنے قبیلے کے علاوہ دوسرے قبیلے کے لوگوں کو ذلیل سمجھتے تھے۔ خصوصاً قریشی قبیلہ تو اپنے آپ کو بہت ہی محترم سمجھتا تھا۔ حضورؐ نے اسی وجہ سے اپنے اس آخر زمانے میں مختلف قبائل میں شادیاں کیں تاکہ حضورؐ کی قرابت کی وجہ سے لوگ اس قبیلے کو حقیر نہ سمجھ سکیں۔ حضرۃ بی بی عائشہؓ کے سوا تمام بیبیاں ، بیوہ تھیں۔ یوں آپؐ کی 9 ازواجِ مطہرات تھیں لیکن ان تمام میں کئی قسم کے مصالح (things conducive to good) تھے۔ یاد رکھو! پیغمبروں پر اعتراض کرنا خودکشی کے مماثل ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 22 صفحہ 2 ، 3 ، 4 ، 21 اور 22 ﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اجتماعی حالت میں ہیں اور کافروں میں پھوٹ ہے۔ کافر بے عقل ہیں اور مسلمان صاحبِ عقل (دیکھو سورۃ الحشر آیت 14)۔ مگر افسوس! اب مسلمانوں میں پھوٹ ہے اور کافروں میں اتحاد و اتفاق۔ مسلمانوں کے جتنے کام ہیں بے عقلی کے اور کافروں کے جتنے کام ہیں سوچ سمجھ کر۔ بے شک مسلمان اعتقادی مسلمان تو ہیں مگر سوچا جائے تو کافر آج کل عملی مسلمان ہیں۔ اعتقادی مسلمانوں کو آخرت میں ثواب ملے گا اور عملی مسلمانوں کو دنیا میں۔ اگر تم اعتقاداً بھی مسلمان ہو اور عملاً بھی تو تمھاری دین دنیا دونوں اچھے ۔۔۔ اگر دونوں خراب ہیں تو نہ تم اِدھر کے نہ اُدھر کے ۔۔۔!

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 28 صفحہ 26 ﴾

40- اُمورِ تجارت

☆ وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ط

اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کوئی لکھنے والا نہ ملے تو قرض خواہ کے ہاتھ میں کوئی چیز گروی رکھ دو۔ پھر اگر تم میں سے ایک دوسرے کا اعتبار کرے تو امانت دار اس کی امانت کو واپس کردے اور اپنے پروردگار اللہ سے ڈرتا رہے۔

(سورۃ البقرہ آیت 283 کا حصہ)

☆ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ط اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ط

قریش کے باہمی اتحاد و الفت کی وجہ سے۔ اسی الفت سے سردیوں اور گرمیوں کے موسم میں تجارت کرنے پر (خوشحالی کے سبب اس کا شکر ادا کرو)۔ (سورۃ القریش آیت 1 اور 2)

- سورۃ البقرۃ کی آیت 283 کا مذکورہ حصہ بیع سلم ، مضاربت اور استصناع سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ ان امور کی کچھ تفصیل درجہ ذیل ہے۔

☆ بیع سلم

- سرمایہ دار کسان کو پہلے روپیہ دے دے۔ اور کسان موسم پر ، کھیت کی کٹائی کے بعد مال ادا کرے تو یہ بیع سلم ہے۔ چونکہ اس میں روپیہ جو کہ موجود ہے ، in hand ہے کے مقابل مال جو کہ معدوم ہے non-existent ہے ، کی تجارت ہے اس لیے اس معاملہ میں اختلافات اور جھگڑے متوقع ہیں۔ چناں چہ دیگر شرائط کے علاوہ اس میں لکھائی پڑھائی بھی لگا دی گئی ہے۔

☆ مضاربت

- اس تجارت میں رقم ایک کی ہوتی ہے تو محنت ایک کی۔ اکثر کمپنیاں مضاربت ہی کی صورت میں چلتی ہیں۔ جس میں رقم لگانے والے بھی چند ہوتے ہیں اور کام کرنے والے بھی چند۔ کمپنیوں کے share holders کی رقومات کے لحاظ سے ان کے حصے مقرر ہوتے ہیں۔ اسی کے لحاظ سے نفع بھی تقسیم ہوتا ہے۔

- حصے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ (1) ترجیحی : جس میں نفع پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے اور نفع و نقصان میں شرکت نہیں ہوتی۔ (2) سادہ : جس میں نفع و نقصان میں شرکت ہوتی ہے۔ ایسا معاملہ جس میں نفع و نقصان میں شرکت نہیں رہتی ، سود ہے اور اسلام میں ناجائز۔ وہ معاملہ جس میں نفع و نقصان میں شرکت ہو وہ جائز ہے۔ بعض دفعہ معاملہ تو نفع و نقصان کا ہوتا ہے مگر سہولت کے خیال سے یقینی اور کمتر منافع کو حصہ داروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس طرح کے منافع کو دیکھ کر لوگوں کو سود کا دھوکا ہوتا ہے۔ درحقیقت کمپنی کا اصل نفع و نقصان اس کمپنی کے ٹوٹنے پر ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ چونکہ اس طرح کی مضاربت میں اختلافات پیدا ہونے کا خوف ہے لہٰذا اس کے لیے اس کا مکمل حساب کتاب رکھنا یعنی ان کی سالانہ balance sheet تیار کر کے حصے داروں میں تقسیم کرنا بہتر ہے۔

☆ استصناع

- کاریگر کو روپیہ دینا اور اس سے اپنی فرمائش کے مطابق مال تیار کروانا ، استصناع کہلاتا ہے۔ اسلام میں اس طرح کا معاملہ جائز ہے۔ لیکن چونکہ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے کی کیفیت نہیں لہٰذا تمام شرائط طے کر کے پہلے ہی معاہدہ کر لینا چاہیے۔ تاکہ بعد میں کسی اختلاف یا کشمکش کی گنجائش نہ رہے۔

☆ صاحبو! ذرا سورۃ القریش کی ان دو آیتوں پر غور کرو کہ تجارت کی کیسی اہمیت بتائی گئی ہے۔ تجارت سے آدمی مالا مال ہو جاتا ہے۔ دنیا کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ لوگوں سے لین دین کر کے عملی تجربہ حاصل کرتا ہے۔ آرام طلبوں سے تجارت نہیں ہوسکتی۔ ان کا مال تو چلا جاتا ہے مگر ان کے پاس کچھ نہیں آتا۔ برآمد تو ہوتی ہے لیکن درآمد نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ افلاس ہے۔ سمجھو اور یاد رکھو کہ خالی تھیلی پڑی رہتی ہے اور بھری تھیلی کھڑی رہتی ہے۔ زر سے زور ہے۔ مال سے کمال ہے۔ عظمت ہے، جلال ہے۔ خوبی ہے ، جمال ہے۔ دولت ہے تو عزت ہے۔ مفلس ، خوار ہے۔ بے وقار ہے۔ ہندوستان میں تجارت کرنے والے آئے اور ہمارے بادشاہ بن بیٹھے۔ یہ ہمارا خام مال (raw material) اپنے ہاں لے جاتے ہیں اور اس کی شکل تبدیل کر کے کئی گنا قیمت پر ہمارے ہی ہاتھ بیچتے ہیں۔ روئی لے جاتے ہیں اور کپڑا بنا کر ہمیں ہی مہنگے داموں بیچتے ہیں۔ لوہا لے جاتے ہیں اور اسی سے اسلحہ بنا کر لے آتے ہیں جو ہماری تباہی کا سبب ہوجاتے ہیں۔ مسلمانو اٹھو! تم بھی میدانِ تجارت و حرفت میں نکلو۔ کماؤ۔ کمانے میں محنت کرو۔ تم بھی خوشحال ہوجاوگے ، مالا مال ہو جاؤ گے۔ دیکھو! جو پانی ٹھیرتا ہے وہ گندہ ہوجاتا ہے۔ شطرنج کا پیادہ سفر کرتا ہے تو چھٹے خانے پر وہ فرزیں بن جاتا ہے۔ لہٰذا اٹھو اور کچھ کمانے کی کرو۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 3 صفحہ 58 تا 61 اور پارہ 30 صفحہ 179 تا 181﴾

41 - سودی نظام

☆ اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ .... کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ط

❁ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے مگر مثل اس کے جس کو شیطان نے خبطی بنادیا ہو۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ ان (سود خوروں) نے کہا کہ جیسا سودا ہے ویسا سود ہے۔ اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور رِبا (سود) کو حرام۔ پھر جس کے پاس اس کے رب کی نصیحت پہنچ چکی اور پھر وہ باز بھی آ گیا تو اسی کے لیے ہے جو کچھ ہوا۔ اور اس کا کام اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو دوبارہ کرے تو پھر یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ تو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ❁ اللہ رِبا (سود) کو مٹاتا ہے اور خیرات (و مبرات) کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ (سورۃ البقرہ آیت 275 ، 276)

☆ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ .... وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ط

❁ اے مومنو! اللہ کی مخالفت سے بچو اور جو کچھ رِبا وسود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اس کو معاف کر دو اگر تم مومن ہو۔ ❁ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم نے توبہ کر لی تو تمھارے لیے تمھارا اصل مال ہے۔ نہ ظلم کرو نہ ظلم کیے جاؤ۔ ❁ اور اگر کوئی تنگدست ہو تو اس کو کشادہ دستی تک مہلت دینی چاہیے۔ اور معاف کر دینا تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم کچھ علم بھی رکھتے ہو۔ ❁ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن تم اللہ کی طرف واپس کیے جاؤ گے۔ پھر جس نے جو کمایا ہے اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان لوگوں پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ (سورۃ البقرہ آیت 278، 279، 280 اور 281)

- سود کے مسئلہ کی تحقیق ، اصولِ تمدن کے سمجھنے پر منحصر ہے۔ اصولِ تمدن تین ہیں۔

(الف) نظامِ سرمایہ داری　(ب) نظامِ اشتراکیت　(ج) نظامِ تمدنِ اسلام

☆ نظامِ سرمایہ داری (capitalism)

- یہ بات ظاہر ہے کہ دولت اور سرمایہ بغیر محنت اور جانفشانی کے پیدا نہیں ہوتا۔ سرمایہ دار اپنے عیش وعشرت کو کم کرتا یا چھوڑتا ہے ، کم کھاتا اور خراب پہنتا ہے۔ ساتھ ہی دنیا کی دوسری بہت ساری لذتوں سے محروم رہتا ہے۔ تب کہیں جاکر اس کے پاس سرمایہ جمع ہوتا ہے۔ وہ ، اپنی دولت اور مال کام اور محنت کرنے والوں کو بہ طور قرض دیتا ہے۔ کام کرنے والا مزدور اور کاشت کار اس سرمایہ سے نفع اٹھاتا ہے۔ سرمایہ دار اپنے سرمایہ سے ان کے اس فائدہ کے پیشِ نظر اپنی اصل رقم کے علاوہ اور رقم بھی واجب الادا سمجھتا ہے۔ اگر وقتِ معین پر رقم ادا نہیں کی جاتی تو وہ اور بھی مزید رقم ذمہ لگا دیتا ہے۔ اور اس کو وہ اپنے انتظار کا معاوضہ خیال کرتا ہے۔ دراصل یہ سود یعنی interest ہے۔سرمایہ دار کا نظریہ یہ بھی ہوتا ہے کہ تجارت آزاد ہونی چاہیے۔چونکہ بغیر نفع کے کوئی شخص کام نہیں کرتا اور اگر نفع کو روکا جائے تو اس کی تجارت رک جائے گی لہٰذا اگر سال بھر تک اس کو رقم ادا نہیں کی جاتی تو وہ اس زائد رقم کو اصل کے ساتھ جوڑ کر سب کا سود لگاتا ہے۔ اس کا نام سودِ مرکب (compound interest) یعنی سود در سود ہے۔ اگر وقتِ معین پر اصل کا کچھ حصہ ادا کر دیا جاتا ہے تو سود کی کمی کر دی جاتی ہے اس کو "کٹ متی" کہتے ہیں۔ بعض سود خور یہ کمی نہیں کرتے اور جب تک رقم ادا نہ ہو ایک ہی مقدار کا سود لیتے ہیں۔ اس کو "کھڑا سود" کہتے ہیں۔

- سود لینے والوں کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ دوسرا جئے یا بھوکا مرے۔ ان کا دل سخت اور درشت ہوجاتا ہے۔ انسانی ہمدردی ان میں باقی نہیں رہتی۔ اور جب بِلا محنت روپیہ ملنے لگتا ہے تو یہ لوگ کاہل اور آرام طلب ہوجاتے ہیں۔ محنت کی عادت ان سے چھوٹ جاتی ہے ، اور اس کا نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے کیا ہوسکتا ہے؟ اس سود اور سود درسود کی وجہ سے دولت کھنچ کر سرمایہ دار کے پاس چلی جاتی ہے۔ اور مزدور نادار اور مفلس ہو جاتا ہے۔ اس زمانے کی نت نئی ایجادات اور نئی نئی ٹیکنالوجی کے سبب جدید سہولیات میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ آئے دن بڑی بڑی کمپنیاں قائم ہوتی جاتی ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری دولت اور مال چند سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے تمام لوگ بے کار اور بغیر مزدوری کے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح اس سرمایہ داری نظام میں کچھ تو امیر ہو جاتے ہیں ، لیکن باقی تمام مفلس و تباہ ۔۔۔!

☆ اشتراکیت (socialism)

- یہ بات بھی ظاہر ہے کہ محنت سب کرتے ہیں مگر سب کی محنتیں ایک پیمانے پر نہیں ہوتیں۔ کاشت کار اور مزدور سخت محنت کرتے ہیں اور سرمایہ دار کچھ بھی نہیں کرتا یا بہت کم کرتا ہے۔ محنت اور کام بھی ایک دولت ہے۔ سرمایہ داروں اور محنت کشوں کی محنتوں میں مساوات نہیں ہوتی۔ محنت کش کی محنت اور اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے تو اس کے مقابل سرمایہ داروں کی دولت اور اس کی قیمت زیادہ۔ سرمایہ داروں کی تعداد کم ہوتی ہے جب کہ کام کرنے والوں کی تعداد بہت ہی زیادہ۔ کثرت بڑی قوت ہوتی ہے جو محنت کشوں کو حاصل ہے۔ لہٰذا اپنی محرومیوں پر وہ بگڑ جاتے ہیں اور بالآخر نوبت کشت و خون تک پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ حقوق کی حصولیابی کے لیے اسلحہ بھی بیچ میں آجاتا ہے۔

- یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح سرمایہ دار کو جینے کا حق ہے اسی طرح محنت کشوں کو بھی جینے کا حق ہے۔ کوئی شخص ایسا کام نہیں کرسکتا یا اپنی دولت کو اس طرح صَرف نہیں کرسکتا کہ دوسروں کو نقصان پہنچے۔ انصاف کا تقاضہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکے اور حق دار کو اس کا حق دلوائے۔ غریب کو قوی کے ہاتھ سے بچائے۔

- محنت کرنے والے سرمایہ داری سے کچھ ایسے بیزار ہو جاتے ہیں کہ تمام ملکیت حکومت کو منتقل کر دی جاتی ہیں۔ جو چیز ہے مشترک اور سرکار کی! دولت سرکار کی، مال سرکار کا، رعایا سرکار کی، بچے سرکار کے، عورت سرکار کی، غرض جو ہے سرکار کا۔ سب ایک رنگ میں۔ نہ مذہب ہے نہ ملت۔ گویا مساوات کو کوڑھ ہوگیا ہے۔ یوں اگر سرمایہ داری آفت ہے، تو اشتراکیت ایک قیامت۔ ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا۔ ایک ہی لکڑی سے سب کو ہانکا جاتا ہے۔ ایران میں مزدکیوں کے زمانے میں اس کا خوب تجربہ ہو چکا ہے۔ اور اب روس میں ہو رہا ہے۔ (روس جو دنیا کی دوسری بڑی سپر پاور کہلاتی تھی اس نظام کے سبب حال ہی میں جس انجام کو پہنچ گیا، وہ اب سب کے سامنے آچکا ہے۔ مرتب)

☆ نظامِ تمدنِ اسلام (Islamic society)

- اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت کو مناسب طریقہ سے جمع کرتا ہے۔ اس طرح، کہ سب کمانے میں ایک حد تک آزاد ہیں مگر اس قدر نہیں کہ غریب تباہ ہوجائیں۔ اس نظام میں ہر سال دولت کا چالیسواں (1/40) حصہ غریبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو لوگ فوجی کاموں میں شریک نہیں ہوتے ان

سے بھی ایک قسم کا ٹیکس لیا جاتا ہے۔ جس کا نام جزیہ war fund ہے۔ اسلام ، اور دوسرے قسم کے ٹیکس بھی حسبِ ضرورت لگاتا ہے۔ کچھ تو اخلاقی حیثیت سے اور کچھ قانونی طور پر۔ اسلام میں ، وراثت کے اصول کے تحت مرنے کے بعد تمام دولت تقسیم ہو جاتی ہے۔ اسلام ہمیشہ غریبوں کی امداد کے لیے مالداروں کو ترغیب دیتا ہے۔ رشتہ دار اگر نادار ہوں یا بے کار تو ان کی دیکھ بھال ، مالداروں پر واجب کرتا ہے۔ اسلام سود کو ہرگز جائز نہیں رکھتا ، جو سرمایہ داری کی جان ہے اور تمام مظالم کی جڑ بھی۔

- جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گیہوں گیہوں کے بدلے، جَو جَو کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے، نمک نمک کے بدلے۔ برابر کو برابر اور دست بہ دست لین دین کرنا چاہیے۔ البتہ اگر یہ اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہیں بیچ سکتے ہیں۔ مگر دست بہ دست"۔

- بعض علماء نے رِبا یعنی سود کو اوپر بیان کی گئی صورتوں ہی میں منحصر سمجھا۔ جب کہ دوسرے ائمہ نے قیاس کر کے کچھ اور چیزوں کو بھی سود کے قابل گردانا۔ جیسے۔

(1) حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پاس قابلِ سود چیزیں وہ ہیں جو ناپی اور تولی جاتی ہیں۔ ان دونوں کے لیے " قدر" کا لفظ ہے۔ پس سود کے لیے قدر اور ہم جنس ہونا شرط ہے۔ یعنی اگر کوئی شئے قدری بھی ہے اور ہم جنس بھی تو اس کے لیے نہ زیادت جائز ہے نہ ادھار۔ اور اگر جنس ایک نہیں تو زیادت جائز ہے اور ادھار ناجائز۔ پس جو چیزیں گنی جاتی ہیں ان میں سود نہیں۔

(2) امام شافعیؒ کے پاس قابلِ رِبا چیزیں ماکولات ہیں ، یعنی وہ چیزیں جو کھائی جاتی ہیں۔ جیسے انڈے اور دودھ وغیرہ۔ پس اگر یہ چیزیں ہم جنس ہوں تو اس کے لیے زیادت اور ادھار دونوں جائز نہیں۔

(3) امام مالکؒ کے پاس قابلِ رِبا چیزوں میں مال ، نقدین یعنی سونا اور چاندی ، قوت یعنی غذا وغیرہ شامل ہیں۔

(4) عبدالملک ابن ماجشون کے پاس ہر قابلِ نفع چیز میں رِبا ہے۔

☆ بہرصورت ، اصل مال پر ، مال کی زیادتی جو وقت کے مقابل ہوتی ہے ، اسلام میں سود ہے۔ اس کا لین دین جائز نہیں۔ اسلام ساہوکاروں کو مفت خوری کی اجازت نہیں دیتا۔

- آج کل غیر مسلموں کو سود لیتا دیکھ کر بعض علماء کا دل بھی بھر بھرا گیا ہے۔ اور انھوں نے سود کے جائز کرنے کی ترکیبیں سوجھیں۔ سب سے بدتر صورت خود دارالاسلام (اسلامی حکومتوں) کا قرض میں بھی زیادت کو سود نہ سمجھنا ہے۔ کھلی بلامعاوضہ صورت تو قرض ہی میں نمایاں تر ہے۔ ان کو سمجھنا چاہیے کہ قرض بھی مال کے بدلے مال ہے اور بیع ہی کی ایک صورت ہے۔

- بعض نے یہ فتویٰ نکالا ہے کہ دارالحرب (غیر اسلامی سلطنت) میں سود لینا جائز ہے۔ یعنی دارالحرب میں جو لین دین ہوتا ہے وہ سود نہیں ہے، فئے ہے۔

- دارالحرب یا غیر اسلامی ملک کی تعیین میں یعنی اس کو define کرنے میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جس سلطنت میں شعارِ اسلام (Islamic customs) سے روکا جائے وہ دارالحرب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جہاں شرعی کام یعنی religious duties سے روکا جائے وہ سلطنت دارالحرب ہے کیونکہ یہ "مداخلت فی الدین" ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ملک ایک بار دارالاسلام ہو جانے کے بعد چاہے کافروں کے پاس چلا جائے وہ دارالاسلام ہی رہے گا۔ بعض لوگوں کے پاس اگر اقتدارِ اعلیٰ، اہلِ اسلام کا ہے تو وہ دارالاسلام ہے ورنہ دارالکفر۔ ہمارا خیال ہے کہ دارالاسلام اور دارالکفر میں فرق اس کی فوج اور اس کی قوت پر ہے۔ اگر مسلمانوں کا بادشاہ (یا حکمران) ہے اور فوج بھی رکھتا ہے اور اس کی فوج اس کے حکم پر کسی غیر مسلم ریاست سے لڑنے پر تیار ہے تو وہ سلطنت، اسلامی ہے اور وہ ملک دارالاسلام۔

- سوال یہ پیدا ہوتے ہیں کہ جیسا سود لینا جائز کیا گیا ہے کیا سود دینا بھی جائز ہے ---؟ کیا فئے کا نام دینے سے سودی معاملہ سودی نہیں رہتا ---؟ کیا اس سے ان کی حقیقتیں بدل جاتی ہیں ---؟ ہمارے خیال میں یہ سب خطرناک جرأتیں ہیں۔ اکثر لوگ یہ عذر لنگ بھی پیش کرتے ہیں کہ چونکہ غیر اسلامی ملکوں میں تمام مالی معاملات سود پر چلتے ہیں لہٰذا یہاں سود کو جائز نہ کیا گیا تو مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ شرِ کثیر کے مقابل شرِ قلیل ہو تو قابلِ اختیار ہے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام نے صرف سود کو ممنوع کیا ہے۔ دوسرے قسم کے معاملات اسلام میں جائز ہیں۔ بیع سلم جائز ہے، یعنی پیسے کاشت کار کو پہلے دینا اور جنس بعد میں وصول کرنا۔ اسی طرح مشارکت یعنی partnership بھی جائز ہے، یعنی ایک کا پیسہ اور ایک کی محنت۔

- صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اسلامی اصول سے معاملات کر کے لکھ پتی تھے۔ صحابہؓ کے علاوہ دوسرے اور بھی کئی لوگ تجارت کرتے تھے۔ خود امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ تجارت فرماتے تھے مگر اسلامی قواعد کی پابندی کرتے تھے۔ اور خوش حال زندگی بسر کرتے تھے۔

- یہ بالکل غلط خیال ہے کہ مسلمان سود نہ لینے کی وجہ سے مخالفین کے مقابل مفلس اور عاجز ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اصل تباہی تو ان کا اپنا بے جا صرفہ اور اسراف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ، اسراف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں (سورۃ الاسراء آیت 27)۔ صرف خاص ضرورت ہی پر قرض لیا جائے۔ البتہ صاحبِ حاجت محتاج ہوں تو اسلام ، مسلمانوں کو قرضِ حسنہ دینے کی تاکید کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی صاحبِ حاجت کو قرض دینا ، اللہ کو قرض دینا ہے (سورۃ المزمل آیت 20)۔ کوئی بتلائے کہ سرمایہ کی ترقی کے لیے کتنے لوگ قرض لیتے ہیں؟ تمام لوگ بے جا رسوم ، جھوٹے فیشن اور بے جا نام ونمود کے لیے کافروں کے سامنے قرض کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ جب اللہ نے محتاج پر زکوٰۃ فرض نہیں کی ، حج فرض نہیں کیا ، تو کون سی چیز محتاج پر واجب ہے۔۔۔؟ جھوٹی شیخی ، غلط نمائش۔۔۔! اپنی چادر دیکھو پھراتنے ہی پاؤں پھیلاؤ۔ خوش حال لوگوں کو دیکھ کر ان کی برابری کا ارادہ کرنا خود کو برباد کرنا ہے۔ سودی قرض لے کر جھوٹی رسمیں پوری کرنے کا کس امام اور کس ولی نے حکم دیا ہے ۔۔۔؟ احتیاط سے لین دین کرو۔ کچھ کھاؤ ، کچھ بچاؤ تو تم کیوں تباہ ہو۔ اور کیوں جان سود کے جنجال میں پھنسے!

ڈبویا رسوم و تکلف نے ہم کو   کہ جن کا نتیجہ قرضداریاں ہیں
بکیں سود در سود میں جائدا دیں   عدالت سے جاری گرفتاریاں ہیں

- افسوس! تم کو لٹانا آتا ہے اور کمانا نہیں آتا۔ مذہب کی عزت باقی رکھو۔ تم پختگی کے ساتھ ثابت کرو کہ تم عملی مسلمان ہو۔ اللہ نے سود کو حرام کیا ہے اور بیع کو جائز۔ کس کی مجال ہے کہ اس کو حلال کرے۔۔۔! اللہ تحلیلِ حرام کرنے والوں کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا ہے۔

- صاحبو! سودخوری بڑی بُری صفت ہے۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ تمہارا ضمیر باآوازِ بلند کہتا ہے کہ تم سود لے رہے ہو۔ اور بے جا تاویلات سے حقائق کو بدلنا چاہتے ہو۔ اس خطرناک تباہی سے اوراس دین کی بربادی سے اللہ مسلمانوں کو بچائے۔ اب ہمارے پاس سوائے دعا کرنے کے کچھ نہیں۔ اللہ توفیق کو تمھارا رفیق بنائے۔ آمین۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 40 تا 53 پارہ 28 صفحہ 19 ، 75 ، کتابچہ نظام تمدن اسلام اور سرمایہ داری و اشتراکیت مولفہ حسرتؔ ﴾

42 - ترکہ اور وراثت

☆ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۔ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ط

❁ مردوں کو اُس مال سے حصہ ملے گا جس کو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ کر مریں اور عورتوں کو بھی اُس مال سے حصہ ملے گا جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہے خواہ ترکہ کم ہو یا زیادہ۔ یہ (اللہ کی طرف سے) فرض کیا ہوا حصہ ہے۔

(سورۃ النسآء آیت 7)

☆ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۔ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ط

❁ بے شک جو لوگ ظلم سے ناحق (ناروا) یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں۔اور قریب میں وہ جہنم میں پڑیں گے (خوب جلیں گے)۔

(سورۃ النسآء آیت 10)

- اسلام سے پہلے ترکہ (property of a deceased person) میں عورتوں کا اور بچوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔ یہ بات صرف عربوں سے ہی مخصوص نہ تھی بلکہ اکثر حکومتوں میں اس کا رواج تھا۔ اسلام نے عورتوں کو حصہ دلایا۔ اور تمام قرابت داروں کے لیے بھی ان کے حسبِ حیثیت حصہ مقرر کیا۔

☆ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے مال کی تقسیم سے قبل مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں۔

(1) مرحوم کے مال و جائیداد کی تفصیل حاصل کی جائیں۔

(2) اگر اس کی کوئی جائیداد یا مال ، مکفول یعنی mortgage پائی جائے تو سب سے پہلے اس کا وہ قرض

ادا کرنا چاہیے تاکہ مرحوم کا گروی شدہ مال واپس مل سکے۔

(3) اس کا کفن دفن کیا جائے۔ یہ تو سب پر واضح ہے ہی کہ قرضہ کی وجہ سے مردہ بے گور و کفن نہیں چھوڑا جا سکتا۔ تجہیز و تکفین میں خاندان کی اوسط حالت کا لحاظ رکھا جائے گا۔ نہ اسراف درست ہے نہ تنگ دلی۔

(4) اس کے بعد ، جن جن کے قرضے ہوں انہیں ادا کیا جائے۔

(5) پھر اس سے جو بچے وہ ورثہ میں تقسیم کیا جائے۔

☆ ورثہ (legal heirs) کی تفصیلات درجہ ذیل ہیں۔

(1) اصحابِ فروض (میراث): ان کا حصہ ، تو اللہ تعالیٰ نے مقرر کردیا ہے۔

(2) عصبات (قبیلہ) : ان کا حصہ مقرر نہیں ہے۔ اصحابِ فروض سے جو کچھ بچے گا وہ لیں گے۔ عصبات دوقسم کے ہوتے ہیں۔ (الف) نسبی : جیسے بیٹے ، باپ۔ (ب) سببی : یعنی آزاد کرنے والا۔ اگر کوئی قرابت دار نہ ہو تو آزاد کرنے والا بھی عصبہ ہوتا ہے۔ عصبہ نہ ہو تو عصبہ کا عصبہ وارث ہوگا۔

(3) رد : عصبہ کے نہ ہونے کی صورت میں ترکہ ، نسبی ذوی الفروض میں تقسیم کیا جائے گا۔

(4) ذوی الارحام : یعنی وہ قرابت دار جو نہ تو ذوی الفروض ہیں نہ عصبہ۔ جیسے ، نواسہ ، بھانجہ ، ماموں اور خالہ وغیرہ۔

(5) مولی الموالات : یعنی جن میں بھائی چارہ کیا گیا ہو۔

(6) مقرلہٗ : یعنی جس کا نسب ، حدِّ ثبوت کو نہ پہنچا ہو۔

(7) وصیت : ثلث مال سے زیادہ کی جس کو وصیت کی گئی ہو۔

(8) بیت المال : یعنی اسلامی فنڈ۔ خیال رہے کہ مسلمان کا چھوڑا ہوا مال کسی طرح غیر مسلم کو نہ پہنچے گا۔ دیکھو! اسلام میں تبنیت (جس میں غیر مسلموں کو وارث بنایا جاتا ہے) نہیں ہے۔ ہندوستان میں اسلامی جاگیریں اور زمینات داخلِ سرکار ہو کر غیر مسلموں کو دے دی جاتی ہیں۔ یہ کسی طور درست نہیں۔

☆ سورۃ النساء کی آیت 11 میں قرآن نے اصحابِ فروض کے لیے ترکہ کی جو تقسیم مقرر کی ہے وہ درجہ ذیل ہے۔

(1) وارث اگر بیٹا بیٹی ہوں : تو بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا۔ یہ اس لیے کہ عورت

کا کفالت کرنے والا اس کا خاوند بھی موجود ہوتا ہے جب کہ مرد تو خود دوسروں کو کما کر کھلاتا ہے۔

(2) وارث اگر صرف بیٹیاں (دو یا دو سے زیادہ) ہوں : تو ان کو ترکہ کا دو تہائی یعنی 2/3 حصہ ملے گا۔

(3) وارث اگر صرف ایک لڑکی ہو : تو اس کو ترکہ کا نصف یعنی 1/2 حصہ ملے گا۔

(4) وارث اگر ماں باپ ہوں : تو ہر ایک کو ترکہ کا سدس یعنی 1/6 حصہ ملے گا۔(جبکہ مورث کو بیٹا بھی ہو)

(5) وارث اگر ماں باپ ہوں لیکن اولاد موجود نہ ہو : تو ماں کو تہائی یعنی 1/3 حصہ اور باپ کو دو تہائی یعنی 2/3 حصہ ملے گا۔

(6) وارث اگر زوج (شوہر) اور ماں باپ ہوں : تو شوہر کو ترکہ کا نصف یعنی 1/2 حصہ ملے گا۔ ماں کو چھٹا حصہ اور باپ کو تیسرا حصہ ملے گا۔

(7) وارث اگر زوجہ (بیوی) اور ماں باپ ہوں : تو بیوی کو ترکہ کا چوتھائی یعنی 1/4 ملے گا۔ جب کہ ماں اور باپ دونوں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ اور باقی کا 1/12 ، عصبہ کو دیں گے۔ اس طرح باپ کو مجموعی طور پر 5/12 حصہ ملے گا۔ وارث اگر کئی بھائی ہوں تو ماں کو سدس یعنی 1/6 حصہ ملے گا۔

(8) بیٹی کے رہتے ، نواسے یا پوتی وغیرہ کو کسی نیک کام کے لیے مرحوم کو وصیت کرنے کا حق ہے۔ لیکن یہ وصیت ثلث یعنی 1/3 سے زیادہ نہ ہوگی۔ ہاں اگر وارثین اجازت دیں تو ایک تہائی سے زیادہ کے لیے بھی وصیت کی جاسکتی ہے۔

☆ سورۃ النسآء کی آیت 12 اور آیت 176 میں قرآن نے شوہر اور بیوی کے ترکہ کی ، خصوصاً کلالہ (جس مرحوم کے ماں باپ زندہ ہوں اور نہ کوئی اولاد ہو) کی جو تقسیم مقرر کی ہے وہ درجہ ذیل ہے۔

(1) بیوی کا ترکہ : کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر کو آدھا 1/2 حصہ ملے گا۔ اور اگر اولاد موجود ہو تو پھر شوہر کے لیے چوتھائی 1/4 حصہ ملے گا۔

(2) شوہر کا ترکہ : (الف) کوئی اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھائی یعنی 1/4 حصہ ملے گا۔ اور اگر اولاد موجود ہو تو بیوی کے لیے ثمن یعنی 1/8 حصہ ملے گا۔ (ب) شوہر کے ایک بھائی اور ایک بہن وارث ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو سدس یعنی 1/6 حصہ ملے گا۔ (ج) شوہر کے دو یا دو سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو ان میں سے ہر ایک کو ، ایک تہائی یعنی 1/3 حصہ ملے گا۔

نوٹ : (1) بیان کیے گئے تمام حصے، مرحوم کی وصیت اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد طے کیے جائیں گے۔
(2) فرائض کے مسائل مشکل ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے کتاب دیکھنے کی ، بلکہ کسی ماہر کی بھی ضرورت ہے۔

☆ ترکہ میں سے جو لوگ کسی طور حق دار نہیں ٹھیرتے وہ درجہ ذیل ہیں۔

(1) قاتل : کوئی قاتل ، مقتول کا وارث نہیں ہوگا۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ اس طرح سے مال کے واسطے کوئی کسی کو قتل نہ کر سکے گا۔

(2) اختلافِ دین : کوئی غیر مسلم ، کسی مسلم کا وارث نہ ہوگا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بے دینی کا دروازہ بند کر دیا جائے۔

(3) اختلافِ دارین : دو جدا ملکوں کے رہنے والے ، وراثت کے حقدار نہیں ہوں گے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دار الاسلام کا مال کسی غیر دارالاسلام میں نہ جائے۔ واضح رہے کہ جب دو ملکوں کی جدًا جدا فوج ہو اور ان دونوں ملکوں میں علٰحدہ علٰحدہ قانون بھی رائج ہوں ، تو وہ دو الگ ریاستیں کہلائیں گی۔

(4) غلامی : کوئی غلام وارث نہ ہوگا۔ کیونکہ غلام ، صاحبِ مِلک نہیں ہوتا۔

(5) جہالتِ موت : یعنی یہ نہ معلوم ہو سکے کہ پہلے کون مرا ہے۔ مثلاً ایک جہاز میں باپ اور بیٹا سفر کر رہے تھے کہ جہاز ڈوب گیا۔ معلوم نہیں ہوسکتا کہ ان میں سے پہلے کون مرا ہے۔ تو ایسی صورت میں آپس میں کوئی کسی کا وارث نہ ہوگا ، ورنہ بے وجہ ترجیح (unwanted preference) ہوجائے گی۔

- اللہ تعالیٰ نے ہم پر یہ واجب ٹھیرایا ہے کہ اپنی موت سے قبل اپنے مال کے سلسلے میں وصیت ضرور کریں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت 180 کہتی ہے" جب تم میں سے کسی کے پاس موت آجائے اور اگر وہ مال ومنال چھوڑ رہا ہو تو وصیت کرنا ماں باپ اور قرابت داروں کے لیے، دستور کے مطابق ، تم پر واجب ٹھیرایا گیا ہے۔ یہ خدا ترسوں پر ثابت ہے"۔ دیکھو! وصیت کو قرآن میں قرض اور وراثت کے موضوعات سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ کیونکہ وارث تو اپنے مورث کے مال کو اپنا ہی مال سمجھتے ہیں۔ اور قرض دار بھی اپنا قرض وصول کر ہی لیتا ہے ، چھوڑتا کب ہے۔۔۔! پھر وصیت نامہ کی اہمیت ہی کے سبب قرآن میں اس کی حفاظت کے لیے دو گواہوں کے رکھنے کا بھی حکم ہے۔ چونکہ ورثہ قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں اس لیے وصیت کی انتہائی مالی مقدار ثلث (1/3) بتلائی گئی ہے ، تاکہ وارثوں کا زیادہ نقصان نہ ہو۔ البتہ وارث راضی ہوں تو زیادہ کی وصیت کی جا سکتی ہے۔ جب بالکل غیر آدمی کے حق میں وصیت کی جاسکتی ہے تو وراثت سے محروم رشتہ داروں (مثلاً پوتا ، پوتی ، نواسہ ، نواسی ، بھتیجہ ، بھتیجی ، بھانجہ ، بھانجی ، نانا خالہ اور ماموں وغیرہ) کے حق میں وصیت کرنا تو افضل ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی ۔ پارہ 4 صفحہ 115 تا 133 پارہ 6 صفحہ 25, 26 پارہ 10 صفحہ 34 اور خصوصی کتابچہ وصیت و وراثت مولفہ حسرتؔ ﴾

43 - شوریٰ اور اسلامی حکومت

☆ وَ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰی بَيۡنَهُمۡ ط

اور ان کے کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں۔ (سورۃ شوریٰ آیت 38 کا حصہ)

☆ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡاَمۡرِ ط

پس آپ ان کی خطائیں معاف کیا کیجئے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کیجئے اور ان سے ہر کام میں مشورہ لیجئے۔ (سورۃ ال عمران آیت 159 کا حصہ)

☆ قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِيۡ فِيۡۤ اَمۡرِيۡ ۔ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ ط

(بلقیس نے) کہا! اے اعیانِ سلطنت ، میرے کام میں تم اپنا مشورہ دو۔ میں قطعی طور سے کوئی حکم نہیں دیتی جب تک تم سب حاضر نہ ہوں۔ (سورۃ النمل آیت 32)

- صاحبو! اسلام میں نہ تو جمہوری حکومت ہے نہ شخصی سلطنت۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ اول مشورہ لیں۔ پھر جو حاکم بنایا جائے تو اس کے لیے غور وفکر کرکے اپنی رائے قائم کریں ، اور پھر حکم دیں۔ حکم دینے کے بعد سب لوگ اپنے حاکم کی اطاعت کریں۔

- تمھاری مجلس کیسی ہو؟۔۔۔ مجلس شوریٰ ہو ، مجلس ملّی ہو۔ سب آزاد رائے دیں اور تم بہترین رائے کو اختیار کرنے والے رہو۔ استبداد یعنی ظالمانہ نظام یا خودمختاری کی تعلیم اسلام نہیں دیتا۔ صاحبِ وحی کو ہدایت کرتا ہے کہ ہر کام میں مشورہ لو۔ مگر کرو وہی جو حق ہو۔ جو مشورہ لیتا ہے اس کو ندامت نہیں ہوتی۔ وَلاَ نَدِمَ مَنِ اسۡتَشَارَ۔ یاد رکھو کامیابی تمھارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ نتیجہ کو اللہ پر چھوڑو۔ اسی پر اعتماد کرو۔ اسباب کو استعمال کرو اور نتیجہ میں خدا پر توکل کرو۔ مجلسِ ملّی (national assembly) اور

دارالشوریٰ (cabinet) میں ایسے لوگ شریک ہوں اور ان سے مشورہ لیا جائے جو اہل الرائے ہوں ، تجربہ کار ہوں ، زمانے کے نشیب و فراز کو جانتے ہوں ، معاملہ فہم ہوں۔ جاہلوں کا جمع ہونا ، نہ سمجھنا نہ بوجھنا ، رائے شماری کے وقت بس ہاتھ اٹھا دینا یا ڈبوں میں ووٹ ڈال دینا ، کوئی چیز نہیں۔ سب سے اہم تو رائے دینے والوں کی ملک سے محبت اور ان کی دیانت داری ہے۔ بھلا ان لوگوں کی رائے کیا وقعت اور کیا وزن رکھتی ہے جن کو نہاری کلچوں کا ناشتہ کرایا جاتا ہے۔۔! چائے خوری پر بلایا جاتا ہے۔۔! ڈنر دیا جاتا ہے۔۔! کرایہ کی موٹروں میں ٹھونس کر رائے دینے کے لیے پہنچایا جاتا ہے۔۔! دیکھو! کثرتِ رائے پر عمل کرنا بھی ایک اصولی بات ہے لیکن صدر کی دلیل کے ساتھ دی جانے والی رائے بھی بڑی عظمت رکھتی ہے۔ ریاستوں میں حق شناس افراد ایسے ہی لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں جن کی ہوشمندی کا اور اہل الرائے ہونے کا یقین ہو۔ قوم کے ہمدرد افراد اپنی رائے پر ایک دانشمند شخص کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

- اسلام کا نظام دوسرے نظاموں سے بالکل جدا ہے۔ اسلام میں اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰهِ ہے اور اللہ تعالیٰ واحد ہے ، احد ہے ، مشخص یعنی specific اور معین و established ہے۔ اس حیثیت سے اسلامی حکومت کو شخصی کہنا چاہتے ہو تو کہو۔ لیکن یہاں وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ اور وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ بھی ہے لہٰذا اگر تم اس کو جمہوری کہنا چاہتے ہو تو وہ بھی کہہ سکتے ہو۔ مگر یاد رکھو کہ مشورے ، غیر منصوص یعنی non-manifested معاملات کے لیے ہوتے ہیں مگر منصوص یعنی well-known احکام کے سامنے کسی چوں و چرا کی گنجائش نہیں۔

- اسلامی حکومت ہونے کا دار و مدار اسلامی اقتدارِ اعلیٰ اور قرآن و حدیث کے ماننے پر منحصر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آنکھیں بند کر کے تر اور خشک سب ہی کو مان لو۔ یاد رکھنا! قرآن اور حدیثِ متواتر کا خلاف تو ممکن ہی نہیں ہے۔ البتہ خبرِ احاد (ضعیف روایت) پر ضرور غور کرو۔ خدا نے تمھیں عقل دی ہے اس کی ناقدری نہ کرو ، اس سے بھی کام لو۔ حدیث سے انکار مت کرو۔ دیکھو! کسی راوی کو نہیں مانتے تو وہ اس قدر بُرا نہیں ہے جتنا کہ قرآن اور حدیثِ متواتر سے سرے ہی سے انکار کرنا ہے۔

- صاحبو! خلافتِ راشدہ کے زمانے میں حکومت کے ارکان سب اچھے تھے تو وہ خلافت تھی۔ چونکہ زمانۂ خلافتِ راشدہ میں شرعی احکامات کی پوری طرح پابندی ہوتی تھی لہٰذا ان لوگوں کی مثال ایسی ہوئی

جیسے ” وہ پورے کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہوں“۔ لیکن بعد کے زمانے میں بعض احکامات میں مخالفت پیدا ہوگئی تو بعض لوگ احکام شرعی پر کچھ کاموں میں پوری طرح سے پابند نہ رہے۔ ان ادوار میں شرع شریف کی چونکہ پوری طرح سے پابندی نہ تھی لہٰذا ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ” انہوں نے پورے کپڑے زیب تن نہیں کیے ہوں“۔ مگر چونکہ ان اسلامی حکومتوں میں کوئی قرآن اور حدیث سے انکار نہیں کرتا تھا لہٰذا ان لوگوں پر ” ننگے“ ہونے کا لفظ بھی صادق نہیں آتا ، اور نہ ہی ان کو ” غیر اسلامی حکومت“ کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں منافق بھی تھے مگر رحمۃ للعالمینؐ نے ان منافقوں کو بھی حکومت سے خارج نہیں فرمایا۔ میں تو اب تک کی تمام اسلامی حکومتوں کا قائل ہوں اور کسی کو بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں سمجھتا۔

- صاحبو! اسلامی بادشاہوں میں بعض بادشاہ ظالم بھی تھے۔ مگر ان میں خود سر ، بے راہ ، خود مختار اور ڈکٹیٹر کوئی نہیں ہوا۔ ایسا ہوتا بھی کیوں کر؟ قرآن و حدیث جو اس کی گردن دباتے۔۔! مگر دیکھو اس کے ساتھ ہی بادشاہ میں وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ، اس کو علم اور جسمانی قوت میں بھی فوقیت دی ہے (سورۃ البقرۃ آیت 247) ، کی حقیقت بھی ضروری ہے۔ چنانچہ وہ علم و فہم بھی رکھے اور دشمن کی مدافعت کرنے کے لیے قوت بھی رکھے۔ دیکھو کہ پیغمبر کے رہتے ہوئے بھی لوگ (بنی اسرائیل) پیغمبر سے التجا کرتے ہیں ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا ، ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے (سورۃ البقرۃ آیت 246)۔ یاد رکھو بزرگی الگ چیز ہے اور حکومت کرنے کی صلاحیت الگ چیز۔ یہ دونوں ہی باتیں خلفائے اربعہ میں تھیں اسی لیے وہ جانشینِ پیغمبر سمجھے جاتے تھے۔ مختلف اوقات میں اچھے بادشاہ بھی ہوئے ہیں، جیسے عمر بن عبدالعزیز اور ہارون الرشید وغیرہ۔

- اسلام میں سید ، شیخ ، مغل اور پٹھان کا جھگڑا نہیں ہے۔ ہر خاندان میں ان سب کی حکومت رہ چکی ہے۔ حتیٰ کہ یہاں غلام بھی جوہرِ ذاتی اور قابلیت کی بنا پر بادشاہ ہوگئے۔ ذات و جماعت کا جھگڑا ، اسلامی اصول کے خلاف ہے۔ سب سے پہلے ذات کا جھگڑا ، استاذ الملائکہ یعنی شیطان نے نکالا۔

- صاحبو! ابتدائے خلافت میں لوگ کم تھے۔ جمع کرنا ہوتا تو ایک شخص ” اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ “ پکار کر کہہ دیتا اور سب لوگ جمع ہوجاتے۔ بڑے لوگ تھے۔ صاحبِ رائے تھے ، سب سے مشورہ لیا جاتا۔ بعض دفعہ ذیلی مجلس یا سب کمیٹی کے سپرد انتخاب کر دیا جاتا۔ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوگئے تو عشرہ مبشرہ میں سے

6 اصحاب کی ذیلی کمیٹی بنا دی اور تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ جب تک یہ تصفیہ نہ کریں ، خلیفہ کو منتخب نہ کریں۔ اس وقت تک ان کو اپنی جگہ سے منتشر ہونے نہ دیں۔ اور پھر حضرت عثمانؓ کا انتخاب ہو گیا۔

- یورپ میں سب لوگ تعلیم یافتہ ہیں اور صاحبِ مال و دولت بھی ہیں۔ ان کی ذاتی غرض سوائے ملک کی بہبودی کے کوئی اور چیز پیشِ نظر نہیں ۔ وہ عامۃ الناس سے مشورہ لیتے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں تعلیم کی بڑی کمی ہے۔ چنانچہ ہم لوگوں کو یورپ کے لوگوں پر قیاس کرنا کچھ درست نہیں۔ دیکھو! ہمارے زمانے میں ایک الیکشن ہوا۔ میرا لڑکا ایف اے میں تھا مگر اس کی عمر 20 سال سے کم تھی یوں وہ انتخاب میں حصہ نہ لے سکا۔ ہمارے گھر کی ماما معمر تھی۔ اس کو رائے دینے اور انتخاب کرنے کا موقع ملا۔ غور کیجئے کہ ایک جاہل عورت کس طرح سے اہل الرائے کے انتخاب کرنے میں حصہ لے سکتی ہے۔ مجھے معلوم ہے لوگوں کو ڈنر اور دعوتیں دے کر ، کھانے کھلا کر لوگوں کی رائے خریدی جاتی ہے۔ یہ خریدی ہوئی رائیں بھلا حکومت کے کیا کام آ سکتی ہیں۔۔۔؟ کوا چلا ہنس کی چال ، اپنی چال بھی بھول گیا ۔۔۔! یہ آراً یعنی votes کو خریدنے والے جب برسر اقتدار آتے ہیں تو بالائی پر ان کا کام چلتا ہے۔ یہ لوگ چند روز میں اپنے خرچے وصول کر لیتے ہیں۔ یا تو مفلس تھے ، لکھ پتی ہو جاتے ہیں۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ ان کی اس بالائی میں قوم کی تباہی ہے۔

- صاحبو! اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اس میں نئی چیز کی بہت کم ضرورت ہے۔ میرے خیال میں تو صرف عملِ صالح کی ضرورت ہے۔ اچھے بنو ، اچھا نمونہ بنو، خیانت چھوڑو ، اتفاق پیدا کرو ، مضبوط رسی بنو۔ دیکھو قرآن کہتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ، تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو اور فرقہ بندی میں مبتلا نہ ہو (سورۃ آل عمران آیت 103)۔ یہ کیا حال ہے کہ دیو بندیوں کی مسجد الگ ، اہلِ سنت والجماعت کی مسجد الگ۔ کیا یہ مساجد کو غیر آباد کرنا نہیں۔ کیا یہ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (سورۃ البقرۃ آیت 114) کے مصداق نہیں؟ کیا ہم سب میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مشترک نہیں ہے؟ پھر اس مشترک کلمہ کے پڑھنے میں اور مل کر پڑھنے میں پھوٹ کاہے کو ہے۔۔۔؟ دیکھو بے دینی کے یہ چوہے تمھارے کپڑوں کو کھائے جا رہے ہیں۔ اب تمھارے پاجامے ، پتلون اور نیکر میں سوراخ ہوئے جا رہے ہیں۔ کہیں تمھاری گنتی " ننگوں" میں ہو جائے گی تو کسی شریف آدمی کے سامنے جانے کے قابل نہ رہو گے۔۔۔!

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی -پارہ 1 صفحہ 162، 163 پارہ 4 صفحہ 64 تا 67 پارہ 19 صفحہ 109 پارہ 25 صفحہ 26 اور کتابچہ اسلامی حکومت مولفہ حسرتؒ ﴾

44 - حکم (ثالث)

☆ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِهٖ وَ حَکَمًا مِّنْ اَھْلِهَا۔ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحاً یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا۔ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ط

اور اگر تمھیں (میاں بیوی میں) اختلاف اور نااتفاقی کا خوف ہو تو ایک حکم (ثالث) میاں کے خاندان سے اور ایک حکم (ثالث) بیوی کے خاندان سے مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں تو اللہ ان میں موافقت (اور اتفاق) پیدا کردے گا۔ بے شک اللہ علم رکھتا ہے، باخبر ہے۔ (سورۃ النسآء آیت 35)

- صاحبو! ہمارے خیال میں جب میاں بیوی میں اَن بن شروع ہو جائے تو فوراً ہر دو خاندان کے پنچوں کو بلاؤ ، اور فتنہ و فساد کو رفع دفع کردو۔ ایک چیز بڑی اہم ہے اور قابلِ توجہ بھی ، کہ فیصلہ کرنے والے معاملات سے پوری طرح واقف ہوں۔ وہ رسم و رواج سے بھی باخبر ہوں۔ اور ساتھ ہی اُن دونوں خاندان کے اعزاز کا بھی اندازہ کرتے ہوں ، تو پھر انصاف کی زیادہ امید ہے۔

- دیکھو! اس بات سے غالباً ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ حتی الامکان ، پنچایتوں ہی سے فیصلے کیے جائیں۔ اور عدالت کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ مقدمہ بازی میں وکیلوں کو ان کی فیس دینے اور رسوم عدالت بھرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس مقام میں اس بات کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ حاکم دیسی اور ملکی ہو کیونکہ اس کے دل میں کچھ نہ کچھ ہمدردی ضرور رہتی ہے۔ مقدمہ بازی میں برباد ہونا مسلمانوں کے مناسبِ حال نہیں۔ یہ کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ ہمارے پاس کے قبیلوں میں ، حتیٰ کہ نیچ ذات کہلانے والوں میں بھی پنچایتی نظام موجود ہے۔ یہ سب لوگ اپنی پنچایتوں کی سنتے ہیں ، ان کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ لیکن افسوس۔۔۔! نرے جھگڑے کرنے والے یا صلح جوئی سے کوسوں دور ہیں تو کون؟ ۔۔۔ مسلمان!

- دیکھو! پہلے تمام شہروں کی طرف سے قاضی مقرر تھے۔ اب ان کی جگہ حکومت نے منصفوں کو اور ناظموں کو مقرر کردیا ہے۔ ان قاضی حضرات کو کچھ زمینات دے کر فکرِ معاش سے مستغنی کردیا گیا ہے۔ مشروط الخدمت (ملازمت کے دوران ملنے والی) جائیدادیں تو ویسے ہی ناقابلِ تقسیم یعنی non transferable ہوتی ہیں۔ یوں اب قاضی کے پاس اس کا حصہ اس قدر نہیں رہا کہ وہ اپنا اعزاز برقرار رکھ سکے۔ اب جنابِ قاضی کا کیا کام رہ گیا ہے؟ بس وہ صرف عورت مرد کا نکاح باندھ دے دیتا ہے۔ اس طرح قاضی ناکارہ سے ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ اب کسی اہم دینی امور کا فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہے۔

- ایک اور بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ حکم یعنی mediator صرف نصیحت کرنے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی ثالثی کا فیصلہ سرکار سے منظور کرالیا جائے تو اس کا اثر بھی عدالت کے فیصلہ کے برابر ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی دونوں کے دستخط لے لیے جائیں کہ حکموں کا فیصلہ جو کچھ ہوگا ناطق (legal) ہوگا۔ اگر وہ طلاق یا خلع کا حکم بھی دیں تو وہ حق اور ناطق ہوگا ، lawful ہوگا۔ پھر عدالت بھی ایسے فیصلے کو رد نہ کر سکے گی۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 5 صفحہ 16 تا 18 ٭

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ واضح ہو کہ ابوعامر راہب کی سازش سے بعض منافقوں نے مسجد قبا کے پاس ایک مسجد بنائی تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسجد قبا میں جانے والوں کو اپنی مسجد کی طرف متوجہ کریں اور ان کو ورغلائیں۔ اس مسجد کا نام مسجد ضرار (ضرر دینا) پڑ گیا تھا۔ وہ مسجد جس کی بناء تقویٰ اور اللہ کی رضامندی پر رکھی گئی تھی ، مسجد قبا ہے۔ منافقوں نے لوگوں کو ورغلانے کی ہمیشہ کوششیں کیں۔ مگر حق کے سامنے باطل کی کیا چل سکتی ہے۔۔؟ آخر وہ دنیا میں خوار ہوئے اور آخرت میں فی النّار ۔۔۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 11 صفحہ 18 ٭

45 - گواہی

☆ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط

اور گواہی کو نہ چھپایا کرو۔ اور جو اس کو چھپائے گا تو (وہ دل کا کھوٹا ہے) اس کا دل گنہگار ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 283 کا حصہ)

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ ---------------------------

--------------------------- وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ط

(سورۃ المائدہ آیت 106 تا 108)

- شہادت یعنی گواہی ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ گواہی کے ذریعے ، یقین یا ظن کا حاصل کرنا ہے۔ یقین (certainty) کا آنا یا ظن (suspicion) کا پیدا ہونا ، انسانی فعل نہیں ہے بلکہ دل کی حالت ہے ، ایک کیفیت ہے۔ معاملہ ، جتنا اہم ہوگا اس کی شہادت میں بھی اہمیت ہوگی۔ شہادت سے پہلے خفیہ طور سے شاہدوں کے حالات سے واقفیت حاصل کی جائے گی۔ اسلام میں تہمتِ زنا کی بڑی اہمیت ہے۔ اس لیے اس پر 4 گواہ کی ضرورت ہے۔ چونکہ عورتیں ناتجربہ کار ہوتی ہیں لہٰذا حدود و قصاص میں ان کی شہادت کو دخل نہیں۔

☆ معیارِ شہادت کیا ہے؟ یعنی گواہ کتنے ہوں۔۔؟ اور کیسے ہوں۔۔؟

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ معاملہ جتنا اہم ہوگا اتنا ہی معیارِ شہادت قوی ہوگا۔ مثلاً

(1) ایسے واقعات بیان کرنے کے لیے جو کہ کھلے عام واقع ہوتے ہیں ، یا جن کا علم عام لوگوں سے چھپا نہیں رہتا ، اتنے گواہوں کی ضرورت ہے کہ سننے والے کو یقین آ جائے۔ جیسے ، عام لوگوں کو اس بات سے واقفیت ہے کہ عصر کی نماز میں چار رکعتیں ہیں اور مغرب میں تین۔ لیکن دو چار آدمی مل کر اگر یہ بیان کریں کہ عصر کی تین رکعتیں ہیں اور مغرب کی چار ، تو ایسی شہادت کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔

(2) اگر کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی گئی ہے تو اس کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔ اس میں 4 گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ 3 گواہوں نے اگر شہادت دی ہو تو اس پر جرم ثابت نہیں قرار پائے گا بلکہ اسے الزام

ہی سمجھا جائے گا۔ اور ان الزام لگانے والوں کو سزا دی جائے گی۔

(3) حدود میں 2 گواہوں کی شرط ہے۔ مگر وہ مرد ہوں۔

(4) مالی معاملات میں ، 2 مرد ، یا 1 مرد اور 2 عورتوں ، کی شہادت ضروری ہے۔

(5) ایسے معاملات جن میں مردوں کی رسائی نہیں (مثلاً ولادت) تو ان میں 1 عورت بہ طور گواہ کافی ہے۔

- یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شہادت میں ماحول اور قرینہ کو بڑا دخل ہے۔ تحویلِ قبلہ کے موقع پر ایک صاحب نے بیان کیا کہ " رسول اللہ ﷺ نے آج بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی "۔ چونکہ روایت کرنے والے معتبر آدمی تھے ، نماز جیسا اہم مسئلہ تھا اور رسول اللہ ﷺ مدینہ شریف میں بھی موجود تھے لہٰذا قبلتین والوں کو شک نہیں ہوا۔ اور یوں ہوا کہ نماز پڑھنے کی حالت ہی میں وہ سنتے ہی بیت المقدس کی طرف سے کعبۃ اللہ شریف کی طرف پھر گئے۔

- صاحبو! شعبان کی انتیس (29) کو اگر ایک بھی معتبر شخص یہ کہہ دے کہ اس نے چاند دیکھ لیا ہے تو سب لوگ دوسرے دن روزہ رکھیں گے۔ جب کہ رمضان کی انتیس (29) کو کوئی یہ کہہ دے کہ چاند ہوگیا ہے تو اُسے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ، جب تک کہ کافی تعداد اس بات کی گواہی نہ دے دے۔

- پس! معاملہ جتنا اہم ہوگا اتنا ہی معیارِ شہادت قوی ہوگا۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 59 تا 62 اور پارہ 7 صفحہ 22 تا 27﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ نجات کے لیے ایمان ضروری ہے۔ اور ایمان اسی وقت کام آتا ہے جب سزا کے وقت سے پہلے ہو۔ جب کوتوالی والے (قانون نافذ کرنے والے) گرفتار کرلیں اور حاکمِ عدالت سزا کے لیے تیار ہوجائے تو اس وقت کوئی عذرداری ، کوئی justification ، نہیں سنی جاتی۔ جو کچھ کرنا ہے گرفتاری سے پہلے کرلو۔ توبہ کرلو۔ عذرخواہی کرلو۔ excuse کرلو۔ یا کسی سے معافی مانگ لو۔

کرنا جو ہے آج ہی کرلے　　کل کرنا ، پچھتانا ہے

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 24 صفحہ 63﴾

46 - قتل، قصاص اور دیت

☆ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً ---------
------ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ط (سورۃ النسآء آیت 92)

❁ اور مسلمان کا کام نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر خطا سے۔ اور جو کسی مسلمان کو خطا ہی سے مار ڈالے تو اس پر دیت واجب الادا ہے مسلمان غلام کا آزاد کرنا اور مقتول کے وارثوں کو دیت اور خوں بہا پہنچا دینا مگر اگر وہ خود معاف کر دیں تو خیر۔ پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمھاری دشمن ہو اور وہ مقتول مسلمان ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کر دے۔ اور اگر وہ اس قوم سے ہو کہ اس میں اور تم میں معاہدہ ومیثاق تھا تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کر دینا چاہیے اور مسلمان غلام بھی آزاد کر دینا چاہیے۔ اگر (غلام) تم کو میسر نہ ہو تو پے در پے دو مہینے تک روزے رکھو، اللہ سے معافی چاہنے کے لیے۔ اور اللہ علم والا ہے، حکمت والا ہے۔

☆ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ط (سورۃ النسآء آیت 93)

❁ اور جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا دوزخ ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اس کی لعنت ہو گی اور اس کے لیے اللہ نے بڑا عذاب تیار رکھا ہے۔

- صاحبو! انسان اشرف المخلوقات ہے۔ جب تک انسان پیدا نہ ہوا تھا عالم تنِ بے جان تھا۔ شانِ حاکمانہ کا ظہور نہ ہوا تھا۔ انسان ہی سے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ انسان اسماءِ الٰہیہ کا مظہر تام ، a perfect exhibit ہے۔ انسان کو مار ڈالنا گویا مظہر تام کو تمام کر دینا ہے۔ اسی واسطے آدمی کا قتل ، بد ترین گناہ ہے۔

کھلونا سمجھ کر نہ بگاڑو ہم کو
کہ ہم بھی کسی کے بنائے ہوئے ہیں

☆ قتل کے کئی اقسام ہیں۔

(1) قتل بالعمد : جان بوجھ کر کسی کا قتل کرنا۔ یہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اس کی سزا قصاص (blood for blood) ہے۔ اگر مقتول کے ساتھیوں میں سے کوئی ایک معاف کردے تو دوسروں کو دیت یعنی compensation یا blood money دینی پڑے گی۔

(2) قتل شبہ عمد : کسی نے ایسی چیز سے مارا جو عموماً قتل کے لیے موضوع نہیں یعنی اُس کام کے لیے بنایا نہیں گیا ، مثلاً کسی نے لٹھ سے مار دیا۔ ایک مرتبہ مولوی لطف اللہ صاحب اور مولوی افضل حسین صاحب میں بندوق سے مارنے کے متعلق بحث تھی۔ مولوی لطف اللہ صاحب اِس کو شبہ عمد (unintentional) سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے خیال میں گولی آلۂ جارحہ نہیں ہے یعنی کاٹنے والی چیز نہیں ہے بلکہ صدمہ سے پھاڑتی اور مارتی ہے۔ مولوی افضل حسین صاحب کہتے تھے کہ گولی سے زیادہ کوئی چیز بالارادہ قتل پر دلالت نہیں کرتی۔ تلوار سے بچنا ممکن ہے مگر بندوق سے بچنا مشکل ہے۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔ عمد اور شبہ عمد کا دار و مدار ، ارادے پر ہے۔ گولی سے زیادہ کوئی دوسری چیز پختہ ارادۂ قتل پر دلالت نہیں کرتی۔ اس کی سزا وارثوں کو دیت دینا ، غلام کا آزاد کرنا ہے۔ اور غلام آزاد نہ ہو سکے تو پے درپے دو مہینے تک روزے رکھنا ہے۔ مزید یہ کہ قاتل اگر مقتول کی وراثت کے دائرہ میں آتا بھی ہے تو وہ وراثت کے اس حق سے بھی محروم رہے گا۔

(3) قتلِ خطا : غلطی اور چُوک سے کسی کا مارا جانا۔ مثلاً شکار سمجھ کر دور سے ہرن کا نشانہ لیا لیکن قریب پہنچنے پر وہ آدمی نکلا۔ یا جنگ میں کسی کو کافر سمجھ کر گولی ماری اور وہ مسلمان نکلا۔ یا نشانہ لگانے کی پریکٹس کررہا تھا کہ گولی کسی آدمی کو لگ گئی۔ اس کی سزا بھی ترکہ یعنی جائیداد سے محرومی ، دیت اور غلام کا آزاد کرنا ، اور نہ ہو تو دو مہینے تک روزے رکھنا ہے۔

(4) شبہ خطا : یہ خطا کے قائم مقام ہے۔ مثلاً ایک آدمی سوتا ہوا دوسرے آدمی پر آگرا جس سے وہ مر گیا۔ اِس کا حکم بھی قتلِ خطا کا ہے۔

(5) قتل بالسبب : راستہ میں کنواں کھودا اور اس میں ایک آدمی گر کر مر گیا۔ احناف کے پاس نہ اس میں دیت ہے نہ کفارہ ، نہ میراث سے محرومی۔ جب کہ شوافع کے پاس اس صورت میں کفارہ اور میراث سے محرومی ہے۔

☆ قصاص

- آج کل جھوٹے رحم کی ایک ہوا ہے کہ بہہ رہی ہے۔ یعنی قصاص لینے کو بے رحمی اور سخت دلی سمجھنے لگے ہیں۔ حکام ، قتلِ عمد (deliberate murder) پر بھی عمر قید یا بیس (20) سال قید کی سزا دیتے ہیں۔لیکن ہوتا کیا ہے کہ بدمعاش ، بدطینت لوگ ، ظلم وستم کرنے والے دوسرے کو مار ڈالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چند روز قید بھگت کرکے" آزادی کی سالگرہ " میں عام معافی کے تحت چھوٹ جائیں گے۔ یاد رکھو یہ رحم نہیں ہے۔ یہ غریبوں پر ظلم وستم ہے۔ اللہ فرماتا ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ یعنی قصاص لینے میں تمھاری بڑی زندگی ہے(سورۃ البقرۃ آیت 179)۔ قتل کا ارادہ کرنے والا جب سمجھتا ہے کہ میں کسی کو ماروں گا تو قصاص میں میری جان بھی جائے گی تو وہ ہرگز قتل نہ کرے گا۔ اس طرح دونوں کی جان بچ جائے گی۔ یعنی مقتول اور قاتل کی۔

- بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر قاتل صرف قتل کا مرتکب ہو تو اس کو صرف قتل کرنا چاہیے۔ اگر قتل کے ساتھ غارت گری بھی کی ہو تو بعد قتل ، عبرت کے خیال سے سولی پر لٹکایا جاسکتا ہے ، یا ایک ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ دیا جاسکتا ہے۔ اگر صرف مال لوٹا ہو تو اس کا ایک ہاتھ اور دوسری طرف کا پیر کاٹ دیا جاسکتا ہے۔ اگر صرف لوگوں کو ڈرایا ہو تو اس کو شہر بدر کیا جاسکتا ہے یا قید کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے مقام سے جدا رکھنے میں ، شہر بدر کرنے سے کم نہیں ہے۔ ان سب صورتوں میں گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کرلیں تو معافی کی امید ہے۔ گرفتار ہونے کے بعد حقوق العباد ، خواہ مالی ہوں یا جانی ، عدالت اس کی سزا سنائے گی۔

☆ دیت یعنی compensation کیا ہے؟

- سو (100) اونٹ ، یا ہزار (1000) دینار ، یا دس ہزار (10,000) درہم۔ امام شافعی کے پاس بارہ ہزار (12,000) درہم ہیں۔ دیت تین سال میں بتدریج قاتل کے کنبہ اور قوم سے ، جسے "عاقلہ" کہتے ہیں ، لی جاسکتی ہے۔ جو لوگ نفع و نقصان میں شریک ہوتے ہیں وہ اس کے عاقلہ ہوتے ہیں۔ خاندان کا ایک ہونا شرط نہیں۔ جہاں عاقلہ نہ ہوں وہاں ابو بکر عصم کے پاس دیت کی تمام ذمہ داری قاتل پر ہے۔

☆ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 36 تا 38 پارہ 5 صفحہ 75 تا 77 پارہ 6 صفحہ 78 اور پارہ 8 صفحہ 54 ، 55 ☆

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! خودپسندی چھوڑو۔ نفس پرستی چھوڑو۔ غور کرو یہ سب کچھ کیا ہے۔ روپے پیسے کی پوجا! دھن دولت کی پوجا! عہدیداروں کی پوجا! دشمنوں سے ڈرنا! افسوس اب گائے کا گوشت کھانے والے (مسلمان) گائے کا مُوت پینے والے (ہندو) سے ڈر رہے ہیں! یہ سفید چمڑی والوں کو تو معبود سے کیا کم سمجھتے ہیں! اللہ کے بندے ہو تو اللہ ہی سے ڈرو۔ اسی سے مانگو۔ دوسروں کے ہاتھ میں دھرا ہی کیا ہے۔ دوسروں کے پیروں پر گر جاتے ہو اور اللہ کو سجدہ نہیں کرتے۔ تم نے خدا کے لیے اب چھوڑا ہی کیا ہے؟ زر پرستی اور مخلوق پرستی تمھارا شیوہ ہے۔ توبہ کرو۔ اللہ کی طرف مڑو ---۔ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللهِ۔

حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 27 صفحہ 7

☆ ابولہب جس کا نام عبدالعزیٰ تھا، حضورؐ کا چچا تھا۔ اسلام کے خلاف وہ اور اس کی بیوی، اُمِ جمیل سب سے پیش پیش تھے۔ روز نیا فتنہ برپا کرتے اور دوسروں کو بھڑکاتے۔ مگر ہوا کیا؟ اسلام برابر ترقی کرتا گیا، ہر طرف پھیلتا گیا۔ ان کی فتنہ انگیزی انھیں کے گلے میں پھانسی بن کر پڑی۔ اس کے ایک بیٹے سے حضورؐ کی ایک صاحبزادی بیاہی گئی تھیں مگر اس نے انہیں بہت ستایا اور پھر طلاق دے ڈالی۔ حضورؐ نے دعا کی۔ پھر ہوا یہ کہ وہ لوگ سفر کرتے تو اس کے گرد سپاہیوں کا حلقہ ہوتا۔ سوتے تو اس لڑکے کو بیچ میں سلاتے۔ ایک دفعہ شیر آیا، بیچ میں سے اسی لڑکے کو اٹھا کر لے گیا۔ نہ تدبیریں کام آئیں نہ دھن دولت۔ رسولِ خدا کا چھوڑا ہوا تیر کیوں کر خطا کرتا۔ ابولہب مرا اور ایسی بری موت مرا کہ تمام جسم سڑ گیا۔ بدبو پیدا ہوگئی۔ چند لوگ بلائے گئے جنھوں نے اسے لیجا کر زمین میں دبایا۔ اتنی سزا بس نہیں۔ آخرت میں بھی یہ شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا۔ اسلام کا بول بالا، کافروں کا منہ کالا ---!

حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 30 صفحہ 192، 193

47 - طلاق و مہر

☆ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ------ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيۡمٌ ط (سورۃ البقرہ آیت 229 تا 231)

(1) اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ط طلاق (رجعی) دو ہی ہوتی ہیں۔ (یعنی وہ طلاق جس میں میاں بغیر تجدید کے رجوع کر سکتا ہے دو ہی ہیں)۔ (سورۃ البقرہ آیت 229 کا حصہ)

(2) فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَا ط پھر (اگر ان دو طلاقوں کے بعد) اور ایک طلاق دے دی تو اس کے بعد وہ عورت ہرگز حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ عورت کسی اور شوہر سے نکاح کرلے۔ پھر اگر وہ (دوسرا شوہر) بھی اس کو طلاق دے دے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ (نئے سرے سے پھر نکاح کی طرف) رجوع کریں۔ (سورۃ البقرہ آیت 230 کا حصہ)

☆ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ط

❁ اور عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی سے ادا کرو۔ (سورۃ النساء آیت 4 کا حصہ)

☆ وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ------------------

------------------ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ط (سورۃ النساء آیت 24، 25)

☆ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ ------ يُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِكَ اَمۡرًا ط

(سورۃ الطلاق آیت 1)

- نکاح، ایک دائمی معاہدہ ہے۔ لیکن بعض دشواریوں کی وجہ سے کبھی ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ اسی کا نام طلاق ہے۔

☆ طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ (1) طلاقِ رجعی (2) طلاقِ بائن (3) طلاقِ مغلظہ

- ایسی طلاق جس میں بغیر نکاحِ جدید کے میاں اپنی بیوی کو رجوع کرسکتا ہے، طلاقِ رجعی کہلاتی ہے۔ یہ صرف دو (2) مرتبہ ہوسکتی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

- ایسی طلاق جس میں میاں بیوی ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے ہیں لیکن اگر پھر ملنا چاہیں تو اس کے لیے نکاحِ جدید اور مہر جدید کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ "طلاقِ بائن" کہلاتی ہے۔ اس طلاق کے الفاظ میں شدت و قوت ہوتی ہے۔ مثلاً تم اپنے میکے چلی جاؤ ، آج سے تمھاری مہار تمھاری گردن پر یا جدا کر دینے والی طلاق یا پہاڑ برابر طلاق ، کے الفاظ۔

- تیسری طلاق ، طلاقِ مغلظہ ہوتی ہے جس کے بعد عورت بالکل آزاد ہو جاتی ہے۔ اگر مرد اس سے دوبارہ نکاح کرنا بھی چاہے تو ہرگز نہیں کرسکتا۔ ہاں! عورت اگر کسی اور مرد سے نکاح کرلے اور وہ اسے طلاق بھی دے دے تو پھر پہلے مرد سے بالکل نئے سرے سے سلسلہ ازدواج شروع کیا جا سکتا ہے۔

- شریعت کے مطابق طلاق دینے کا درست طریقہ یہ ہے کہ طُہر یعنی پاکی کے زمانے میں شوہر ایک طلاق دے۔ مہینے بھر میں میاں بیوی کا غصہ نہ اترا اور باہمی ناخوشی قائم رہی تو دوسرے طُہر میں پھر اور ایک طلاق دے۔ اگر اس مہینے میں بھی غصہ نہ اترا اور ملاپ کی کوئی صورت نہ پیدا ہوسکی تو پھر طُہر ہی میں ایک اور طلاق دے گا جو تیسری اور آخری ہوگی۔

- اگر دو یا تین طلاقیں بیک وقت دے دی جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن یہ نامناسب طریقہ سمجھا جائے گا۔ رسول خدا ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانے میں طلاق ، طلاق ، طلاق ، کے تین (3) بار کہنے کو تاکیداً کہنا کہا جاتا تھا۔ اور مقصود ایک ہی طلاق رہتی۔ مگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں محاورہ بدل گیا۔ آپ نے زبان دانوں سے مشورہ کیا تو سب نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ لفظ کی تکرار "تاکیداً" نہیں ہے بلکہ "تجیزاً" ہے۔ چناں چہ ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوں گی۔ اس مقام میں علماء کو بہت غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ اور وہ رسول خدا ﷺ کے دین کو سمجھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ یا کوئی اور اسے منسوخ کرسکتا ہے۔ یہ ان کی ذاتی کم فہمی ہے جو واجب الاحتراز ہے ، unacceptable ہے۔

- طلاق کے زمانے میں بیوی ، میاں کے گھر رہے گی۔ اور شوہر اس کا خرچ اٹھائے گا۔ اس طرح گذارنے کو عدت کہتے ہیں۔ عدت میں بہت سے فائدے ہیں۔ نسل میں خلط ملط نہیں ہوتا۔ طلاق یافتہ عورت اس مدت میں اپنے رشتے داروں کو طلب کرسکتی ہے۔ طلاق کی صورت میں عدت کا وقت

تین (3) ماہ ہے۔ اگر خاوند مرگیا ہو تو عدت کی یہ مدت ، چار ماہ دس دن کی ہے۔ اگر عورت حاملہ ہو تو عدت کا وقت ، بچے کی ولادت تک ہو جائے گا۔ مرد کو پورا مہر ادا کرنا ہوگا۔ البتہ میاں بیوی کی صورت ایک رات بھی نہ گذری ہو تو مہر کی ادائیگی آدھی ہو جائے گی۔

- صاحبو! عورتوں کو مہر دینے کا قاعدہ اسلام کا جاری کیا ہوا ہے۔ شوہر سے طلاق یا اس کی موت کی صورت میں عورت کے لیے نان نفقہ کا انتظام کرنا بھی اسلام کا دیا ہوا طریقہ ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ عورتیں خاوند کے طلاق دینے یا اس کی موت کے بعد اپنی حالت سنبھال سکیں۔

- مہر ، دو قسم کا ہوتا ہے۔ (1) مہر معجّل : وہ رقم ، مال یا جائیداد جو نکاح کے ساتھ ہی دے دی جائے مہر معجّل کہلاتی ہے۔ (2) مہر موجل : وہ ، جو طلاق اور شوہر کی موت کے بعد واجب الادا ہو۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پاس زیادہ سے زیادہ مہر کا کوئی تعین نہیں ہے لیکن کم سے کم کے لیے دس درہم مقرر ہیں۔ دوسرے ائمہ کے پاس ہر وہ چیز جو قیمت رکھتی ہے مہر بن سکتی ہے۔ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ ہوا ہو تو" مہر مثل " یعنی اس عورت کے خاندان کی عورتوں کا مہر واجب ہو جائے گا۔

- صاحبو! آج کل ایک فتنہ ہے جو پھیل گیا ہے کہ قاضی صاحب کی فیس تو بالکل نقد ہے۔ دولھا کے گھوڑے جوڑے کی رقم بھی نقد ہے۔ لیکن عورت کا مہر۔۔۔! وہ اکثر طلاق کی صورت ہی میں دینا پڑتا ہے۔ پھر مہر باندھا جاتا بھی ہے تو اتنا عظیم الشان کہ مرد ادا کرنا بھی چاہے تو نہ دے سکے۔ اس کا نتیجہ کیا ہے ؟۔۔۔ میاں اور بیوی میں نبھتی نہیں ، زندگی وبال بن گئی ہے لیکن مرد طلاق نہیں دیتا۔ کیوں۔۔۔؟ کیونکہ طلاق دے گا تو عظیم الشان مہر واجب الادا ہوگا۔ اور مہر کے قرضہ میں آدھی ماہوار با ندھ دی جائے گی۔ یوں عورتوں کی زندگی ایسی کہ نہ انھیں رکھنا ہے ، نہ طلاق دینا ہے۔ خیر! ایک زمانے تک تو مرد ظلم و ستم کرتے تھے مگر اِس زمانے میں عورتوں کے ظلم و ستم کا رواج ہوگیا ہے۔ آج کل خاوند بیوی کے درمیان نہ محبت ہے نہ ایک دوسرے کی کوئی عزت۔ آگ لگے ایسی آزادی کو۔۔۔!

- سورۃ البقرہ کی آیت 229 میں یا سورۃ النساء کی آیت 4 میں عورت اپنا مہر معاف کردے یا واپس کردے تو اسے جائز بتایا گیا ہے۔ لیکن سورۃ النساء کی آیت 20 میں اس کے برخلاف ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ

اگر عورت کی شرارت ہے یا اس کی کراہت ہے اور مرد بے قصور ہے تو مہر کی معافی مناسب ہے۔ اور اگر مرد کی شرارت ہے اور عورت بے قصور ہے تو عورت کو مہر کی معافی پر مجبور کرنا ناجائز ہے۔

- رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک صحابیؓ نے اپنی بیوی کو مہر میں باغ دے دیا تھا۔ لیکن خاتون کو اپنے میاں سے کچھ کراہت سی تھی ۔ چناں چہ انھوں نے دربارِ نبوتؐ میں خلع کی درخواست پیش کی۔ آپؐ نے اس عورت کو باغ واپس کرنے اور خلع کا حکم دیا۔

- آج کل مسلمانوں میں ایک یہ بھی غلط فہمی ہوگئی ہے کہ خلع میں مرد مجبور نہیں۔کیا جاسکتا۔ دیکھو قاضی کیا ہوا ، ایک ناصح ہوگیا کہ بس اس نے خلع کا مشورہ دیا اور بیٹھ گیا۔ حالانکہ اکثر صورتوں میں ضرورت پڑنے پر قاضی اس مرد کا قائم مقام ہو کر بذاتِ خود طلاق دے گا۔

- صاحبو! واضح ہو کہ طلاق صرف مسلمانوں کے مذہب میں ہے۔ مرد طلاق دے سکتا ہے اور عورت خلع طلب کرسکتی ہے۔ اسلام میں ایک حد تک مردوں کو بھی آزادی ہے اور عورتوں کو بھی۔ یہ بھی خوب یاد رکھو کہ طلاق ، اگرچہ جائز ہے ، مگر بد ترین جائز ہے ، ناپسندیدہ ترین فعل ہے۔ عیسائیوں کے پاس زنا ثابت ہونے پر ہی طلاق ہوسکتی ہے۔ یہ کیا بے حیائی کی جدائی ہے ---! لیکن اب ، بعض غیر مسلم بھی مسلمانوں کا دیکھا دیکھی طلاق کو ماننے لگے ہیں۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 93 تا 102 پارہ 4 صفحہ 113 ، 114 ، 138 تا 140

پارہ 5 صفحہ 1 تا 6 اور پارہ 28 صفحہ 76 تا 78﴾

48- عورت کا مقام

☆ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ۔ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ط

اور ان عورتوں کو بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کو ہے۔ اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔ اللہ تو عزت و حکمت والا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 228 کا حصہ)

☆ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط

مرد عورتوں کے حاکم ہیں (ذمہ دار ہیں) اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس وجہ سے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔

(سورۃ النساء آیت 34 کا حصہ)

- میں اس وقت چند اشارات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ دیکھیں! محبت، عرشِ اعظم سے اترتی ہے اور دلوں میں متمکن ہوتی ہے۔ محبت کیا کرتی ہے۔۔۔؟ محبت امتیاز کو مٹاتی ہے، اتحاد کو پیدا کرتی ہے، دو کو ایک کرتی ہے۔ توحید کی روح، محبت ہے۔ ذرا غور کرو، کہ ماں باپ کی اولاد، بھائی بہن کہلاتی ہے۔ بھائی بہن کی اولاد، بھتیجا بھتیجی اور بھانجہ بھانجی ہوتی ہے۔ وہ کون ہے جو یہ کہہ سکے کہ میری اولاد تیری ہے اور تیری اولاد میری۔ وہ 'میاں بیوی' ہیں۔ محبت نے دونوں کو ایک کردیا ہے، غیریت کو مٹا دیا ہے۔ من تو شدم تو من شدی ہو گیا ہے۔ روپیہ پیسہ رشتہ داروں نے دیا اپنی آبرو کسی نے نہ دی۔ صرف بیوی ہے جو اپنی آبرو سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ افسوس اس زمانے میں محبت شہر بدر کردی گئی ہے۔ لہٰذا وہ اگلی سی شیرینیٔ محبت باقی نہیں رہی۔ جدھر دیکھو تلخی، ناگواری، دشمنی اور عداوت ہے۔

- صاحبو! کبوتر کبوتری ، چڑا چڑیا ایک آشیانہ میں رہتے ہیں۔ اپنے بچوں کو پالتے ہیں۔ دانہ بدلی کرتے ہیں۔ اپنے پیٹ میں سے نکالتے ہیں اور بچوں کو کھلاتے ہیں۔ میاں بیوی کو بھی ایک گھر میں رہنا اور بچوں کو پالنا چاہیے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی اپنا وقت کسی کو دیتا ہے تو اس کی پرورش اس کے آقا کے فرائض میں داخل ہوجاتی ہے۔ ذرا عورت کی فطرت پر غور کرو۔ شادی کے بعد بیوی امید سے رہتی ہے ، اس کو دن چڑھ جاتے ہیں۔ طبیعت پر ناگواری آجاتی ہے۔ بار بار اس کو زمین دیکھنا پڑتا ہے۔ ایسی حالت میں کام کاج کرنا دشوار ہوجاتا ہے۔ اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہوجاتا ہے۔ جب نورِ نظر ظاہر ہوتا ہے ، لختِ جگر پیدا ہوتا ہے تو رضاعت اور دودھ پلانے کا زمانہ آجاتا ہے۔ اور جدید روح کی پرورش بھی لازم ہوجاتی ہے۔ کوئی سچ کہے ، ایمان داری سے کہے کہ اس کا مالی بار کون اٹھائے گا۔۔۔؟ بے شک شوہر اٹھائے گا۔ میاں کمائے گا اور بیوی بچے کھائیں گے۔ لہٰذا عورتوں کے کیا فرائض ہونے چاہیے۔۔۔؟ گھر داری ، بچوں کو پالنا ، ان کی تعلیم اور تربیت میں دلچسپی لینا۔ مگر افسوس اب کیا ہو رہا ہے؟ ہوٹل میں کھاتے ہیں۔ ہاسپٹل میں تیمارداری کی جاتی ہے۔ ذم آسان ہوتا ہے تو کسی ڈاکٹر یا ڈاکٹرنی کے ہاتھوں بچہ پیدا ہوتا ہے تو ماں کا دودھ نصیب نہیں ہوتا۔ ماں کی گود نہیں ملتی۔ کوئی آیا بنا دی جاتی ہے۔ گائے بھینس کے دودھ کی شیشی اس بچے کے لیے پستانِ مادر بن جاتی ہے۔ پھر کیا ہوگا؟ جیسی روح ویسے فرشتے! جیسی آیا ، ویسی تربیت! گھوڑی کے بچے کو اگر بھینس کا دودھ پلایا جائے تو وہ کیچڑ میں بیٹھ جاتا ہے۔ بچہ ، بھینس کا دودھ پی کرانسانی صفات کا مظاہرہ کیونکر کرے گا؟ وہ ماں باپ سے کیونکر محبت کرے گا جب کہ ماں باپ کی آغوش میں پرورش ہی نہیں پائی؟

- آج کل تو صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ میاں بھی نوکر ، بیوی بھی نوکر۔ وہ اُدھر نوکری کے لیے نکلے ، یہ اِدھر۔ میاں بیمار ہیں ، تڑپ رہے ہیں ، بے قرار ہیں۔ اور بیوی فرماتی ہیں " میرے تو کلب جانے کا وقت ہوگیا ہے ، دیکھنا آیا! صاحب کی اچھی طرح خدمت کرنا "۔۔۔! پہلے بیویاں پکاتی تھیں ، خانہ داری کرتی تھیں ، کپڑے سیتی تھیں ، غیر مرد کے سامنے اپنے کپڑوں کو جانے نہ دیتی تھیں ، بعض تو گھر ہی میں کپڑے دھلوا لیتی تھیں۔ اب باورچی کھانا پکاتا ہے ، درزی کپڑے سیتا ہے ، دھوبی کپڑے دھوتا ہے یا کپڑے ڈرائی کلینر کے پاس جاتے ہیں۔ روپیہ برباد ، صحت برباد ، تربیت برباد۔ اب آرام کہاں؟ راحت کہاں؟ خوش حالی کس مقام میں۔۔۔؟

- صاحبو! اس اصولی بات کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھو کہ جس بات کی اور جتنی ضرورت ہے اس کا علم رکھنا چاہیے۔ ضرورت سے زیادہ فضول ہے۔ عورت کو ضرورت ہے کھانے پکانے کی ، دوا دارو کرنے کی ، اولاد کی پرورش کرنے کی ، ابتدائی تعلیم دینے کی ، ضروری لکھنے پڑھنے کی۔ بے شک اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ جس طرح مرد ، سپاہی ہوتا ہے یا ہونا چاہیے ، اسی طرح مسلمان عورت کو سپاہ گری سے کچھ حصہ ملنا چاہیے۔ جس طرح مردوں کے حقوق ، عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے بھی حقوق ہیں۔ لیکن اس کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ عورتیں بھی چار مردوں سے نکاح کرسکتی ہیں ، جس طرح کہ مرد چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ دیکھو جہاں " مِثْلُ " کا لفظ آیا ہے وہاں " بِالْمَعْرُوْفِ " کا بھی لفظ ہے۔ یعنی معلوم اور مشہور طریقے کے مطابق۔ اس طریقے کے مطابق جو حضور ﷺ کے زمانے میں رائج تھا۔ اس زمانے میں اگر روز نیا رواج پیدا کرلیں تو اس پر اسلامی ہونے کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ ذرا یہ بھی تو دیکھو کہ قرآن میں یہ بھی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے۔ وہ فوقیت کیا ہے۔۔۔؟ مرد پالنے والا ہے۔ پرورش کرنے والاہے۔ مالی بار اٹھانے والا ہے۔ اور جو مالی بار اٹھاتا ہے تو وہ حکومت بھی کرے گا۔

- صاحبو! آج کل جہاں ملکوں کی آزادی کا مرض عام ہو رہا ہے وہاں عورتوں میں بھی حریت و مساوات کی بیماری پھیل رہی ہے۔ ذرا کوئی دونوں کی فطرتوں پر غور کرے۔ مردوں کی پیدائش کے اغراض و مقاصد جدا ہیں اور عورتوں کے جدا۔ ایک کمانے اور کھلانے کے لیے پیدا ہوا ہے تو دوسرا میاں کی کمائی اٹھانے اورخرچ کرنے کے لیے اور اسے صحیح مقام پر صرف کرنے کے لیے۔ کیا عورت کمانے کے لیے پیدا ہوئی ہے۔۔۔؟ ہرگز نہیں۔ عورتوں کے سر میں آزادی کی یہ ہوا اس لیے بھری ہے کہ میاں نکلے نکھٹو اور بیوی نکلی کمانے۔ دیکھو اب یہ " بِمَآ اَنْفَقُوْا " کہاں ہے۔۔۔؟

- جو عورتیں مردوں کے برابر علم حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں ان کا دماغ ضعیف ہوجاتا ہے۔ وہ جننے اور پالنے کی قابلیت نہیں رکھتیں۔ پڑھتے دونوں ہیں مگر مردوں کی علمی قابلیت کہاں اور عورتوں کی کدھر؟ ایک آدھ عورت ، علمی لیاقت میں ممتاز ہوبھی گئی تو کیا ۔۔۔! حکم تو ، عمومیت پر ہی دیا جاتا ہے نہ کہ اس خصوصی حالت پر۔ بعض مرغیاں بانگ بھی دیتی ہیں ، لیکن ایسے اتفاقات پر کوئی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ کوئی بتائے ، کیا کوئی عورت پیغمبر بھی ہوئی ہے۔۔؟ دیکھیں! ہمیشہ باورچی ، ماما سے بہتر پکاتا ہے۔ درزی ، درزن سے بہتر سیتا ہے۔ گانے والی عورت سے ، گویا بہتر ہوتا ہے۔ مردوں سے

مقابلہ کرنے کا دعویٰ رکھنے والیاں کیوں جنگِ عظیم میں شریک نہیں ہوتیں۔ لاکھوں اور کڑوروں مرد لڑ رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔ کیوں مساوات کا دعویٰ کرنے والی یہ عورتیں بیٹھی تماشہ دیکھ رہی ہیں؟ ذرا میدان میں نکلیں اور کچھ اپنی شجاعت کے ہاتھ بتائیں ۔۔۔ یاد رکھو! مردوں کے ہتھیار جدا ہیں اور عورتوں کے ہتھیار جدا۔ ان کی نزاکت ، ان کا حسن ، ان کی ادائیں ، ان کا ہتھیار ہیں۔ عورتوں کو کیا ضرورت ہے کہ اپنے ہتھیار چھوڑ کر مردوں کے ہتھیار سے کام لیں۔ دیکھو ہر شخص کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔ میاں محنت کرے ، کمائے۔ بیوی سلیقے سے اس کا پیسہ خرچ کرے ، اپنے بچوں کو پالے۔ مرد اگر ڈاکٹر ہے تو بیوی نرس بنے۔ عورت اگر فطرت کے خلاف جدوجہد کرے گی تو ہرگز کامیاب نہ ہوگی۔ اب بچے دایا کے ہاتھ میں پلتے ہیں۔ ان کو ڈبوں کا دودھ ملتا ہے۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ شیرِ مادر کسے کہتے ہیں۔ ماں کی گود سے وہ واقف ہی نہیں۔ دایاؤں کی گود میں پلنے والوں کو بھلا عزتِ نفس ، اولوالعزمی اور خود داری کیسے مل سکے گی ۔۔۔؟

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 89 تا 92 اور پارہ 5 صفحہ 12 تا 16 ﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ روسی لوگ بُت پرست تھے ، ان کا ایک وفد تحقیق مذہب کے لیے جب قسطنطیہ پہنچا تو مذہبِ اسلام ان کو پسند آیا۔ ممنوعات میں شراب پینا بھی تھا۔ روسی وفد نے کہا کہ ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں بغیر شراب کے آرام سے نہیں رہ سکتے۔ علماء نے ترکِ شراب پر شدومد سے تاکید کی۔ جس کا نتیجہ روسیوں کا نصرانی ہوجانا تھا۔ اگر اُس وقت کفر کے مقابل نشہ سے خاموش ہوجاتے ، بڑے شر کے مقابل چھوٹے شر کو اختیار کرلیتے تو آج اتنی بڑی قوم اسلام کے ہاتھ سے نہ نکل جاتی۔۔۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایک ہی دفعہ میں شراب کو حرام کر دیتا۔ مگر نہیں اُس نے رفتہ رفتہ اس کو حرام فرمایا۔ علماءِ اسلام کو چاہیے کہ نومسلموں کو پہلے توحید کی پھر دوسرے اہم ارکان کی تعلیم دیں۔ ابھی غریب مسلمان ہوا کہ اسے فرض نمازوں کے ساتھ سنتوں کی بھی تاکید کی ، روزوں کے ساتھ تراویح بھی لگا دی۔ نہیں۔۔! ان سب کی پابندی آہستہ آہستہ کرنی چاہیے۔ غریب نومسلم پر اللہ کے واسطے رحم کریں۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - مقدمہ صفحہ 45 ﴾

49 - پردہ

☆ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی ط

اور اپنے گھروں میں بیٹھو اور جاہلیت کے طریقے کے مطابق بن سنور کے نہ پھرو۔
(سورۃ الاحزاب آیت 33 کا حصہ)

☆ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط

اور تم کوئی چیز ان (محترم خواتین) سے مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ (سورۃ الاحزاب آیت 53 کا حصہ)

☆ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ط

اے نبی! تم اپنی بیبیوں اور بیٹیوں اور مسلمان عورتوں کو کہدو کہ وہ اپنی چادروں سے اپنے آپ کو چھپا لیں۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ معلوم ہو جائیں گی کہ شریف خواتین ہیں اور وہ (بدمعاش لوگ) انہیں ایذا نہ دے سکیں۔ (سورۃ الاحزاب آیت 59 کا حصہ)

☆ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا ---------------------
----- وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ۔ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ط (سورۃ النور آیت 60)

- آج کل پردہ کے مسئلہ نے بڑی اہمیت اختیار کرلی ہے جو اسلامی اخلاق و عادات اور امتیازات کو نیست و نابود کر رہا ہے۔ اس مسئلہ میں لوگ مختلف خیالات اور مختلف عمل رکھتے ہیں۔ بعض قدیم اقدار کے پابند لوگ پردے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ لیکن بعض کے پیش نظر یورپ کا تمدن ہے۔ اور وہ اس کے نتائج کو بہ خوشی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بعض لوگ اس یورپی تمدن کے دلدادہ ہیں مگر ساتھ ہی اس کے نتائج سے بچنا بھی چاہتے ہیں۔ ان حضرات کو یہ جان لینا چاہیے کہ جب کوئی حقیقت آتی ہے تو اپنے لوازم کے ساتھ آتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ملزوم (dependant) آجائے اور لازم (essential) نہ آئے۔

- شرم و حیا ، عصمت ، اور پردہ ، اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہیں۔ اصولِ اسلام کے تحت مقدمہ یعنی معاملہ واجب کا واجب اور حرام کا حرام ہے۔ اسلام میں زنا اور اولاد کشی بدترین گناہ ہیں۔ اسلام کے مطابق مرد کو کمانا اور بیوی بچوں کی نگہداشت کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔جب کہ عورت ، حفظِ نسل اور تربیتِ اولاد کے لیے ہے۔ اسلام میں مرد ، عورت کو شریکِ زندگی قرار دیتا ہے۔ اس کی عزت و آبرو سمجھتا ہے۔ عورت کی جان و آبرو کی حفاظت کے لیے جو مرد اپنی جان و مال سے دریغ کرے وہ نہایت کمینہ اور رذیل تر سمجھا جاتا ہے۔

- اوپر بیان کردہ آیات ، پردے کو ثابت کرتی ہیں۔ پیغمبر کی ازواج کو گھر میں بیٹھنے کا حکم ہے۔ بن سنور کر باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔ جو حکم پیغمبر کو دیا جاتا ہے وہی حکم تمام امت کو دیا جاتا ہے۔ یہ حکم ہے کہ پیغمبر کی ازواج ، جو کہ مسلمانوں کی مائیں ہیں ، ان سے بھی کچھ مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ تو دوسری عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش بیٹھنے کا کیا حق ہے ۔۔۔؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ سے پوچھا "بیٹی! عورت کے لیے کیا بہتر ہے"؟ سیدۃ النساءؓ نے عرض کیا "وہ کسی کو نہ دیکھے اور نہ اس کو کوئی غیر مرد دیکھے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کیوں نہ ہو فاطمہ میری جگر گوشہ ہے"۔

- دیکھو! سورۃ الاحزاب کی آیت 59 کے اس حصے میں عَلَيْهِنَّ ہے جو پورے جسم پر دلالت کرتا ہے۔ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ، تمھارے دلوں کو اور ان کے دلوں کو یہ طہارت دلی کا ذریعہ ہے (سورۃ الاحزاب آیت 53)۔ اس سے دل پاک صاف رہتا ہے۔ سورۃ النور کی آیت میں حکم دیا جارہا ہے کہ جوان عورتیں تو ایک طرف ، بوڑھی عورتیں بھی اپنا چہرہ مردوں کو نہ دکھائیں۔ مگر آج کل کی مسلمان جوان عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں۔ بلکہ اس بے پردگی کو لوازمِ تہذیب میں سے سمجھتے ہیں۔ بعض محلے تو ایسے ہیں کہ وہاں کے رہنے والے ، پردہ کرنے والے لوگوں کو نہایت حقیر گردانتے ہیں۔ اور ان سے میل مراسم رکھنے سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں۔

- بعض لوگ کہتے ہیں کہ منھ ، ہاتھ اور پاؤں ظاہر ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر دیکھو یہ نماز کی حالت ہے ، نہ کہ غیر مردوں کے سامنے رہنے کی۔ آج کل تو یورپ میں یہ بھی ہوا چل رہی ہے کہ کپڑوں سے تو جسم کو برابر ہوا نہیں لگتی اور یہ مضرِ صحت ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کپڑے پہننا خلافِ فطرت

ہے۔ وہ خود کو جانوروں پر قیاس کرتے ہیں۔ ان کو ان کا یہ خیال مبارک ۔۔۔ ہمارے پاس تو انسان بڑے لطیف جسم کا ہے۔ جانوروں کی طرح اس کے جسم پر اتنے بال نہیں کہ اس کی حفاظت کر سکیں۔ ذرا سمجھ کر جواب دیں کہ گرمی سردی سے حفاظت کے لیے کپڑے پہننا فطرت کے خلاف ہے ، یا عینِ فطرت۔

- آج اللہ کی چند ہی پاک بندیاں ہیں جو سر سے پاوں تک کا پردہ کرتی ہیں۔ ورنہ برائے نام مسلمان عورتوں کی اب تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ جالی والے کپڑے پہنتی ہیں۔ وہ بھی بلاؤز ، جس میں سینہ اور دونوں ہاتھ اکثر بالکل کھلے ہوتے ہیں۔ موٹر کار میں پردہ نہ رہنا تو عام ہے۔ نکھٹو مرد اپنی بیویوں کو ساتھ لیے لیے پھرتے ہیں۔ کاروبار میں سفارش کے لیے عورتیں استعمال کی جاتی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ عورتیں سوئمنگ پول میں تیرتی ہیں ، اور مرد کنارے بیٹھ کر ان کا تماشا دیکھتے ہیں۔ درزی کے پاس گلے ، سینے اور کمر کا ناپ دینا کچھ بُرا نہیں سمجھا جاتا۔ مرد اپنی بیوی اور بیٹیوں کو لے کر سینما میں جاتے ہیں اور ان کو حیا سوز تماشے دکھاتے ہیں۔ میرے خیال میں عورتوں سے زیادہ قابلِ الزام ، بے حیا باپ اور بے غیرت شوہر ہیں۔ اکبر الہٰ بادی نے سچ ہی کہا ہے کہ " اب عورتوں پر سے پردہ اٹھ کر مردوں کی عقلوں پر پڑ گیا ہے "۔

- اب اس پر غور کرنا ہے کہ بے پردگی کا یہ فتنہ پیدا کیوں کر ہوا؟ ۔۔۔ غیر ضروری بلکہ مضر تعلیم۔ لڑکے اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم۔ عورتوں کا کمانے کے لیے نکلنا۔ بے پردہ کفار عورتوں کا مسلمانوں کے گھروں میں آنا۔ ان کی صحبتِ بد۔ فحش ناول۔ کام شاستر اور دیگر ادبِ لطیف ، جو حقیقتاً ادبِ خبیث۔ ناٹکوں اور ٹاکیز میں جانا۔ جس میں فحش بلکہ افحش ڈرامے دکھائے جاتے ہیں۔ نیم برہنہ لباس ۔ اداکاری کی تعلیم۔ شریف گھرانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کا ڈرامے کرنا۔ان سب کے نتائج کیا ہوئے؟۔۔ زن و شوہر میں محبت کا نہ رہنا۔ ضبطِ تولید۔ شادی سے کراہت اور اس سے اجتناب کرنا۔ امراضِ متعدی کا عام ہونا۔ جنسِ لطیف تو ایک طرف ، خود ہم جنسوں کا کمالِ اتحاد کرنا۔ یہ تمام وہ حالات ہیں جن سے قوم تباہ و برباد ہوجاتی ہے۔ مجھے تفصیلات میں پڑنے سے شرم آتی ہے۔ ماہنامہ ترجمان القرآن کا جز " پردہ اجتماعی اور شرعی نقطہ نظر سے " ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے منقولات میں سے اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ " جرمن سوشل پارٹی کا لیڈر Baybill کہتا ہے کہ مرد اور عورت آخر حیوان ہی تو ہیں ، کیا حیوانات کے جوڑوں میں نکاح ، وہ بھی دائمی نکاح کا کوئی سوال پیدا ہوسکتا ہے" ؟۔۔۔ یہ ہے ارتقائے

سلیکشن ہے نوشاہ کا سینما میں ہوئی دور شادی کی تیاریاں ہیں
نہ شوفر سے پردہ نہ بٹلر سے پردہ تو آیا کی بھی ناز برداریاں ہیں
کٹیں چوٹیاں سب کی فیشن کے ہاتھوں بس اب ناک کٹنے کی تیاریاں ہیں
معاذ اللہ ، معاذ اللہ یہ کیا جہل ہے ، کیا غلط کاریاں ہیں

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 46 تا 48 پارہ 8 صفحہ 82 پارہ 18 صفحہ 84 ، 85
اور پارہ 22 صفحہ 2 ، 3 ، 23 ، 24 ، 28 ، 29 ﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ مجتہد کے لیے ادب ، نحو ، صَرف ، قرآن ، تفسیر ، حدیث ، فقہ ، حدیث کے لیے اسماءِ رجال ، سیرتِ نبویؐ اور تاریخ و اُصولِ حدیث ، فقہ کے لیے اُصولِ فقہ ، محاورات و عادات و حرفِ زمانہ اور اسرار و حکمِ دین سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مجتہد کے کئی اقسام و درجات ہیں۔

(1) مجتہدِ مطلق : صاحبِ اُصول ، اس کا طریقِ استنباط اور استدلال جدا ہوتا ہے۔ جیسے امام ابو حنیفہؒ

(2) مجتہد فی المذہب : اس کے اُصولِ استنباط وہی ہوتے ہیں جو اُس کے شیخ کے ہوتے ہیں۔ مگر مسائل میں وہ شیخ کا خلاف بھی کرتا ہے۔

(3) مجتہد فی المسئلہ : کسی خاص مسئلہ میں صاحبِ تحقیق یا اگر کوئی نیا واقعہ پیدا ہو تو اس مسئلہ کا جواب دیتا ہے۔ مجتہد فی المسائل کا ہر زمانے میں رہنا ضروری ہے ورنہ دین کے کام بند ہو جائیں گے۔

(4) صاحبِ ترجیح : مجتہدینِ سابق کے مختلف اقوال میں ترجیح متعین کرتا ہے۔

☆ آخر میں مفتی کا درجہ ہوتا ہے۔ یہ اجتہاد نہیں کرسکتا۔ کتابیں الٹ پلٹ کر کے کسی نہ کسی کا قول نکال دیتا ہے۔ عام طور پر علماء ایسے ہی پائے جاتے ہیں۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - مقدمہ (جلداول) صفحہ 62 اور 63 ﴾

50 - اولاد کشی

☆ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۔ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ ۔ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ط (سورۃ الاسراء / بنی اسرائیل آیت 31)

اور اپنی اولاد کو ناداری (اور مفلسی) کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ ان کو قتل کر دینا یقیناً بڑی غلطی ہے۔

☆ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا م بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۔ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ط

کیسی خرابی (کیسی تباہی) میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے حماقت سے (بے وقوفی سے) بے علمی سے اپنی اولاد کو قتل کر دیا اور اللہ نے ان کو جو کچھ دیا تھا اس کو حرام کر دیا وہ بھی اللہ پر تہمت باندھ کر۔ وہ سب گمراہ ہو گئے۔ اور ان کی فطرت میں ہدایت ہی نہیں تھی۔ (سورۃ الانعام آیت 140)

- مشرکینِ عرب کے بعض ظالمانہ ، مجرمانہ اور بے اصل خیالات کی اللہ تعالیٰ مذمت فرماتا ہے۔ وہ کیا کرتے تھے؟ --- وہ منتیں مانتے کہ اس سال اگر فصل اچھی ہوئی اور جانور تندرست رہے تو ہم خدا کے نام پر یہ دیں گے اور دیوتاؤں کے نام پر یہ۔ خدا کا حصہ فقیروں کو دیتے اور بتوں کا حصہ مجاوروں کو اور پجاریوں کو دیتے۔ بتوں کے حصہ میں جو کچھ آتا وہ اپنے سوا کسی غریب کو نہ دیتے۔ جب کہ خدا کے حصہ میں جو آتا اس میں پجاری بھی شریک ہو جاتے۔ لڑکے لڑکیوں کو بتوں پر چڑھا دیتے۔ اور بعض تو اس بات کو بڑی غیرت اور عزت سمجھتے تھے کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیں۔ زمانۂ جاہلیت میں غربت اور عار و ذلت کے خیال سے بھی اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ یہ یقیناً بہت ہی سخت دلی (cruelty) اور قساوت (brutality) کا کام تھا۔

- صاحبو! موجودہ زمانے میں کیا اولاد کشی نہیں ہے۔بے شک ہے۔ اس کی تصدیق چاہتے ہو تو کسی ایماندار ڈاکٹر سے پوچھو کہ ناجائز محبت کے کتنے پیٹ گرائے گئے ہیں ، abortions کیے گئے ہیں۔۔۔! اور کتنے بچے (پیدا ہوتے ہی) مار ڈالے جاتے ہیں۔۔۔! میں تو ضبطِ تولید(family planning) کو بھی اولادکشی کی ایک صورت سمجھتا ہوں۔ اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ خدا اس زمانے کے شر سے بچائے۔

- آپ سمجھتے ہونگے کہ بتوں پر بھینٹ چڑھانا ہی خودکشی ہے۔ یا لڑکیوں کو زندہ درگور کردینا ہی اولاد کشی ہے۔ جی نہیں! اپنی اولاد کو تعلیم نہ دینا ، ان کی تربیت نہ کرنا یا غلط تربیت کرنا یا بے علم رکھنا یہ سب قتلِ نفس یعنی human killing میں داخل ہے۔انہیں غیر مسلموں کے زیر اثر رکھنا اور ان کو بورڈنگوں میں رکھنا بھی اولادکشی ہے۔ جس کو دینی تعلیم نہیں دی گئی ، در اصل وہ مُردہ ہے۔ اسلامی تہذیب سے واقف نہ ہونا ، یہ بھی مَوت کی ایک صورت ہے۔ اسلام سے ، اسلامی تعلیم سے بے بہرہ رہ کر جینا ، مرنے کے برابر ہی ہے۔

- خیال کیا جاتا ہے کہ بڑی ترقی کی۔ بڑی دولت جمع کی۔ نام مسلمانوں کا رکھ لیا۔ مگر یاد رہے! ہمارا مطلوب تومسلمانوں کی ترقی ہے۔ غیر مسلموں کی ترقی سے ہم کو کیا حاصل ۔۔۔؟ توبہ کرو۔ دینی تعلیم سیکھو۔ اسلامی اقدار پیدا کرو۔ اسی وقت تمھاری ترقی باعثِ مسرت ہوگی۔

﴾ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 8 صفحہ 33 تا 35 پارہ 14 صفحہ 81 ، 82 اور پارہ 15 صفحہ 23 ، 24 ﴿

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! اگر تمام مسلمان کسی حکمِ شرعی پر اتفاق کرلیں تو اس کو اجماع کہتے ہیں۔(خلفائے راشدین کے ادوار میں احکامِ شرعی پر جو تمام اتفاق ہوے وہ اجماع کہے جاتے ہیں)۔ اجماع ہوجانے کے بعد دوسرے مسلمانوں کو اس سے اختلاف نہیں کرنا چاہیے۔ حدیث میں آیا ہے لَاتَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ میری امت گمراہی پر کبھی اتفاق نہ کرے گی۔مگر ہر اجماع کا ایک ماخذ ہونا چاہیے یعنی وہ مسئلہ ، قرآن اور حدیث سے ثابت ہو۔ اجماع کا فائدہ یہ ہے کہ وہ حکم تاکیدی اور یقینی ہوجاتا ہے۔ اس پر عمل کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

﴾ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 5 صفحہ 96 ﴿

51 - اسراف

☆ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ط

اور جو لوگ دکھاوے میں اپنا مال صرف کرتے ہیں نہ انھیں اللہ پر ایمان ہے نہ روزِ جزا پر۔اور جس کا ساتھی شیطان ہو وہ بُرا ساتھی نہ ہوگا تو کیا ہوگا؟

(سورۃ النسآء آیت 38)

☆ وَلاَ تُسْرِفُوْا ۔ اِنَّهٗ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ط

اور اسراف نہ کرو۔ کیونکہ وہ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(سورۃ الانعام آیت 141 کا حصہ)

- صاحبو! آج کل کے مسلمانوں پر غور کرو کہ ان کی کیا حالت ہے۔ اسراف اور فضول خرچی مسلمانوں کا شیوہ بن گیا ہے۔ پیدا ہونے کے دن سے مرنے تک ہر چیز میں اسراف۔ چھٹی ، چھلہ ، ختنہ ، سالگرہ بسم اللہ ، شادی بیاہ ، بات بات پر رسم ، اور اس پر فضول خرچی۔ جسے دیکھو بے جا رسوم اور اسراف میں گرفتار ہے۔ سود کے پیسے سے روزہ کشائی ہو رہی ہے ، تسمیہ خوانی یعنی نام رکھائی کے لیے تقریب بھی کی جا رہی ہے ، حتیٰ کہ عرس تک ہو رہے ہیں۔ اول تو قرض لینا ہی کوئی اچھی بات نہیں۔ پھر سودی قرض سے غیر ضروری کاموں میں خرچ ، اور وہ بھی عبادت کے کاموں میں ۔۔۔! نیکی برباد ، گناہ لازم۔

- ہماری شادیوں کا کیا حال ہے۔ لوگ کہتے ہیں ہمارے باپ دادا نے ہماری شادی میں اتنے روپے لگائے۔ ہماری بہن کو ہم نے اتنے جوڑے دیئے ، اتنا زیور دیا۔ اگر ہم ویسی شادی نہ کریں تو ہم سے لوگ کیا کہیں گے؟ پہلا سوال جو دولھے والوں کی طرف سے ہوتا ہے وہ یہ کہ کیا دیں گے؟ کیا موٹر کار دیں گے؟ گھوڑے جوڑے کے کتنے ملیں گے؟ ولایت کو بھجوا کر تعلیم دلوائیں گے؟ اس قدر روپیہ حکامانِ بالا کو دینے کے بعد نوکری مل سکتی ہے تو اتنی امداد کر کے کیا آپ ہم کو نوکر رکھوا سکیں گے؟

غرض کہ یہ سب نکھٹو مردوں کے مطالبات ہیں۔ عورت کا مال ڈھونڈتے ہیں۔ پہلے مرد پالتا تھا۔ اب عورتوں کے مال پر مرد پلتے ہیں۔ اور جو ان مطالبات کو پورا نہیں کرسکتے ان کی بیٹیاں بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ ہمارے زمانے کا ایک واقعہ ہے جو عبرت خیز بھی ہے۔ ایک صاحب کی لڑکی کی عین شادی کے وقت ساہوکار (money lender) نے قرض دینے سے انکار کر دیا۔ اس بدنصیب نے خود کشی کر ڈالی۔ افسوس! مسلمانوں کا خون کالی جونکیں پی رہی ہیں جن کا نام ساہوکار، بنیا اور banker ہے۔ مگر بعض خدا کے ایسے بندے بھی ہیں جنھوں نے شادیوں کو شرعی اصول کے مطابق ہی انجام دیا۔ ان کے حق میں شادی، شادی رہی۔ خانہ آبادی رہی، نہ کہ بربادی۔ بہر حال مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اس پر جلد توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

- مسلمانوں کے پاس پہلے دولت تھی، حکومت تھی تو انھیں سخاوت اور generosity پر برانگیختہ کیا جاتا تھا انھیں داد و دہش اور lavishness پر متوجہ کیا جاتا تھا۔ تمام لوگ نصیحت کرتے کہ سخاوت کرو، سخاوت اچھی چیز ہے۔ لیکن اب مسلمانوں کے پاس دولت کہاں؟ عزت کہاں؟ سب نذرِ آرام طلبی اور اسراف ہوگیا۔ اب ضرورت ہوگئی ہے کفایت شعاری کی، تعلیم کی، بے جا صرفوں سے روکنے کی، میانہ روی کو پیش نظر رکھنے کی۔ اب وقت ہے کہ سب کو نصیحت کریں کہ اسراف ہرگز نہ کرو۔ مال جمع کرو۔ مال ہی سے جمال ہے، مال ہی میں کمال ہے۔ یاد رکھو بے دولت کی کچھ عزت نہیں۔ ذرا دیکھو تو! کہ "بھری تھیلی کھڑی رہتی ہے اور خالی تھیلی پڑی رہتی ہے"۔۔۔ آج کل اصلاحِ رسوم کے دعوے تو بہت ہی لمبے چوڑے کیے جاتے ہیں مگر عمل کے وقت صفر ہی صفر رہتا ہے۔ اب اصلاح کے لفظ کا وظیفہ خوب ہی پڑھا جاتا ہے۔ اتنی مرتبہ اللہ کا نام بھی نہیں لیا جاتا جتنی دفعہ اصلاح، اصلاح کا لفظ کہا جاتا ہے۔

- مسلمانو! خدا کے لیے اپنے آپ پر، اپنے بیوی بچوں پر رحم کرو۔ اور اسراف اور بے جا خرچنے سے احتراز کرو۔ دیکھو! سورۃ الاسراء آیت 27 میں تم کو اللہ کیا فرماتا ہے ۔۔۔ اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ!

اٹھو اٹھو یہ خوابِ غفلت کب تک

جاگو جاگو، اجل کمین گاہ میں ہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ.

﷽ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 5 صفحہ 21 تا 23 پارہ 8 صفحہ 36، 37۔ پارہ 15 صفحہ 22، 23 اور پارہ 19 صفحہ 23، 24 ﷽

52 - خیر خیرات

☆ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ۔ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ط

(لوگو!) تمھیں ہر گز نیکی نہ ملے گی جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز میں سے کچھ خرچ نہ کروگے۔ اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اللہ کو اس کا خوب علم ہے۔

(سورۃ ال عمران آیت 92)

☆ وَاَنۡفِقُوۡا مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ فَیَقُوۡلَ رَبِّ لَوۡ لَاۤ اَخَّرۡتَنِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَکُنۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ ط

اور تم ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے پھر اسے کہنا پڑے کہ خدایا تو نے مجھے تھوڑی مہلت نہیں دی کہ خیر خیرات کرلیتا اور نیکوں میں سے ہو جاتا۔ (سورۃ المنافقون آیت 10)

- صاحبو! انسان کا عقیدہ بھی درست ہونا چاہیے اور ساتھ ہی اس کے اعمال بھی۔ اعمال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ، اپنی ذات سے متعلق ہیں۔ دوسرے ، دوسروں سے متعلق ہیں۔ دوسری صورت میں مال صَرف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے علاوہ کسی اور کی طرف التفات مت کرو۔ متوجہ مت ہو۔ یہ توحیدِ اعتقادی ہے۔ اور ایک توحید فی الارادہ فی العمل ہے۔ آدمی اپنی ذات کے متعلق تو لڑ بھڑ کر کچھ کام کرہی لیتا ہے۔ مگر بڑی دشواری تو اس وقت واقع ہوتی ہے جب دوسروں کے حقوق کا وقت آتا ہے۔ یہ ایک صورت ہے توحید فی الارادہ کی ، توحید فی العمل کی۔ مگر مال بڑا جال ہے، بڑا ہی جنجال ہے۔ اس کو چھوڑنا بڑا مشکل کام ہے۔

- دیکھو! مِنۡ مَّا رَزَقۡنٰکُمۡ پر غور کرو۔ تمھارا ہے کیا؟ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پھر اللہ کا مال اللہ کے نام

پر دینے سے کیوں پیچھے ہٹتے ہو؟ اس سے بڑی غلطی کیا ہوگی کہ دوسرے کے مال کو اپنا مال سمجھیں۔ اور اس کے حکم پر اس کا مال دینے سے کترائیں۔ تمام عیوب کی جڑ اپنے کو کسی چیز کا مالک سمجھنا ہے۔ بندے کے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ یہ نہ دیتا ہے نہ لیتا ہے۔ دیتا تو خدا ہے۔ لینے کی بھی طاقت کس میں ہے؟ جب ہاتھ میں پکڑنے کی طاقت نہ ہو تو لے گا بھی کیسے؟

- موجودہ زمانے میں کیا ہو رہا ہے۔ کوئی زکواۃ نہیں دیتا۔ یتیموں ،غریبوں کی خبرگیری نہیں کرتا۔ نہ کافی یتیم خانے ہیں۔ نہ ہی غریب ،مفلس اور کثیرالعیال لوگوں کی پرورش کا کچھ انتظام ہے۔ اور قانون پر قانون پاس ہو رہا ہے کہ گداگری کا انسداد کیا جائے۔ اول غریبوں کی پرورش کا تو انتظام کرو پھر گداگری کے انسداد کی تحریک کا خیال کرنا۔ مانگنا بے شک بُرا ہے۔ مگر مستحق کو نہ دینا بہت ہی بُرا ہے۔ ایسی سخت دلی کیوں کر پیدا ہوئی؟ نماز اور دربارِ خداوندی سے غافل ہونے سے ، دل میں اللہ کا خیال نہ رہنے سے اور سزا و جزا کے قائل نہ ہونے سے۔ اے امیرو! اے مالدارو! جب تک جان باقی ہے کچھ کرلو ، ثواب کما لو۔ تمھارا دیا اللہ کے پاس امانت ہے۔ نہ دوگے تو تمھارے قرابتدار اس مال کے وارث بن جائیں گے۔ یوں بھی آج کل ایصال ثواب اور کسی مرے ہوئے کو بخشنے سے روکنے کے لیے سینکڑوں مولوی اپنی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح وہ تم کو " مرگیا مردود ، فاتحہ نہ درود" بھی بنا دیں گے۔ بہر حال کچھ غریبوں کو بھی دو ، دلاؤ ، انہیں کھلاؤ۔ دیکھنا! شکاری کتا شکار تو کرتا ہے مگر خود نہیں کھاتا۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ جمع تو تم کرو مگر کھا نہ سکو۔

- سورۃ البقرہ آیت 215 میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۔ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ، لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا صَرف کریں ، تم کہو جو کچھ مال تم صَرف کرو اس کے مستحق ماں باپ ، قرابتدار ، یتیم ، مسکین اور مسافر ہیں۔ لیکن خیرات اسی وقت مفید ہوسکتی ہے جب مستحق کو پہنچے۔ روپیہ پیسہ ہو ، روٹی ہو ، مستحق کو پہنچے تو سب کچھ ہے۔ اُن مسٹنڈوں کو جو محنت کرکے دس کو پال سکتے ہیں خیرات دینا اس کو ضائع کرنا ہے ---

﴿بحوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 74 ، 75 پارہ 4 صفحہ 1 ، 2 پارہ 28 صفحہ 65 ، 66 پارہ 29 صفحہ 42 اور پارہ 30 صفحہ 183 ، 184﴾

53 - غلامی

☆ وَاَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَالصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَاِمَآئِکُمۡ ----
---- فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاهِهِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ط

(سورۃ النور آیت 32 اور آیت 33)

❁ اور تم بے شوہر عورتوں کے نکاح کردو اور نیک (اور شائستہ) غلاموں اور لونڈیوں کی بھی (شادی کردو)۔ اگر وہ فقیر ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اور اللہ وسیع علم والا ہے۔

❁ اور عفت (اور پاکدامنی) اختیار کریں وہ لوگ جن کو نکاح کرنے کا مقدور نہیں جب تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی نہ کردے۔ اور تمھارے غلاموں میں سے جو مکاتب بننا چاہیں تو اگر تم ان میں بھلائی سمجھتے ہو تو ان کو مکاتب بنادو (ان کو نوشتہ لکھ دو) اور اس مال میں سے کہ خدا نے تم کو دیا ہے ان کو دو۔ اور جوان لڑکیوں کو خصوصاً جب کہ وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو، دنیا کے ساز و سامان سمیٹنے کے لیے۔ اور جو اِن عورتوں کو مجبور کرے تو ان کے مجبور کرنے کے بعد اُن پر کوئی گناہ نہیں، اللہ غفور و رحیم ہے ہی۔

- سورۃ النور کی اس آیت 32 میں عباد کا لفظ، جو جمع عبد ہے، غلاموں پر استعمال کیا گیا ہے۔ کیا غلامی کا طریقہ اسلام نے جاری کیا یا پہلے سے تھا؟--- یہ طریقہ ہمیشہ سے تھا۔ اسلام نے اس قدیم رسم کی اصلاح کی۔ اسلام نے دفعتاً غلامی کو نہیں روکا بلکہ عملاً ایسے طریقے پیدا کیے جس سے غلامی دنیا سے آہستہ آہستہ اٹھ گئی۔ غلامی کب پیدا ہوتی ہے؟--- جنگ کے زمانے میں۔ سب کو معلوم ہے کہ جنگ کے زمانے میں دشمنوں کے ساتھ کوئی معاہدہ، کوئی قانون باقی نہیں رہتا۔ اس میں نہ جان کو امان ہے نہ آبرو کو۔ مال تو بہت ادنیٰ چیز ہے، لوٹ لینا، مار ڈالنا سب کچھ ہوتا ہے۔ قدیم زمانے میں فاتح

مفتوح کے ملک کو تباہ اور ویران کر دیتے تھے۔ دشمن سب قید کر لیے جاتے تھے۔ پہلے زمانے میں جنگی قیدیوں میں سے تمام مرد مار ڈالے جاتے تھے اور عورتیں سپاہیوں میں تقسیم کر لی جاتی تھیں۔ لیکن بعد میں مردوں اور عورتوں سب ہی کو غلام بنایا جانے لگا۔

- اسلام نے عملی طور پر غلامی کو اس طرح ختم کیا کہ حکم دیا گیا، جو کھانا آقا کھاتے ہیں غلاموں کو بھی کھلائیں۔ جو کپڑے خود پہنتے ہیں ان کو بھی پہنائیں۔ جہاں کسی نے کوئی قصور کیا، حکم ہوا کہ ایک غلام آزاد کردو۔ جہاں آقا سے بچہ پیدا ہوا، وہ باندی " اُمِّ وَلَدْ " (بچہ کی ماں) ہوگئی۔ آقا کے مرتے ہی آزاد۔ بیچی ہرگز نہیں جاسکتی۔ لونڈی غلام جہاں تعلیم یافتہ اور مہذب ہوگئے تو ان کو مکتب بنانے کا حکم یعنی آزادی نامہ لکھ دینا، خواہ بغیر کچھ لیے یا کچھ لے کر۔ سورۃ النور کی آیت 33 میں فَکَاتِبُوْھُمْ ہے۔ یہ امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا لونڈی غلام کے مہذب ہوجانے کے بعد انہیں آزاد کردینا گویا واجب ہے۔ اسلام میں غلاموں کی رعایتیں تو دیکھو کہ اصولِ اسلام سے جوان بیٹے کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہے مگر غلام اور غلام کی بیوی بچوں کا نفقہ آقا پر واجب ہے۔ آقا اگر غلام پر ظلم کرے تو وہ حاکم کے پاس اپنی فریاد لے جائے گا۔ حاکم ظلم سے روکے گا۔ وہ نہ رکے تو حکم دیا جائے گا کہ اس کو کسی دوسرے کے پاس منتقل کردو۔ باندی غلام اپنے مذہب پر قائم رہ سکتے ہیں۔ اسلام زبردستی مسلمان نہیں کرتا۔

- آنحضرت ﷺ نے وصیت فرمائی کہ لونڈی غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دو۔ ان سے کام لو تو ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے غلامی کو پیدا کیا اور اس کو باقی رکھا۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کے زمانے کی غلامی موجودہ زمانے کی آزادی سے بہتر ہے۔ دیکھو! لوگ پہلے غلام کہتے تھے، اب کالا آدمی کہتے ہیں۔ چاہے کشمیر، پنجاب اور گجرات کے گورے گورے آدمی ہی کیوں نہ ہوں، مگر وہ رہیں گے کالے آدمی ہی۔ ان سفید چمڑی والوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ کیا کسی کالے کو کوئی بڑا عہدہ یا وسیع اقتدار مل سکتا ہے۔ ہرگز نہیں؟ اِن کے پاس دیسیوں کے لیے قوانین الگ ہیں اور بدیسی کے لیے الگ۔ موجودہ زمانے میں لاکھوں رعایا بھوکی مر رہی ہے لیکن آقاؤں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جاںنثار کالے فوجیوں کی کیا حالت ہے؟ نہ کھانا نہ کپڑا، ہر بات میں پیچھے، مگر مارے جانے کے لیے سب سے آگے! اِدھر ہندوستان کی رہنے والی یہ بت پرست قوم، اپنی مفتوح کو "شودر" کہتی ہے، "ملیچھ" کہتی ہے۔ کتا ان کے باورچی خانہ میں چلا جائے، پرواہ نہیں۔ لیکن شودر کا سایہ بھی نہ پڑے، یہ غلامی نہیں تو کیا ہے۔۔۔؟

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 4 صفحہ 112، 113 اور پارہ 18 صفحہ 64 تا 68 ﴾

54 - غیبت

☆ لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ط

❁ اللہ بُری بات کے بیان کرنے کو پسند نہیں کرتا مگر یہ کہ وہ مظلوم ہو۔ اور اللہ تو سمیع و علیم ہے ہی۔ (سورۃ النساء آیت 148)

- منافقوں کی عادت تھی اِدھر کی بات اُدھر لگانا، مسلمانوں کے عیوب کا پروپیگنڈا کرنا۔ دل سے جھوٹی باتیں بنانا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا، وغیرہ۔ اس آیت میں ان سب باتوں سے اللہ تعالےٰ منع فرماتا ہے۔ صاحبو! غیبت کرنا حرام ہے۔ غیبت کرنے سے دوست، دشمن ہو جاتے ہیں۔ یہ عادتِ بد پڑھے لکھوں میں اور عالموں میں زیادہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دین کی تائید کرتے ہیں۔ یاد رکھو! اول تنہائی میں ان کو نصیحت کرو، اپنی نیت نیک رکھو، نرمی سے بولو، تب کہیں تمھارے کہنے میں اثر ہوگا۔

☆ اسلام کے اصول کے تحت کسی کے متعلق ناگوار (unpleasant) بات کرنے کی درجہ ذیل صورتوں میں اجازت ہے۔

(1) مظلوم: کسی پر ظلم ہوا ہو تو اس پر جو ظلم کیا گیا ہے وہ بیان کرسکتا ہے۔ جتنا ظلم ہوا اور جس بات کا ظلم ہوا ہے اتنا ہی اسے بیان کرنے کا حق ہے۔ اس پر حاشیہ آرائی کرنا، اس میں نمک مرچ لگانا درست نہیں۔ کسی کے دیگر شخصی یعنی personal حالات کی تنقید کرنا بے کار اور بے ضرورت ہے۔

(2) گواہ: گواہ کو حاکم کے سامنے صحیح حالات بیان کردینا چاہیے۔ چاہے کسی کے موافق ہو یا مخالف۔ کسی کو فائدہ ہو یا نقصان، گواہ کا کام سچ کہنا ہے۔

(3) شادی بیاہ کے معاملات: اس موقع پر صحیح صحیح واقعات کہہ دینے چاہئیں۔ ورنہ دوسروں کا نقصان ہوگا، خصوصاً عورت کا۔

(4) فاسق معلن: جو شخص علانیہ (openly) بُرا کام کرتا ہو تو اس کو بھی بیان کرسکتے ہیں۔ جب اس

نے شریعت کا لحاظ نہ کیا ہو اور علی الاعلان کبیرہ گناہ کرتا ہو تو ایسے شخص کی برائی بیان کرنی چاہیے اور صرف اتنی بیان کی جائے جس کو کہ اس نے بالاعلان (publicly) کیا ہو۔ ایسے شخص کو" فاسق معلن" کہتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ ان فاسقین کی طرف سے مشائخین اور علماء کو اکثر مختلف تقریبات کے نام پر شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ علماء اور مشائخ اور پیشوایانِ ملت ان لوگوں کے بارے میں مکمل علم بھی رکھتے ہیں اس کے باوجود یہ حضرات پلاؤ کھانے کے لیے ضرور جاتے ہیں۔ افسوس! اس پلاؤ خوری نے کیا تباہی ڈالی ہے۔ نہ دین کی عزت ، نہ مذہب کی حمیت۔ ایسے فاسق معلن کے گھر دعوت میں جانا ، دین کو ذلیل کرنا ہے۔ سلامتِ ایمان کے ساتھ اپنے گھر کی روکھی سوکھی کھانا ، اس کے قورمہ سے بہتر ہے۔ افسوس کہ اَمرْ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَرِ یعنی اچھی بات کا حکم دینا اور بُری بات سے روکنا ،مفقود ہوگیا ہے۔ انھیں امور سے جہالت بڑھتی جارہی ہے اور دین ضعیف ہو رہا ہے۔

- بعض لوگ غیبت کرتے ہیں اور روکیں تو فرماتے ہیں ، میں تو ان کے منہ پر کہتا ہوں۔ دیکھو! بُری بات رُو در رُو یعنی face to face کہنے کو دل آزاری اور دل شکنی کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں میں تو سچ سچ کہہ رہا ہوں --- ہاں جناب! بالکل سچ--- آپ جو فرماتے ہیں اگر جھوٹ ہوتا تو وہ تو افترا یعنی malicious accusation ہوجاتا ، تہمت ہوجاتی۔ آپ کی یہ بات سچ ہے جبھی تو " غیبت " کہلاتی ہے۔ صاحبو! بعض حضرات خود تو غیبت نہیں کرتے مگر چھیڑ کر دوسروں سے غیبت کرواتے ہیں۔ بعض خود نہیں چھیڑتے مگر کوئی دوسرا غیبت کرے تو اس کے مزے لیتے ہیں۔ انھیں باتوں سے مسلمانوں کا وفاق ، نفاق سے بدل رہا ہے۔ دوستی دشمنی سے بدل رہی ہے۔ آج کل محفلوں اور مجلسوں کی ابتدا ، غیبت ہی سے ہوتی ہے۔ عورتیں ، مردوں سے زیادہ اس بلا میں گرفتار ہیں۔ جہاں چار سیاہ سر ملیں اور خاوندوں کی شکایت شروع ہوگئی۔ ایک نے شکایت کی ، دوسری نے روایت کی۔ خاوندوں کی ناشکرگزاری کی وجہ سے اکثر عورتیں دوزخ میں ہوں گی۔ عمر بھر ان کے ساتھ بھلائی کرو ، مگر جب ایک بات بھی خلاف مرضی ہوئی تو صاف کہہ دیں گی کہ میری تو ساری عمر تمھارے ساتھ تکلیف ہی میں گزری ، اس گھر میں آکر میں نے بھلائی کی صورت دیکھی ہی نہیں۔ کونسا سکھ پایا؟ کونسی خوشی دیکھی ؟ --- غرض کہ ، شکرگزاری بھی بہت کم عورتوں میں پائی جاتی ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 6 صفحہ 1 ، 2 اور کتابچہ ارشادات صدیقی حصہ اول صفحہ 2 تا 5 مولفہ حسرتؒ ﴾

55 - ناجائز رزق

☆ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ط

اور تم آپس میں اپنے مالوں کو ناجائز طور سے نہ کھایا کرو اور نہ اس کو حاکموں سے ربط کا ذریعہ بناؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ ناجائز (و ناروا) طور پر کھاؤ حالانکہ تم اس کو جانتے ہو۔ (سورۃ البقرہ آیت 188)

☆ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ط

اے مسلمانو! تم آپس کے مال کو ناجائز طور سے نہ کھاؤ مگر تمھاری باہمی رضامندی سے تجارت کی جارہی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور تم آپس میں خوں ریزی نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر بڑا مہربان ہے۔ (سورۃ النساء آیت 29)

- صاحبو! باطل یا غلط طریقہ کیا ہے؟ ---جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہو اس کا اختیار کرنا، رشوت لینا، جھوٹے مقدمہ کو سچا بنانا، بے اصل واقعہ کو زورِ فصاحت سے درست ثابت کرنا، جھوٹی گواہی دینا سود کھانا، جوا کھیلنا، برج کھیلنے پر پیسہ لگانا، گھوڑ دوڑ پر شرط لگانا، آبکاری کی رقم جمع کرنا، چوری کرنا اور ڈاکہ مارنا وغیرہ۔

- صاحبو! آج کل رشوت خوری کا بازار گرم ہے۔ جسے دیکھو اس حرام خوری میں گرفتار ہے۔ چپراسی سے لے کر اعلیٰ عہدہ دار تک خالی نہیں۔ اِلَّا مَاشَآءَ اللہ ، وَ قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ۔ اور وہ بہت کم ہیں۔ رشوت خوری کہیں " شیرینی" کے نام سے موسوم ہوتی ہے ، اور کہیں "بالائی" کے نام سے ، اور کہیں

"بخشش" کے نام سے۔ رشوت کئی طریقوں سے وصول کی جاتی ہے۔ کہیں حق ، کہیں رسم ، اور کہیں معمول کے نام سے۔ عہدہ داروں سے لے کر ادنیٰ کارگزار تک اس میں سے حصہ پاتے ہیں۔

- بعض لوگ اُن لوگوں سے رشوت لیتے ہیں جو حق پر ہیں۔ بے شک ناحق فیصلہ نہیں کرتے ہیں مگر کام ہوتا ہے" منھ بھرائی " ہی کے بعد۔ بعض لوگ اسی فیصلہ کو حق سمجھتے ہیں جس میں ان کی مٹھی گرم کی جائے۔ بعض لوگ طرفین (parties) میں سے اُس پارٹی سے حاصل کرتے ہیں جس کو فائدہ مل رہا ہو اور فیصلہ ایسا کرتے ہیں کہ جس میں طرفین کی تائید ہوتی ہے۔ بعض لوگ عوام سے تو نہیں لیتے لیکن سرکاری bill میں فی صد رقم یعنی "percentage" کا استحقاق سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ مقدمہ میں اتنی طوالت دیتے ہیں کہ بار بار کے آنے جانے کے خرچ سے سبک دوشی حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جو روپیہ نہیں لیتے ان کے پاس سفارش چلتی ہے۔ بعض لوگ جب تک مقدمہ چلتا ہے کچھ نہیں لیتے مگر مقدمہ ختم ہو جاتا ہے ، فیصلہ ہوچکتا ہے ، تو جو کچھ انہیں دیا جاتا ہے اسے " شیرِ مادر" سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ تحفے تحائف کو رشوت میں داخل نہیں سمجھتے۔ بعض لوگ خود تو رشوت نہیں لیتے مگر اپنے قربتداروں کو ، گھر کے بیوی بچوں کو تحفہ تحائف لینے کا موقع دیتے ہیں۔ غرض کہ قانون میں رشوت کی تعریف" مابہ الاحتظاظ " (یعنی ہر وہ چیز جس سے کسی کو فائدہ ہوسکتا ہے) کی گئی ہے ۔ اسلام میں مال کا ناجائز طور سے لینا اتنا ہی بُرا ہے جتنا کہ کسی کو قتل کرنا۔

- یہ ایک مثل مشہور ہوگئی ہے کہ "بے سوا ، وکیل ، رشوت خور کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اس کا دین و ایمان روپیہ بن جاتا ہے۔ اس کے دل میں ثوابِ دارین یعنی آخرت کا خیال تک نہیں آتا "۔ ایک اور مثل بھی مشہور ہے کہ" جو جیتا سو ہارا ، جو ہارا وہ مرا "۔

- صاحبو! اگر ایمانداری پیدا ہو اور ملک و قوم کا دل میں درد ہو اور ناجائز کاموں سے پرہیز ہو تو مسلمان کیوں تباہ ہوں۔ کافروں سے روپیہ لینا ،مسلمانوں کو گرفتار کرادینا ، ان کی سزاؤں میں زیادتی کروا دینا ، اِن لوگوں کا ایک ادنیٰ کھیل ہے۔ حتیٰ کہ کافروں کی تائید میں مسلمانوں پر فائرنگ تک کروا دینا ایسے لوگوں کی بڑی ہی انتظامی قابلیت اور رواداری کی علامت ہے۔۔۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ خدا ان اسلامی نام رکھنے والے مسلمانوں کے شر سے بچائے۔ وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم تو نہ ہندو ہیں نہ مسلمان۔ ہم کو شریعت سے کیا کام؟ اسلام سے کیا غرض؟ ہم تابعِ قانون ہیں۔ قوانینِ اسلام تو گزشتہ زمانے کے لیے تھے۔ حال میں ماضی کی کیا مجال؟ غرض جتنے منھ اتنی باتیں۔۔۔!

- یہ بھی مخفی نہ رہے ، be ware of it ! کہ اچھے خاصے حاکم کو ورغلا کر ، ناجائز آمدنی کے لینے پر برانگیختہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ رشوت لے کر سرکاری مال کا نقصان کرنا تمام قوم کا گناہ گار ہونا ہے۔ رشوت صرف روپیہ لینے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ سرکاری قانون میں کسی ناجائز فائدے کا حاصل کرنا بھی رشوت ہے یعنی ایسی چیز لینا جس سے لینے والے کو کچھ فائدہ ہو ، کچھ مزا ملے۔ ذرا قانون کے الفاظ کی وسعت کو دیکھو اور ایسے اعمال کی شرمناک حالت کو ملاحظہ کرو ۔۔۔! اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان ناجائز طور سے حاصل کیے ہوئے مال والوں کے پاس دعوتیں کھانا ، ڈنر اڑانا ، اور پھر دعاے برکت و ترقی دینا بھی ناجائز کمانے سے کچھ کم برا نہیں ہے۔

- غور کرو کہ یہ حرام کا پیسہ ، نور کیسے پیدا کرے گا۔ اور اس سے اطمینانِ قلبی کیوں کر حاصل ہوگا۔ حرام کا ایک لقمہ چالیس دن کی عبادت کو برباد کردیتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنْ کُلِّ بَلآءٍ۔ اللہ ہم سب کو عملِ صالح کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 48 ، 49 پارہ 5 صفحہ 8 ، 9 اور کتابچہ ارشادات صدیقی حصہ اول صفحہ 11 تا 14 مولفہ حسرتؔ﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! ماں باپ کا بڑا رتبہ ہے۔ تم نے ان کے ہاتھوں وجود کا لباس پہنا۔ تمھیں پیدا اللہ تعالیٰ نے کیا۔ بے شک۔ مگر اپنی قدرت کے اظہار کا ذریعہ ماں باپ کو بنایا۔ ان سے گستاخی کرنا ، ان کو جھڑکنا اور ڈانٹنا بے ادبی ہے ، سخت گناہ ہے۔ ان سے گفتگو کرو تو ادب سے ، نرمی سے۔ ان کے سامنے رحم کے ساتھ گردن کو ، بازوؤں کو جھکاؤ۔ ان کے لیے ہمیشہ دعا کرتے رہو۔ ان کے سائے کو غنیمت سمجھو۔ ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ اپنی جوانی پر نہ پھولو۔ تم ان کے ساتھ نیک سلوک کروگے تو اللہ تم کو پروان چڑھائے گا۔ تمھاری زندگی کو کامیاب بنائے گا۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 15 صفحہ 22﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ لوگ اللہ تعالیٰ سے رزق اور عزت طلب کرتے ہیں اور خود بندگانِ خدا کو کچھ نہیں دیتے۔ دوسروں کو بُرا کہتے ہیں اور خود وہی کام کرتے ہیں۔ دوسروں سے عزت طلب کرتے ہیں اور خود ان کی عزت نہیں کرتے۔ حساب ،کتاب میں ذرا ذرا سی بات پر تکرار کرتے ہیں۔ دوسروں سے فائدہ اٹھانے کے لیے بڑے ہی سخت اور دوسروں کا حق دینے کے وقت انجان۔ ناپ تول میں خیانت کرنا ، دوسروں کے حقوق نہ دینا اور اپنے حقوق طلب کرنا ایک عام خرابی ہے جو لوگوں پر چھائی ہوئی ہے۔ دیکھو! اللہ کے ہاتھ میں میزان ہے وہ ہر ایک کو اس کا حق دے گا اور دلائے گا۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 30 صفحہ 60 ﴾

☆ تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک شخص ، نجاشی خاندان کا ، ابرہہ نامی بادشاہ تھا۔ اس نے کعبتہ اللہ کے مقابل ، یمن میں ایک گھر بنایا۔ اور اس کو خوب آراستہ کیا۔ پھر لوگوں کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں۔ اس کے گرد پھریں۔ اور ابراھیمؑ اور اسماعیلؑ کے بنائے ہوئے کعبہ کو چھوڑ دیں۔ کسی نے اس گھر کو آگ لگا دی اور وہ جل کر خاک ہوگیا۔ ابرہہ نے اس غصے میں ہاتھیوں کے لشکر سے کعبتہ اللہ پر چڑھائی کردی۔ غریب قریش کیا کرتے؟ اس بَلا کے ٹلنے کے لیے دعائیں کرتے رہے۔ چاروں طرف سے عربوں کی ٹولیاں غلیل اور گوپھن (غلیل کی گولیاں) لے کر دوڑ پڑیں اور ان کو سنگسار کرنے لگیں۔ اور مار مار کر ان کو گوبر اور لید کی طرح بنا دیا۔ صاحبو! اگر دین پر قائم رہو۔ اللہ کے احکام پر عمل کرو تو ڈرنے کی کیا بات ہے۔ اللہ تمھاری حفاظت کرے گا۔ تمھارے دشمنوں پر بجلیاں گرائے گا۔ اور تمھارے دشمنوں کا بھرکس نکال دیگا ، انہیں sever punishment دیگا۔ مگر افسوس نہ تمھارے اعمال اچھے ہیں ، نہ تم کو خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ نہ تم میں خود کچھ کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ یاد رکھو! دشمنوں سے لڑنے کی تیاری بھی کرو۔ ساز وسامان بھی پیدا کرو اور پھر اللہ سے دعا کرو ، وہ دعا قبول کرنے کا وعدہ فرماتا ہے۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ، اورہم پر ایمان داروں کی تائید کرنا حق ہے (سورۃ الروم آیت 47)۔ خدا سچا ہے۔ اس کا وعدہ بھی سچا ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 30 صفحہ 179 ﴾

56 - شراب و جوا

☆ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔

❁ لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ شراب پینا اور جوا کھیلنا کیسا ہے۔ تم کہو ان میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ نفع بھی ہے، مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 219 کا حصہ)

☆ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ط

❁ اے ایماندارو! شراب اور جوا اور بُت اور پانسے یہ سب شیطان کے ناپاک کام ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم کو کامیابی ہو۔ (سورۃ المائدہ آیت 90)

- صاحبو! انسان کا حیوان سے امتیاز، عقل ہی کی وجہ سے ہے۔ عربی میں شراب کو خمر کہتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں، عقل کو ڈھانک دینے والی چیز۔ دیکھو! شراب تمھارے سرمایۂ امتیاز عقل کو برباد کرنے والی شئے ہے۔ شراب کی برائی اور اس کے نقصانات ناقابلِ بیان ہیں۔ تم جانوروں کے اقسام میں کی ایک قسم بن جاتے ہو۔ نہ شرم و حیا، نہ تہذیب، نہ اخلاق۔ سب کچھ برباد۔ نہ خدا کا خیال نہ رسول کی پرواہ۔

- ایک بار کسی ظالم حاکم نے ایک شخص کو، تین کاموں میں سے ایک کو کرنے پر مجبور کیا کہ وہ، یا تو ایک شخص کو مار ڈالے، یا ایک عورت سے زنا کرے، یا پھر شراب پیے۔ اس بیوقوف شخص نے شراب کو ہلکا گناہ سمجھا، تو پہلے دونوں نہ کرنے کے کام بھی کر بیٹھا۔ اسی لیے شراب کو اُمُّ الْخَبَائِثْ کہا گیا ہے۔ شراب صرف اسلام میں حرام ہے۔ تیرہ سو (1300) برس کے بعد اب بعض غیر مسلموں کی سمجھ میں آیا ہے کہ شراب بُری چیز ہے۔ چنانچہ جا بجا ترکِ مسکرات (drugs quitting) سوسائیٹیاں قائم ہو رہی ہیں

مگر ان کی روش یعنی practice غیر اسلامی ہے اس لیے کوئی خاص فائدہ نہیں ہو پا رہا۔ امریکہ میں شراب چھوڑنے کے لیے بڑی بڑی کوششیں کی گئیں ، مگر چونکہ ایمان پر قائم نہ تھیں للذا سب بے سود گئیں۔ بلکہ حالت بد سے بد تر ہونے لگی۔ آخر تھک کر اس تحریک سے ہاتھ ہی اٹھا لیا گیا۔

- آج کل یورپ زدگی کی وجہ سے شراب خوری ، مسلمانوں میں بھی داخلِ تہذیب ہوگئی ہے۔ کفار پئیں ، اِن سے ہم کو کیا تعلق ؟ افسوس۔۔۔! مسلمان پی رہے ہیں۔ مرد تو مرد اب عورتیں بھی پی رہی ہیں۔ ایک عورت کو شراب پلائی گئی تو اس نے تھوڑی دیر بعد کہا کہ میں نہیں سمجھتی کہ تم میں سے کوئی اپنے باپ کو بھی پہچانتا ہوگا۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ایک دفعہ نمائش گاہ میں عورتوں اور مردوں کی شراب خوری کا مقابلہ کروایا گیا تو جیت عورتوں کی رہی۔

- شراب ، خانہ خراب ہے۔ تھوڑی دیر کی فرحت اور ہمیشہ کی لعنت ہے۔ ذرا سے وقت کی شادی اور عمر بھر کی بربادی ہے۔ یہ جام نہیں ، خونِ دل ہے۔ یہ لال پری ہے ، فتنہ سے بھری ہے۔ پہلے کھیلتی ہے ہنساتی ہے ، پھر آنسوؤں سے رُلاتی ہے۔ گلے ہی پڑ جاتی ہے۔ جو اس کے پنجہ میں گرفتار ہوتا ہے پھر اس سے نکلنا دشوار ہوتا ہے۔ دین و دنیا میں خوار ہے ، آخرش فِی النَّارْ ہے۔

- شراب خوری کا بھائی ، جوئے بازی ہے۔ انسان محنت کرکے کمانے کے لیے پیدا ہوا ہے نہ کہ " مالِ مفت دلِ بے رحم " پر عمل کرنے کے لیے۔ آج کل تو جوئے بازی کا بول بالا ہے۔ قانون میں جوئے بازی جرم ہے۔ مگر جب حکامِ ریاست ، خود جوئے میں مبتلا ہوں تو اس جرم پر سزا دے کون؟ بڑے سے چھوٹے تک ، غریب سے امیر تک ، سب bridge کھیلتے ہیں۔ خالی تاش کھیلنا تو انھیں پسند ہی نہیں۔ جب تک کھیل میں روپیہ نہ لگایا جائے وہ کھیل ہی کیا ہوا۔۔۔؟ جا بجا کلب قائم ہیں لیکن اس کے تمام کاموں سے زیادہ دلچسپی بس برج ہی کھیلنے میں ہے جو ، جُوا ہے۔ گھوڑوں پر قمار بازی تو زمانے سے تھی۔ گذشتہ زمانے میں عرب جُوا کھیلتے تھے تو جانوروں کے گوشت پر۔ ان کا مقصد یہ رہتا تھا کہ جس طرح ممکن ہو غریبوں کو گوشت پہنچائیں۔ اُس وقت کی بُرائی میں بھی بھلائی کا ایک پہلو نکل جاتا تھا۔ اب تو خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ ہے۔ دنیا برباد اور آخرت میں بھی منہ کالا۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 79 تا 81 پارہ 7 صفحہ 7 تا 11 اور کتابچہ ارشادات صدیقی حصہ اول صفحہ 6 تا 10 مولفہ حسرتؔ ﴾

57 - ذبیحہ

☆ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ط وَمَا لَكُمْ اَلاَّ تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلاَّ مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ط

پس جس (جانور) پر اللہ کا نام لیا گیا ہے (اس کا گوشت) کھاؤ اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور تمھارے پاس کیا سبب ہے کہ نہ کھاؤ اُس (جانور) کو جو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہے حالانکہ جن کو تم پر حرام کیا ہے اس کی تفصیل تمھارے سامنے بیان کر دی ہے، مگر وہ بھی اضطرار اور ناچاری کی حالت میں درست ہے (یعنی سخت مجبوری کی صورت میں مُردار کو بھی کھایا جاسکتا ہے)۔ اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اپنے ہوا و ہوس سے، بغیر علمِ صحیح کے لوگوں کو گمراہ کیا کرتے ہیں۔ تمھارا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ (سورۃ الانعام آیت 118 اور 119)

☆ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لاَ عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ط

اللہ نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ (جانور) جس پر ذبح کے وقت غیرِ خدا کا نام لیا گیا ہو۔ پھر جو شخص ناچار ہو جائے، خود خواہش نہ کرے، اور ضرورت سے زیادہ نہ کھائے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت 173 کا حصہ)

- گوشت خوری کے متعلق لوگ مختلف الخیال ہیں۔ بعض کہتے ہیں، گوشت ہرگز نہ کھانا چاہیے کیونکہ انسان فطری طور پر گوشت خور نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اہلِ کتاب اگر سور کا گوشت کھلائیں، مرغ بطخ وغیرہ اور پرندوں کی گردن مروڑ کر بغیر ذبح کئے کھلائیں تو بھی کھا لینا چاہیے۔ بعض کہتے

ہیں کہ جس چیز کو (خواہ جانور ہو، پلاؤ ہو، روٹی ہو، کچھ ہی ہو) اللہ کے علاوہ کسی سے بھی نسبت دے دیں تو وہ چیز نجس ہو جاتی ہے، اور یہ نسبت دینے والا کافر اور مشرک ہے۔ بعض اس حرمت کو صرف جانور سے خاص کرتے ہیں، غیر حیوان کو اس میں داخل نہیں کرتے۔ غرض ایک فتنہ ہے ہڑبونگ ہے کہ دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ لوگ، علمائے متقدمین کو احمق اور جاہل جانتے ہیں بلکہ کافر سمجھتے ہیں اور اِن میں یہ ایک امرِ مشترک (agreed point) ہے۔

- صاحبو! شیطان اور اس کے شاگردوں نے ایک یہ خیال بھی پھیلا دیا تھا کہ مردار جانور کو کھانا چاہیے کیونکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے۔اور ان کا کہنا تھا کہ آدمیوں کا ذبیحہ نہ کھانا چاہیے، کیونکہ ذبح کرنا جانوروں پر ظلم ہے۔ ان نادانوں کا کہنا تھا کہ جانوروں کو حلال کرنا اور ان کو کھانا، سخت دلی ہے۔ مگر وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ خدا کے نام پر اس کے حکم سے ذبح کرنے کا کیا اثر ہے۔ یہ لوگ اللہ کا نام لینے کو معمولی بات سمجھتے تھے۔ اللہ کی اطاعت کی ان کے دلوں میں کچھ وقعت نہ تھی۔ وہ کیا جانتے کہ مٹی کو درخت کھاتا ہے، اپنا جز بنالیتا ہے، اپنی غذا بنا لیتا ہے۔ درخت کو جانور کھا جاتے ہیں جو اس سے اعلیٰ ہیں۔ جانوروں کو انسان کھا جاتا ہے جو ان سب سے اعلیٰ ہے۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ درختوں میں بھی جان ہے۔ سچ پوچھو تو کونسی چیز ہے کہ اس میں اس کے لائق جان نہیں۔ وَاِن مِّن شَیۡءٍ اِلاَّ یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰكِن لاَّ تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ (سورۃ الاسراء آیت 44)۔ جمادات، نباتات کی غذا ہوجاتے ہیں۔ نباتات، حیوانات کی غذا بن جاتے ہیں۔ حیوانات کی فطرت پر غور کرو، ان میں کے بعض نباتات کو کھاتے ہیں اور بعض حیوانات کو بھی کھاتے ہیں۔حضرتِ انسان سب کچھ کھاتے ہیں لیکن ہر چیز کو اپنے لائق بنا کر کھاتے ہیں۔انسان کیا ہے؟ طلسمات کا پتلا ہے۔ وہ عقل کے ہتھیار سے درندوں، چرندوں سب پر حکومت کرتا ہے۔ مناسب اور غیر مناسب سب کی تمیز کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے درندوں کو اور حشرات کو نہ کھاؤ تو بہتر۔ احرام میں کسی بھی جانور کو نہ کھاؤ تو بہتر۔ روزے میں نہ کچھ کھاؤ اور نہ کچھ پیو تو بہتر۔ دیکھو! نہ ضرورت سے زیادہ نرم دل بنو نہ ضرورت سے زائد سخت دل۔ درندوں کا گوشت کھانے سے درندگی پیدا ہوتی ہے۔ اور مطلق گوشت چھوڑ دینے سے بزدلی اور نامردی آجاتی ہے۔ تم جانتے ہو شیر گوشت کھاتا ہے اور بیل گھاس۔ ذرا بتاؤ ان میں سے کون بہادر ہے اور کون ضعیف القلب۔۔۔؟ یہ بات بھی آپ حضرات کے پیشِ نظر رہے کہ جو جانور طبعی طور سے مرجاتا ہے، یا اس کو گلا گھونٹ کر مارا جاتا ہے اس میں ایک قسم کی سَمِّیَتْ پیدا ہوجاتی ہے یعنی وہ toxic سا ہوجاتا ہے۔ اور جس جانور کو باقاعدہ ذبح کرتے ہیں اس کا خون درست طور سے بہہ جانے سے سَمِّیَت دفع ہوجاتی ہے۔ اسی واسطے ذبح کو زکواۃ بھی کہتے ہیں

یعنی پاک کرنا۔

- میں ان لوگوں کے دعوے کی بھی تحقیق کرتا ہوں جو گوشت خوری کو انسان کے لیے غیر طبعی سمجھتے ہیں۔ ان میں بعض ہندو اور بعض یوروپین بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گوشت خور درندوں (wild animals) کی کوچلیاں اور پنجے ہوتے ہیں اور انسان کے نہیں ہوتے۔گھاس اور اناج کھانے والے چرندوں یعنی quadrupeds کی آنت کی جیسی ، انسان کی آنت ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ قیاس مفروضی ہے۔ جہاں ایک چیز مشترک دیکھی ایک کا حکم دوسرے پر لگا دیا۔ دیکھو ہر ایک کی خصوصیات ہیں۔خصوصیات کا لحاظ نہ کرنا جہالت ہے۔ انسان کا جسم گوشت کا ہے۔ بہ نسبت دوسری غذاؤں کے گوشت قریب تر ہے۔ لہٰذا گوشت انسانی جسم کی طرف جلد مستحیل ہوجاتا ہے ، تیزی سے بدل جاتا ہے۔ جب انسان گوشت کھاتا رہتا ہے تو توانا و تندرست رہتا ہے ، ورنہ ضعیف و ناتواں ۔ سچ پوچھو تو وہ فطری طور پر نہ گوشت خور ہے نہ گھاس اور غلہ خور۔ بلکہ خدا نے اس کو عقل دی ہے۔ اس کو تمام حیوانوں میں ملانا اپنی ناقدری ہے۔ وہ تو سب چیزوں کو لیتا ہے ، عقل سے اس میں تصرف کرتا ہے اور اپنے مناسبِ حال بناتا ہے۔ پھر استعمال کرتا ہے۔ وہ چاول کو اُبال لیتا ہے۔گیہوں کو پیستا ہے۔ آٹے میں پانی ملا کر گوندھتا ہے ، روٹی گھڑتا ہے، توے پر ڈال کر سینکتا ہے۔ ناریل ، بادام ، اخروٹ کا چھلکا نکال کر مغز کھاتا ہے۔ وہ گوشت لیتا ہے اور اس کی بوٹیاں کرتا ہے ، نمک مرچ لگاتا ہے ، دیگچی میں ڈال کر گلاتا ہے، پکاتا ہے۔ پھر کہیں کھاتا ہے ـــ ہم غریب پاک و ہند کے لوگوں کو چاول ، آٹا تو پیٹ بھر ملتا نہیں۔ گوشت خور کیا بنیں گے۔۔۔! پاؤ بھر ، آدھ سیر گوشت آیا ، سارے گھر نے مل کر کھایا۔ دو تین بوٹیاں حصہ میں آئیں تو بڑی خوش قسمتی۔ گوشت خور اہلِ یورپ و امریکہ کو کہہ سکتے ہیں جن کی غذا کا اکثر حصہ گوشت ہوتا ہے۔ چناں چہ گوشت کھانے کے نقصانات اُن کے سامنے بیان کرنا چاہیے نہ کہ غریب ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کے لیے۔

- اہلِ کتاب کا کھانا انہی شرائط سے جائز ہوسکتا ہے جو اسلام میں لگائے گئے ہیں۔ایسے نہیں کہ اہلِ کتاب مُردار کھاتے ہوں تو تم بھی کھانے لگو! وہ خنزیرخور ہیں تو تم بھی خنزیر خور بن چلو! ذرا خدا سے ڈرو اور احکامِ الٰہی سے منھ نہ پھیرو۔سورۃ المآئدہ کی آیت 3 کو دیکھو۔ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ ، تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار۔ وَالدَّمُ ، اور خون۔ وَلَحۡمُ الۡخِنۡزِيۡرِ ، اور سور کا گوشت۔ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ ، اور جو غیرِ خدا کے نام پر جھٹکا کیا گیا ہو۔ وَالۡمُنۡخَنِقَةُ ، اور گلا گھونٹا ہوا۔ وَالۡمَوۡقُوۡذَةُ ، اور لٹھ سے مارا ہوا۔ وَالۡمُتَرَدِّيَةُ اور اوپر سے گر کر مرا ہوا۔ وَالنَّطِيۡحَةُ ، اور سینگ مارا ہوا۔ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ ، اور جس کو درندے

نے کھایا ہو مگر تم نے اس کو زندہ پایا ہو اور ذبح کیا ہو۔ یعنی نامِ خدا سے پاک کیا ہو۔ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ ، اور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ سورۃ الانعام کی آیت 121 میں وَلاَ تَاکُلُوْا مِمَّالَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ ہے یعنی ، اور نہ کھاؤ اس جانور سے جس پر نامِ خدا نہ لیا گیا ہو۔

- آؤ اب اس بات پر غور کریں جو کسی کی طرف نسبت کو وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ سمجھتے ہیں۔ آج کل غیرِ خدا کی طرف نسبت دینے کے مسئلے نے بڑی وسعت اور اہمیت اختیار کرلی ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے چند اصول پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ نسبت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ معبود بھی ہو۔ ہم کہتے ہیں ہمارا خدا ، ہمارا رسول ، ہمارا گھوڑا ، ہمارا گھر، میری بیوی ، عقیقہ کا بکرا ، وغیرہ وغیرہ۔ کیا یہ سب نسبتیں حرام ہیں، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ۔ اگر یہ کفر ہے تو پھر دنیا میں کوئی مسلمان نہیں۔ صاحبو! بعض دفعہ اپنی طرف نسبت نہ دینا کفر ہو جاتا ہے۔ جیسے اگر میری بیوی کی جگہ پر خدا کی بیوی کہیں تو کفر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ گھر میرا نہیں ، خدا کا ہے ، تو وہ وقف ہو جائے گا۔ دیکھو جس طرح حرام کو حلال سمجھنا ناجائز ہے اسی طرح حلال کو حرام سمجھنا بھی ناجائز ہے۔ شرک فی الحکم ہے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ۔ صاحبو! اصل حِلَّتْ ہے۔ جب تک قطعی طور سے حرمت ثابت نہ ہو حرام نہیں کہہ سکتے۔ کسی کا نام لینے اور کسی کی طرف نسبت کرنے سے ان ظالموں کے پاس ایسی نجاست پیدا ہوجاتی ہے کہ اس کو خدا کا نام بھی پاک نہیں کرسکتا۔ حالانکہ جیسے پہلے ذکر کیا گیا کہ خدا کا نام لے کر ذبح کرنے کو زکواۃ کہتے ہیں ، یعنی پاک کرنا۔ بعض بدنصیبوں نے اتنا غلو(exaggerate) کیا ہے کہ کوئی اگر کہے ، یہ کھانا فلاں بزرگ کے ایصال ثواب کے واسطے ہے تو ایسا کہنا غضب ہو جاتا ہے اور وہ کھانا ناپاک و نجس ہو جاتا ہے۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ حرام کا لفظ ان کے وردِ زبان ہے مگر فاتحہ کے پلاؤ پر دعوت دی جاتی ہے تو اتنا کھاتے ہیں کہ چورن کے لیے بھی جگہ نہیں رہتی۔ دیکھو! ذبح کے وقت یہ کہنے کا حکم ہے ، اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مِنْ فُلاَن فَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے ، اَللّٰھُمَّ ھٰذَا مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ (وَاُمَّتِہٖ)۔ تو کیا قربانی کا گوشت بھی وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ میں داخل ہے ---؟ یاد رکھو! اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا حکم ہے ، نہ کہ ذبح سے آگے پیچھے کسی کا نام لینے کی ممانعت۔ تمام تفسیریں بھری پڑی ہیں کہ مِمَّالَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اور وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ سے مراد غیرِ خدا کے نام پر ذبح کرنا ہے۔ یہ بڑے جری لوگ ہیں کہ حلال کو حرام کہنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ عمل اور ردِ عمل برابر ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو کافر کہنے سے خود کافر ہوجاتے ہیں ---!

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 29 تا 31 پارہ 6 صفحہ 27 تا 40 پارہ 8 صفحہ 7 تا 12 اور پارہ 14 صفحہ 125 تا 128 ﴾

قسم
- 58

☆ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ، فَكَفَّارَتُهٗ ---

--------------- كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ط

اللہ تعالیٰ تم سے ایسی قسموں پر گرفت نہیں کرتا جو لغو اور بے فائدہ ہیں مگر تمھارا مؤاخذہ (اور گرفت) کرتا ہے ایسی قسموں پر جن کا تم نے ارادہ کیا ہے۔(اگر ایسی قسمیں کھاکراس کا خلاف کرو) تو اس کا کفارہ اور بدلہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (مگر کتنا؟) اوسط طور سے جتنا تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا پہنانا یا ایک باندی یا غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو تین دن تک روزے رکھنا چاہیے۔ یہ تمھاری قسم کا کفارہ ہے جب کہ تم حلف اٹھاؤ (قسم کھاؤ)۔ اور اس کا خیال رکھو کہ تم اپنی قسموں کی پابندی کرو۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتوں کو تم سے صاف صاف بیان کردیتا ہے تاکہ تم شکر کرو (اور اپنے قول و قرار کی عزت کرو)۔

(سورۃ المائدہ آیت 89)

☆ قسم کئی طرح کی ہوتی ہے۔

(1) غموس : گناہ میں ڈبو دینے والی ، غرقِ گناہ کرنے والی قسم ، یعنی جھوٹی قسم۔ دھوکا دے کر اور خلافِ واقعہ کہہ کرکسی کو نقصان پہنچانا ، غموس ہے۔ اس کا کوئی کفارہ نہیں۔ سراپا گناہ ہے۔ اس کے لیے توبہ کے علاوہ کوئی چیز مفید نہیں ہوسکتی۔ اس شخص کا بخشنا نہ بخشنا ، خدا کے ہاتھ میں ہے۔

(2) لغو : بے ارادہ ، بے ہودہ قسم۔ اللہ غفورٌ حلیم اس پر گرفت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ ایک بے ہودگی کا کام ہے۔ جو اس کی بدعقلی پر دلالت کرتا ہے۔ بات بات پر " اللہ پاک کی قسم " کہنا لغو ہے۔

(3) منعقدہ : کسی آئندہ معاملے پر ، ارادے اور قصد سے قسم کھانا کہ میں فلاں کام کروں گا یا نہ کروں گا ، منعقدہ قسم کہلاتا ہے۔ اگر وہ کام بُرا ہے اور اس سے بچنے کی قسم کھائی ہے تو اس کا پابند رہنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ نیک کام ہے اور اس سے بچنے کی قسم کھائی ہے تو اپنی قسم توڑ دینا چاہیے۔ اور اچھا کام کرنا چاہیے۔ بہر حال اس طرح کی قسم توڑنے سے کفارہ لازم ہے۔ اس قسم کا کفارہ ، دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا یا کپڑا پہنانا ہے۔ یا غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر مقدور نہ ہو تو تین روزے رکھنا ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ المائدہ کی اوپر درج شدہ آیت میں موجود ہے۔

(4) ایلا : شوہراپنی بیوی سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھے۔ ایلا کی مدت اللہ تعالیٰ نے 4 ماہ مقرر کردی ہے۔ اگر اس مدت میں ملاپ ہوگیا تو صرف کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر اس جدائی میں 4 مہینے گزر جائیں تو ایک طلاقِ بائن پڑ جائے گی۔ طلاقِ بائن میں مرد کو رجوع کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ عورت چاہے تو خود اسی سے نکاحِ ثانی کرسکتی ہے۔ پہلے تو ایک مہر واجب تھا اب ایک دوسرا مہر بھی سر پر آجائے گا۔ یہ نتیجہ ہے نامِ خدا کو نشانۂ قسم بنانے کا۔

- صاحبو! آج کل مسلمانوں کو لغو اور بے ہودہ قسمیں کھانے کی بہت عادت پڑ گئی ہے۔ بات بات پر وَاللہِ ، وَاللہِ اور اللہ پاک کی قسم ، وغیرہ۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے نامِ پاک کی عزت کرنا چاہیے۔ غیرِ خدا کی قسم تو جائز ہی نہیں۔ سچی بات پر بھی بے ضرورت قسم کھانا نہایت سبکی ہے ، حماقت ہے۔ قسم کھانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص اکثر جھوٹ کہتا ہے۔ سچ بولنے کی عادت کرو ، لوگ بغیر قسم کے تمھاری باتوں کا اعتبار کریں گے۔ جھوٹا ، دروغ گو ، اگر قسم کھائے تو بھی اعتبار نہیں کرتے۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھا بیٹھے ہو ، اگر اچھی بات ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے تو اس کے پابند رہو۔ اور اگر کسی بُری بات کے کرنے یا اچھی بات کے نہ کرنے پر قسم کھائی گئی ہو تو فوراً قسم توڑ دو اور کفارہ ادا کرو۔ بہت سے لوگ قسم تو کھاتے ہیں مگر اس کا خلاف بھی کرتے ہیں۔ یہ ، سخت بُری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر مؤاخذہ فرماتا ہے ، اس پر تم کو سزا دی جائے گی۔ اُس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ اللہ کی قسم کھا کر اس سے بے پرواہی کرنا کس قدر بُری بات ہے۔

- ان سب سے بدتر گناہ بندگانِ خدا کو نقصان پہنچانے کے لیے جھوٹی قسم کھانا ہے۔ یہ بڑا سخت گناہ ہے۔ جھوٹی قسموں سے دوسروں کو نقصان پہنچانا عذابِ الیم ہے۔ اس کا کفارہ کچھ نہیں ، اس کی جزا تو عذاب ہے۔ توبہ کرو ، توبہ! کسی کا نقصان کیا ہے تو اس کا تدارک کرو۔ اس سے معافی چاہو ، اس کے نقصان کی پابجائی کرو ، اس کو compensate کرو --- آج کل جھوٹی گواہی دینا ، جھوٹی قسمیں کھانا

عام ہوگیا ہے۔ قسم کھا کھا کر جھوٹی گواہی دینا پیشہ ہوگیا ہے۔ یہ ظالمین! اس طریقہ سے جھوٹی گواہی دیتے ہیں کہ جھوٹے کے آگے سچا رو پڑے۔ لاکھ وکیل جرح کرے ہرگز نہیں ٹوٹتے، بلکہ اس زمانے میں تو ایسی حالت ہوگئی ہے کہ سچی گواہی کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اس میں دس جھوٹ نہ ملائیں۔ وکیلوں سے حلف لیا جاتا ہے کہ سچا مقدمہ لیں، دوسرے اشخاص سے بھی اچھی طرح سے کام کرنے کا حلف لیا جاتا ہے مگر کوئی اس کا پابند نہیں۔ لوگ جھوٹ کے اتنے عادی ہوگئے ہیں کہ اس کی برائی ہی محسوس نہیں ہوتی۔ جھوٹ کہنے کو "پالیسی" اور "سیاست" کا نام دیتے ہیں۔ یہ لوگ سچ بولنے والوں کو سادہ لوح، بھولے اور بے وقوف سمجھتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے "چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی"۔ ان کے پاس بڑا عقلمند وہی ہے جو بڑا فراڈ کرے۔ بڑا مقرر وہی ہے جو جھوٹ کو سچ کر دکھائے، اس کا مغالطّوں سے بھرا ہوا لیکچر جادو کا کام کرے۔

- دیکھو! آج جو چاہو کرلو۔ اللہ کو تو منہ دکھانا ہے۔ کل لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کی حقیقت کھلے گی اور ذلت و خواری کے گڑھے میں ڈھکیل دے گی۔ اَسْتَغْفِرُ اللهَ. وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللهِ۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 87، 88 اور پارہ 7 صفحہ 4 تا 7 ﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! میرا روئے سخن ان لوگوں کی طرف نہیں جو اللہ کو نہیں مانتے بلکہ ان کی طرف ہے جو اللہ کو کچھ مانتے ہیں۔ ان لوگوں کی کیا حالت ہے۔ کوئی مصیبت آپڑتی ہے یا دنیوی ترقیوں کی ضرورت پڑتی ہے تو پھر ماشاء اللہ ان کے ہاتھ میں تسبیح ہے۔ رات دن ذکر و شغل میں مشغول ہیں۔ بعض تو چلّے بیٹھتے ہیں، احرام باندھ لیتے ہیں، حتیٰ کہ گوشت کا پرہیز بھی کرتے ہیں۔ لیکن جوں ہی پریشانی ختم ہوئی یا ترقی ملی پھر وہی قدیم حالت ہے۔ وہی غفلت ہے۔ وہی حیلہ سازی اور مکاری ۔۔۔! مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ جلد ان کو مکاری کی سزا دے گا۔ وہ فرماتا ہے قُلِ اللهُ اَسرَعُ مَكرًا ۔ اِنَّ رُسُلَنَا يَكتُبُونَ مَا تَمكُرُونَ (پیغمبر) تم کہہ دو اللہ مکر کی سزا دینے میں بہت تیز ہے۔ بے شک ہمارے فرشتے تمھاری مکاریاں لکھ رہے ہیں (سورۃ یونس آیت 21)۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 11 صفحہ 49، 57 اور 58 ﴾

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ فرض : وہ ہے جو دلیلِ قطعی سے ثابت ہو۔ اس کے لیے قرآن یا حدیثِ متواتر کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا منکر ، کافر ہوتا ہے۔ عمل کرنے والا مستحقِ ثواب اور ترک کرنے والا ، گناہ گار۔

☆ واجب : وہ ہے جو ثابت تو ہو مگر درجۂ یقین کو نہ پہنچے۔ اس کی دلیل ، ظنی (opinion based) ہوتی ہے۔ اس کے منکر کو کافر نہیں سمجھ سکتے۔ عمل کرنے والے کو ثواب اور نہ کرنے والے کو گناہ ہے۔

☆ سنت : وہ کام جس کو حضور ﷺ نے کیا ہو مگر کرنے کا حکم نہ دیا ہو۔ لہٰذا اس پر عمل کرنا ثواب کا موجب ہے۔ اور اس کا ترک کرنے والا ، تارکِ سنت اور محرومِ نعمت ہے۔

☆ مستحب : وہ نیک کام ہے جو ثواب کا باعث ہے۔ مگر اس کا نہ کرنے والا لائقِ عتاب نہیں۔

☆ صاحبو! بہت سے لوگ فرضِ اعتقادی اور فرضِ عملی میں فرق نہیں کرتے۔ فرضِ اعتقادی ایک قطعی اور متواتر حکم ہے۔ فرضِ اعتقادی کا منکر کافر سمجھا جاتا ہے۔ فرضِ عملی میں اصل حکم ، قطعی ہوتا ہے مگر اس کی تعیین یا valuation اجتہادی ہوتی ہے۔ فرضِ عملی کے منکر کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس میں انسانی رائے اور عقل کو دخل ہے۔ جیسے سر کا مسح ، فرضِ اعتقادی ہے۔اس سے حنفی ، مالکی ، شافعی اور حنبلی کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ مگر اس کی تعیین ، فرضِ عملی ہے ، کہ پورے سر کا مسح یا ناصیہ یعنی پیشانی کا یا اس قدر حصے کا کہ ، مسح کیا گیا ، کہا جاسکے۔ یاد رکھو کہ جہاں انسانی عقل کی مداخلت ہوئی ، تکفیر تو ایک طرف ، یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ اس نے عمل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ مالکی ، حنفی کے پیچھے اس لیے نماز نہ پڑھے کہ اس نے پورے سر کا مسح نہیں کیا۔ یا حنفی ، شافعی کے پیچھے اس لیے نماز نہ پڑھے کہ اس نے ناصیہ کا مسح نہیں کیا۔ فرضِ عملی اور واجب میں یہ فرق ہے کہ فرضِ عملی کا ترک ناقابلِ تدارک ہے ، اس کا کوئی cure نہیں اورجب کہ واجب کا ترک ، قابلِ تدارک ہے ، اس کے لیے treatment ہے۔ پس اگر نماز میں کوئی واجب ترک ہوجائے تو اس پر سجدہ سہو آئے گا۔ اسی طرح اگر حج میں کوئی واجب چھوٹ جائے تو دَم یعنی قربانی واجب ہو جائے گی۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 6 صفحہ 45 تا 48 ﴾

59 - چوری

☆ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ط

❁ اور جو مرد یا عورت چوری کرے تو ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے اس فعل کی سزا ہے، اللہ کی طرف سے عذاب ہے۔ اور اللہ بڑی عزت والا ہے (اس ظلم کو روا نہیں رکھتا) حکمت والا ہے (جو سزا اس نے مقرر کی ہے ، نہایت مناسب ہے)۔

(سورۃ المائدہ آیت 38)

☆ چوری کس کو کہتے ہیں؟ ـــ محفوظ مال کو خفیہ طور سے مالک کی مِلک میں سے نکال لینا چُوری ہے۔ تھوڑی سی چیز کے لے لینے کو چوری نہیں کہتے۔ پھر کتنی مقدار ہے کہ جس کے لے لینے کے بعد ہاتھ کاٹا جائے گا؟ـــ امام ابو حنیفہؒ کے پاس دس درہم ہیں ، امام شافعی کے پاس چوتھائی دینار ہیں۔ اور داؤدی اور خوارج کے پاس جو چیز قیمتی ہو خواہ ایک کوڑی کی ہو خواہ دو کوڑی کی ، چوری کہلائے گی۔ اہم بات یہ ہے کہ چوری شدہ مال محفوظ مقام میں ہونا چاہیے۔ راستے میں کوئی چیز پڑی ہو اور کسی نے اس کو اٹھا لیا ہو تو وہ چوری نہیں۔ اسی طرح سے کفن چور ، اُچکے اور گرہ کٹوں کو چوری کی سزا نہیں دی جائے گی۔ بلکہ دوسری قسم کی سزا دی جاسکتی ہے ، جسے تعزیر کہتے ہیں۔کہیں پر کوئی مسلح گھس کر کسی کا مال لے جائے تو یہ ڈاکہ ہوگا ، چوری نہ ہوگی۔ اور اس کی سزا امام کی رائے پر منحصر ہے ، چاہے یہ سزا قتل کی حد تک کیوں نہ پہنچے۔

☆ چوری میں کس قدر ہاتھ کاٹا جائے گا؟ـــ جواب ہے ، پہنچے (کلائی یعنی wrist) تک۔کیا چور کا ہاتھ کاٹنا نامناسب سزا نہیں؟ـــ بعض لوگ ، یوروپین اصول کے مطابق ، چور کو قید کرنے کے قائل ہیں۔ اور اس کے جواز کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔مگر سب بیکار۔ تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ جہاں ہاتھ کاٹنے کی چور کو سزا دی جاتی ہے وہاں چوری کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔ ہم لوگ حج کو

ایسے زمانے میں بھی گئے تھے جب کہ ہاتھ کا کاٹنا عملاً روک دیا گیا تھا۔ اس وقت چُرانا ، لوٹنا ، معمولی کھیل سمجھا جاتا تھا۔ اور ہم نے اس زمانے میں بھی حج کیا جب کہ نجدیوں نے چوری کی سزا (قطعِ ید یعنی ہاتھ کا کاٹا جانا) کو عملاً جاری کیا۔ اب وہاں چوری بالکل ختم ہوگئی ہے۔ یاد کرو ایک بار بنگال میں ململ بنانے والوں کے انگوٹھے کاٹ دیئے گئے تھے۔ میں اِن سے پوچھتا ہوں کیا وہ جائز تھا ۔۔۔؟ بے جا طرفداری کرنے والوں کو غور کرنا چاہیے۔ جو اللہ کے حکم کو ناحق سمجھتا ہے وہ ناحق پر ہے۔ دیکھو! ہمیشہ شرِعام کے مقابل شرِخاص کو اختیار کرنا چاہیے۔ شرِکثیر کے مقابل شرِ قلیل کا اختیار کرنا بہتر ہے۔ ہمارا چور کا ہاتھ کاٹنا ناجائز ہے لیکن تمھارا کروڑہا بندگانِ خدا کو ، جو کہ بالکل بے گناہ بھی ہیں ، نذرِ آتش اور بمبارڈ کردینا جائز ۔۔۔؟ واہ ، سبحان اللہ۔۔۔!

- صاحبو! اسلام میں آگ سے جلانے کی سزا کسی کو نہیں دی جاسکتی۔ کھٹمل ، پسو ، بچھو اور سانپ وغیرہ کسی کو بھی آگ میں نہیں جلا سکتے۔ بندگانِ خدا کو آگ میں بھوننے والے Hindu ہاتھ کاٹے جانے پر کس منھ سے اعتراض کرتے ہیں ۔۔۔؟ دوسروں کی آنکھ کا تنکا تو نظر آجاتا ہے ، اور اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا! وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اور جو اللہ کے اُتارے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں تو وہی لوگ فاسق ہیں (سورۃ المائدہ آیت 47) ، احکامِ الٰہی سے باہر ہیں۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 6 صفحہ 82 ، 83 ﴾

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ یہ زمانہ امی ٹیشن کا ہے۔ سونا چاندی امی ٹیشن ، الماس و یاقوت امی ٹیشن ، دودھ گھی تک امی ٹیشن۔ اس امی ٹیشن کے زمانے میں مسلمان امی ٹیشن ہوں تو تعجب کی کیا بات ہے ۔۔۔!

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 46 ﴾

60 - سجدۂ تعظیمی

☆ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلاَّ تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ط

(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا، تجھے کس نے منع کیا، کیوں تو نے سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ (ابلیس نے) کہا، میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اس (آدم) کو خاک سے۔ (سورۃ الاعراف آیت 12)

☆ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۔ اَبٰى ط

اور یاد کرو جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو پھر سب نے سجدہ کیا علاوہ ابلیس کے۔ کہ اس نے انکار کیا۔ (سورۃ طٰہٰ آیت 116)

- صاحبو! سجدہ کیا ہے؟۔۔۔ عاجزی کا اظہار کرنا۔ اس کا پورا مظہر یعنی display زمین پر سر رکھنا ہے۔ مختلف زمانوں میں سجدہ کی مختلف صورتیں تھیں۔ اسلامی سجدہ میں، سات اعضا کا زمین پر ٹکنا ہے۔ یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پیروں کے پنجے۔ کیا سجدہ شرک ہے؟۔۔۔ جی ہاں! سجدۂ عبودیت یقیناً شرک ہے، یعنی اللہ کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر سر زمین پر رکھنا شرک پر دلالت کرتا ہے۔ بزرگوں کے سامنے ان کی بزرگی کی وجہ سے سر کو زمین پر رکھنا، سجدۂ تعظیمی ہے۔ فرشتوں نے آدم کو سجدۂ تعظیمی کیا۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے بھی سجدۂ تعظیمی کیا۔ شرک ہر زمانہ میں حرام تھا۔ ان لوگوں کا سجدہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ الگ چیز ہے اور شرک الگ۔ شرک، دل کی صفت ہے۔ جب تک دل میں الوہیت (divinity) کا خیال نہ آئے شرک نہیں ہو سکتا۔

- جو بڑوں کے سامنے گردن جھکانے کو گناہ جانتے ہیں اور شرک سمجھتے ہیں وہ ذرا سورۃ الاسراء کی آیت 24 سے ماں باپ کے لیے وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ (اور ان کے لیے فرمانبرداری کا بازو جھکاؤ) کے حکم پر بھی غور کرلیں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ نے شرک کی تعلیم دی ۔۔۔؟

- دیکھو! لوگوں نے جب حضور ﷺ کو دیکھا تو ہاتھ پیر کو بوسہ دیا، چوما، قدم بوسی بھی کی۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ نہ رکوع کو سمجھے ہیں نہ سجود کو۔ یہ، نہ شرک کو سمجھے ہیں نہ بدعت کو۔ میں ہمیشہ لکھتا ہوں کہ شرک، عقیدہ کا نام ہے، نہ کہ عمل کا۔ جب تک نیت عبادت کی نہ ہو، بندے کو خدا نہ سمجھیں اور انہیں بالذات موجود نہ مانیں تو شرک کیوں کر ہوگا؟ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے لوگ گستاخ ہیں، بے ادب ہیں، خانہ خراب ہیں۔

با ادب با نصیب، بے ادب بے نصیب

- صاحبو! خالی سر جھکانا سجدہ نہیں ہے۔ نہ کسی بزرگ کے پیروں پر سر رکھ دینا سجدہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا، سجدہ میں سات اعضا زمین پر رکھے جاتے ہیں۔ اور سجدہ، خدا کو ہوتا ہے نہ کہ بندے کو ۔۔۔ تاہم سجدہ کی مشابہت بھی پیدا کرنا بُری بات ہے، کہ نادان دھوکہ کھا جائیں۔ دیکھو تم ایسے کام کرتے ہی کیوں ہو کہ لوگوں کو اعتراض کرنے کا موقع ملے۔۔۔؟

- واضح ہو کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے، کم تر، بزرگ تر کو سجدۂ تعظیمی کرتا تھا۔ اور یہ پہلے جائز بھی تھا۔ لیکن اب اسے منع کر دیا گیا ہے۔ رسول خدا ﷺ نے اس سجدۂ تعظیمی سے مخالفت فرمائی ہے۔ آپؐ نے سجدۂ تعظیمی کو اس لیے ناجائز کردیا ہے کہ یہ مظنۂ شرک یعنی suspicion of paganism ہے، مظاہر پرستی ہے، اور اس میں حد درجہ کی احتیاط ہے۔ آخر، اللہ کے لیے بھی تو کچھ رکھنا چاہیے ۔۔۔! سجدہ میں نہایت عاجزی ہے کہ اس میں، سر زمین پر رکھ دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اب کوئی کسی کو سجدۂ تعظیمی بھی نہیں کرسکتا۔ کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ سجدہ کی ممانعت خبرِ مشہور سے ثابت ہے۔ جو لوگ بزرگانِ دین کی طرف سجدۂ تعظیمی کو منسوب کرتے ہیں غلط کہتے ہیں۔ بزرگانِ دین نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کو کبھی جائز نہیں سمجھا۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (سورۃ النساء آیت 59 یا سورۃ النور آیت 54) پر ان کا عمل تھا۔ اور وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا، اے لوگو! تمھیں رسولِ مقبولؐ جس بات کا حکم دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو (سورۃ الحشر آیت 7) ان بزرگوں کے ہمیشہ پیشِ نظر تھا۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 8 صفحہ 71 تا 73 پارہ 9 صفحہ 88 پارہ 14 صفحہ 15، 16 پارہ 15 صفحہ 22 اور پارہ 16 صفحہ 125، 126﴾

61۔ تقلید

☆ یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ۔ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ۔ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ؕ

❀ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اپنے حاکموں کی بھی اطاعت کرو۔ اگر کسی مسئلہ میں کشمکش ہوجائے تو اس مسئلہ میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم ایماندار ہو اور اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے۔ (سورۃ النساء آیت 59)

- صاحبو! موجودہ زمانے میں کیا ہو رہا ہے ۔۔۔؟ قرآن اور حدیث کو پس و پشت ڈال دیا گیا ہے۔ آج کل نہ ماں باپ کی اطاعت ہے ۔ نہ دوسرے بزرگوں کی فرماں برداری۔ سرکاری قانون کے سامنے قرآن و حدیث کی تمھارے پاس کچھ وقعت نہیں۔ تم حقیقتاً اللہ اور اس کے رسول کے سوا دوسروں کی پوجا کررہے ہو۔

خدا کو تمھاری غرض کیا پڑی ہے
جو تم کو، خدا ہی سے بیزاریاں ہیں

کل معلوم ہوجائے گا کہ اللہ کی نافرمانی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ چار دن کی زندگی اور غیر خدا کی بندگی۔۔۔! توبہ کرو ، مرنا ہے۔ دوزخ میں جلنا ہے۔ جب تک سانس ہے ، تب تک آس ہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرلو۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔ اور اُس وقت پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا۔

- آج کل ایک عجیب ہڑبونگ مچی ہے۔ جس کو دیکھو اجتہاد کا دعوٰی کر رہا ہے۔ چار سطر عربی کے درست پڑھ نہیں سکتے ، قرآن و حدیث کو سمجھنا تو کوسوں دور ہے۔ نہ لغت سے واقف نہ نحو سے۔

اصولِ فقہ اور اسرارِ دین سے مس یعنی touch تک نہیں ، اور ہر ایک ہے کہ بل کھا رہا ہے کہ میں مجتہد ہوں۔ قرآن و حدیث کے تو ہوگئے مجتہد۔ مگر اپنے لیے جب قانون کا کوئی مسئلہ آجاتا ہے تو وکیل صاحب کے پاس دوڑے جاتے ہیں کہ آپ عدالت میں جاکر بحث کریں۔ خود میں اردو کا قانون تو سمجھنے کا حوصلہ نہیں ، اور آپ ہیں کہ قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط (infer) کرنے لگے۔ تقلید کے نام سے بیزار ہیں۔ اور تقلید میں گرفتار ہیں۔ خود ہیں کہ تقلید کیے جارہے ہیں۔ سمجھ ہوتی تو معلوم ہوتا کہ امام اعظمؒ ، امام شافعیؒ ، امام مالکؒ ، امام احمد ابن حنبلؒ کی تقلید تو چھوڑ دی مگر اختیار کی تو کس کی تقلید؟ --- محمد بن علی کاشانی کی ، ابن قیم ابن حزم کی۔

- ایک صاحب تقلید کی سخت برائی کر رہے تھے۔ اتنے میں ، مَیں بھی پہنچ گیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی ، نواب صدیق حسن خان کی۔ اس کا نام تھا ، فتح المغیث فی فقہ الحدیث۔ میں نے کہا جناب! ذرا میں بھی تو دیکھوں ، یہ کتاب ہے کیا؟ انھوں نے کتاب مجھے دے دی۔ اس میں مالابد اور کشف الحاجۃ کی طرح نرے مسائل تھے۔ نہ کوئی قرآن کی آیت ، نہ کوئی حدیث کا حوالہ۔ صاحبِ مذکور نے کہا ، جناب اس کتاب میں جتنے مسائل ہیں وہ قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔ اس میں کسی کی تقلید نہیں کی گئی ہے۔ میں نے کہا جناب آپ سے کس نے کہا کہ یہ قرآن و حدیث کے مطابق ہے؟ انھوں نے کہا یہ نواب صدیق حسن خان کی کتاب ہے ، انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ قرآن و حدیث سے ہی لکھا ہے۔ میں نے پھر سوال کیا ، آپ کس اعتبار پر ان مسائل کے قرآن و حدیث سے ماخوذ ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں؟ جناب! میں نے کہہ تو دیا صدیق حسن خان سے ، یہ نواب صدیق حسن خان کی کتاب ہے اور قرآن و حدیث کے مطابق ہے۔ میں نے پوچھا ، کیا آپ صدیق حسن خان پر اعتبار اور اعتماد کرکے ایسا کہتے ہیں؟ جواب دیا ، ہاں جناب! نواب صاحب بڑے عالم اور دین دار تھے۔ میں نے کہا ، اچھا تو کیا کسی پر یوں اعتماد کرکے ان کی اطاعت کا قلادہ ڈال لینا تقلید نہیں---؟ آپ نے امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا ہار تو گلے سے اتار دیا مگر غور سے دیکھیے کہ آپ کے گلے میں تو نواب صدیق حسن خان کی تقلید کا پٹہ پڑ گیا ہے ---!

- دیکھنا! یہ ایک فطری بات ہے کہ نادان دانا سے ، جاہل عالم سے پوچھتا ہے اور اس کے کہے پر اعتماد کرتا ہے۔ اور حکم بھی یہی ہے۔ فَسْئَلُوٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ پس اہلِ علم سے سوال کرو اگر تم

کو معلوم نہ ہو (سورۃ النحل آیت 43)۔ یاد رکھو! اِسْئَلُوا ، امر ہے یعنی حکم ہے، لہذا وجوب یا obligation پر دلالت کرتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں" اَلاَ سَئَلُوْا اِذَا لَمْ یَعْلَمُوْا فَاِنَّمَا شِفَآءُ الْعِیِّ السُّوءَ ال " کیوں نہیں سوال کیا جب جانتے نہ تھے ، عاجز و ناواقف کا علاج سوال ہی ہے۔ دیکھو! ساری دنیا میں یہی ہوتا ہے کہ ماہرِ فن پر اعتماد کرتے ہیں ۔ جب تک خود کو مہارت نہ ہو دوسرے کی تقلید کرتے ہیں۔ مشکلات پیش آتی ہیں اور خود کو عاجز پاتے ہیں تو مجبوراً تقلید کرنا ہی پڑتی ہے۔ بے علمی پر ایسی خود مختاری ، تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ دیکھو! حساب ایک معمولی فن ہے مگر ایک زمانے تک کسی استاد کے زیرِ تعلیم رہتے ہیں۔ وہ حل کے لیے قاعدے بتاتا ہے تو کہیں صحیح جواب لکھنا نصیب ہوتا ہے۔ کسی ناقص نے کہہ دیا حدیث میں اس طرح آیا ہے بس اس پر اعتماد کرلیا۔ نہ تحقیق (verification) نہ تدقیق (consideration)۔ آخر تقلید کس ہوئے کا نام ہے۔ دوسرے پر اعتماد کرنا ہی تو تقلید ہے۔

– وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ اور اگر اس (مشکل مسئلہ) کو رسول کی طرف رجوع کرتے اور ان کی طرف جو صاحبِ امر ہیں تو جن لوگوں میں مسائل کے استنباط کی قابلیت ہے ، استنباط کرتے ، حکم کو سمجھتے (سورۃ النساء آیت 83)۔ افسوس! خود کو کچھ آتا نہیں ، بڑوں کی تقلید سے بھاگتے ہیں ، اور چھوٹوں کی تقلید میں پھنسے جارہے ہیں۔

– افسوس! آج کل علم کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ ضرورت ہے بسیار گوئی کی یعنی لمبی گفتگو میں مہارت کی۔ اور لفاظی کی۔ آج کا معمول ہے بزرگوں کو جاہل سمجھنا ، اپنی نادانی پر اکڑنا ، جاہلوں کو الّو بنانا ، ان کو گمراہ کرنا اور ان سے داد لینا۔ جس کے لیے ضرورت ہے تھوڑی بے حیائی کی۔ تھوڑی جرأت اور استقلال کی۔ بس ایک بات کہہ جانا چاہیے۔ دو چار احمق تو ہاں میں ہاں ملانے ہر وقت تیار ہو ہی جائیں گے۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 36 ، پارہ 5 صفحہ 41 تا 44 اور پارہ 14 صفحہ 71 ، 72۔

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ ، خدا نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان رکھتے ہیں اور عملِ صالح کرتے ہیں کہ ان کو زمین کا حاکم بنا دے گا (سورۃ النور آیت 55)۔ صاحبو! اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ وہ مسلمانوں کو حکومت دیگا۔ پہلے دیا تھا اور اب بھی دے گا۔ تم مسلمان ہو۔ تمھارا دین مقبول ہے۔ وہ تمھارے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ مگر اس کے ساتھ شرائط بھی بتا دی ہیں۔ اللہ کی عبادت کریں۔ اس سے شرک نہ کریں۔ نماز کی پابندی کریں۔ زکواۃ دیں۔ اور پیغمبر کی اطاعت کریں۔ جب یہ سب مفقود ہے ، lacking ہے ، تو حکومت کیسے دی جائے؟ اور کیوں کر دی جائے ۔۔۔؟ جیسا کام ویسا انجام ۔۔۔! تم نے اللہ سے منہ موڑا۔ اس نے بھی تم سے اعراض کرلیا ، ناراض ہو گیا ۔۔۔ دیکھو! اب بھی توبہ کرو۔ روؤ۔ اپنے کرتوت پر نادم ہوجاؤ۔ اللہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ہے۔ وہ معافی دے دے گا۔ پھر تمھاری پہلے سی عزت ہوگی۔ حکومت ہوگی۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 18 صفحہ 80 تا 82 ﴾

☆ لیلۃ القدر کی تاریخ کیوں نہیں بتائی گئی؟۔۔۔ اس لیے کہ تم اس کی تلاش میں کوشش کرو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں کوئی ایک رات شبِ قدر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ سال بھر میں ایک رات ہے۔ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف بیٹھتے۔ یعنی مسجد ہی میں سو رہتے۔ رات دن عبادت میں مشغول رہتے۔ دیکھو! قرآن کے اترنے کی ابتدا جس دن ہوئی اس دن کی کس قدر عظمت ہے۔ تو خود قرآن کی کتنی عظمت ہوگی؟ یہ جس کے دل میں آگیا ہو ، یعنی جس نے حفظ کیا ہو یا سمجھ کر پڑھتا ہو ، اس کی بھی اللہ کے پاس کیسی عظمت ہوگی؟ قرآن سے جتنا ربط زیادہ ہوگا ، جس قدر اپنی زندگی اس کے مطابق بناؤ گے اتنی ہی اللہ کے پاس تمھاری قدر و منزلت زیادہ ہوگی۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 30 صفحہ 153 ﴾

62 - وسیلہ

☆ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ط

❁ اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ بہ حکمِ خدا اس کی اطاعت کی جائے۔ اور اگر انھوں نے اپنا بُرا کیا تھا (اپنی تباہی و بربادی کر دی تھی) تو تمھارے پاس آتے، پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے، تو اللہ کو توّاب اور رحیم پاتے۔ (سورۃ النساء آیت 64)

☆ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ط

❁ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ سے ملنے کے ذریعے ڈھونڈو اور راہِ خدا میں جہاد کرو (ایسا کروگے) تو امید ہے کہ تم فلاح پاؤ۔ (سورۃ المائدہ آیت 35)

- صاحبو! آج کل بزرگوں سے اعراض و رُوگردانی (repulsion & dislike) کی ہوا چل رہی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرشد کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ بس ہے۔ اسی سے براہ راست مانگو۔ کوئی اس آیت پر غور کرے اور وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ کو سمجھے کہ پیغمبر کے بھی دعائے مغفرت دینے کی کیا ضرورت تھی؟ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ تو تھا ہی، یہ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ کیوں۔۔۔؟ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے بھی یعقوب علیہ السلام سے دعائے مغفرت چاہی تھی۔ یہ سب کیوں۔۔۔؟ صاحبو! یہ ایک طرح کی توسل ہے، استمداد ہے، seeking assistance ہے۔ تم اول اللہ تعالیٰ کے دربار میں جانے کے قابل منھ تو بناؤ پھر اس دربارِ پُرانوار تک جانے کی جرأت کرنا۔

محبوبِ خدا سے پھیر کے منہ

اللہ کو شکل دکھانا کیسا

دراصل ان لوگوں کے دلوں میں نہ پیغمبر کی عظمت ہے نہ اس کی محبت۔ یہ لوگ شفاعتِ نبوت سے محروم ہیں اور رحمتِ ربوبیت سے مردود۔ الا ذلك هو الخسران المبين (سورۃ الزمر آیت 15)۔

- صاحبو! اوپر بیان کردہ سورۃ المآئدہ کی آیت 35 پر غور کرو۔ اس میں پہلے حکم دیا گیا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو۔ جتنے باطل نقوش دل پر نقش ہوگئے ہیں انہیں مٹادو۔ حرام چیزوں اور مکروہات سے بچو۔ خواہشاتِ نفسانی کے دیوتاؤں کو دل کے مندر سے نکالو۔ ممنوعات سے احتراز کرو۔ چوری ، رشوت خوری ، سود خوری ، ریاکاری ، تکبر اور خود پسندی سے بچو۔ جب تک بُری باتوں سے آئینۂ دل صاف نہ ہوگا ، مقصود کی صورت ہرگز نظر نہ آئے گی۔

روئے حبیب آئے نظر کس طرح کہ ہو

شیرازۂ خیال پریشاں کئے ہوئے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَابۡتَغُوا اِلَیۡهِ الۡوَسِیۡلَةَ ، اس سے ملنے کے لیے وسیلے ڈھونڈو۔ تمام نیک کام اللہ سے ملنے کے وسیلے ہیں۔ نماز پڑھو ، روزہ رکھو ، حج کرو ، زکواۃ دو۔ ہر قسم کے نیک کام کرو مگر سب سے بڑی چیز اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا ، اس کو ایمان نہیں ملتا ، جب تک رسول اللہ ﷺ اس کی جان سے ، اس کے ماں باپ سے اس کی اولاد سے ، اس کے مال سے اور ساری دنیا سے عزیز تر نہ ہوجائیں۔

- آج کل دین کے ، نبی کریمؐ کی محبت کے ، اور اولیائے کرام کی محبت کے ڈاکو زوروں پر ہیں۔ اس عظیم الشان نسبت کی ڈوری کو منقطع کر دیتے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حبیبِ خدا ﷺ نے فرمایا ہے" جو جس کو چاہے اس کے ساتھ ، تو جس کو چاہے اس کے ساتھ" --- چنانچہ انہیں چاہیے کہ وہ ہمیشہ اس دعا کو پیش نظر رکھیں اور اس کو وردِ زبان بنائیں۔ جس کو ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ ، طبرانی ، صحیح ابن خزیمہ ، حاکم بیہقی نے عثمان بن حنیف سے روایت کی ہے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیۡكَ بِحَبِیۡبِكَ الۡمُصۡطَفٰی عِنۡدَكَ یَا حَبِیۡبَنَا یَا مُحَمَّدۡ. اِنَّا نَتَوَسَّلُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ فَاشۡفَعۡ لَنَا عِنۡدَ الۡمَوۡلٰی الۡعَظِیۡمِ یَا نِعۡمَ الرَّسُوۡلُ الطَّاهِرُ. اَللّٰهُمَّ شَفِّعۡهُ فِیۡنَا بِجَاهِهٖ عِنۡدَكَ.

- اے عاشقانِ رسول۔۔۔! تم ابن عمر،اور ابن عمرو ابن العاص کی اتباع میں یَا رَسُوْلَ اللہِ ، یَا رَسُوْلَ اللہِ پکارتے رہو۔ یَا مُحَمَّدُ کو وردِ زبان رکھو۔ دعا کرتے رہو کہ اللہ تم کو ، ہم کو ، اپنے حبیب ﷺ کی محبت دے۔ ان کے دوستوں کی محبت دے۔ ان کی یاد میں مست رکھے۔ یہ رشتۂ محبت ، تم کو خدا تک پہنچا دے گا۔

- دیکھو! سورۃ المائدہ کی اس آیت 35 کے آخر میں اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ راہِ خدا میں خوب جدوجہد کرو۔ اپنی جان لڑا دو۔ اللہ کے واسطے مارنے مرنے کو تیار ہوجاؤ۔ بے معنی الفاظ اور بڑے دعوے ہی دعوے سے کیا ہوتا ہے؟ کچھ کام بھی تو کرو۔ سوگز واروں ایک گز نہ پھاڑوں ، کیا کام آسکتا ہے؟ ہر دعوے کی دلیل ہوتی ہے۔ بے دلیل دعویٰ ، کام نہیں آتا۔ یہ کیا ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ اور کام کرنے سے دور؟ محنت سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ جو کسی کو چاہتا ہے تو رات دن اسی کے ذکر میں رہتا ہے۔تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہو پھر ان کی اتباع سے بھاگتے بھی ہو۔ صاحبو کچھ تو کرو۔۔۔!

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید
(خلافِ پیغمبر کوئی کیسے جاسکتا ہے۔ کہ ہرگز اپنی منزل پر نہ پہنچے گا)

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 5 صفحہ 47 ، 48 اور پارہ 6 صفحہ 79 ، 80 ٭

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! آج کل کیا ہورہا ہے ۔ اول تو لوگ نمازِ جمعہ پڑھنے کے لیے آتے ہی کم ہیں۔ جو آتے ہیں وہ خبر رکھتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ کب شروع ہوگا۔ اور نماز شروع ہونے کے وقت آجاتے ہیں۔ آتے ہیں توکس طور سے ؟۔۔۔ شیروانی یا واسکٹ اتار دیتے ہیں۔حالانکہ(سورۃ الاعراف آیت 31 میں) خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ کا حکم ہے ، یعنی آراستہ ہو کر نماز کو جاؤ۔ دیر سے آتے ہیں اور لوگوں کو پھلانگتے اور دھکے دیتے ہوئے اگلی صف میں پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صف بندی ہوتی ہے تو بازو سے بازو لگا کر کھڑے نہیں ہوتے۔ حکم تو یہ ہے کہ مضبوط دیوار بن کر کھڑے رہو۔ خیر ، فرض نماز تو کسی طور ہوچکی۔ واپس ہونے والوں کا حال یہ ہے کہ لوگ راستہ ہی نہیں دیتے جس کے نتیجے میں بعض تو لوگوں کو کھندلتے اور دھکے دیتے ہوئے نکلتے ہیں۔ پھرلیکچر اور اسپیچ سننے کے ایسے شوقین کہ مقرر اور اسپیکر کے پاس پہنچ گئے۔ ایک پکارتا ہے ، نعرۂ تکبیر ، اور دوسرے ہیں کہ اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہیں۔ ان خطبے اور لیکچر سے کیا فائدہ ہوا؟ پوچھو تو کہا جاتا ہے ، واہ کیا تقریر تھی ، کیسا خطاب تھا ، کیا لیکچر تھا کہ سب لوگ عش عش کر رہے تھے۔ آخر خطیب صاحب نے کہا کیا؟۔۔۔ خطیب صاحب نے فرمایا۔ مسلمانو! چندہ دو۔ یہ آواز ایسی ہے کہ کسی کو ذرا پسند نہ آئی۔ اچھا! چندہ جمع ہوا۔ اس کا کچھ حساب و کتاب ہے؟ کچھ جمع و خرچ ہے؟ کسی کھاتے میں اس کا ذکر ہے؟ جواب ملتا ہے کہ آپ لوگ بڑے بدگمان ہیں۔ ہمارے مقرر صاحب لائقِ اعتماد ہیں۔جو کچھ جمع کرتے ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ وہ بہتر اور عمدہ مصرف میں ہی لگایا جائے گا۔

﴾ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 28 صفحہ 57 ﴿

☆ یاد رکھو کہ تعصب جدا چیز ہے اور عصبیت جدا چیز۔ ناجائز تائید کا نام ، تعصب ہے۔ اور جائز حمایت ، عصبیت ہے۔ دنیا کے کام عصبیت ہی پر چلتے ہیں۔ ہر قوم اپنے نظام کو اچھا سمجھتی ہے اور اس کی حفاظت اپنا فرض جانتی ہے۔

﴾ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 14 ﴿

63 - شفاعت

☆ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ط

❁ اور (قرآن سنا کر) خبردار کردو ان لوگوں کو جن کو ان کے رب کے پاس حاضر ہونے کا خوف ہے کہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارشی (یہ تم ان کو اس لیے سناؤ کہ) شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ (سورۃ الانعام آیت 51)

- صاحبو! اگرچہ کہ اس آیت کے لَا شَفِیْعٌ سے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے کوئی شفیع نہیں۔ لیکن دیکھو آیۃالکرسی میں یہ بھی ہے کہ مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشفَعُ عِنْدَهٗ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ ، یعنی کون ہے جو اللہ کے اِذن کے بغیر اللہ کے دربار میں سفارش کرسکتا ہے۔ ایک اورجگہ ہے مَنْ یَّشفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا یعنی جو شخص اچھی سفارش کرے اس کو اس کی وجہ سے اس میں سے حصہ ملے گا (سورۃ النساء آیت 85) ۔

- ہمیشہ یاد رکھو کہ کوئی بات ایک جگہ مطلق یا independent ہو اور دوسری جگہ مقیداور restricted تو ایسے میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا یعنی apply کرنا چاہیے۔ یعنی لَا شَفِیْعٌ کے معنی ہوئے اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کرسکتا۔ اس بات پر غور کرنا بھی ضروری ہے کہ دنیا میں اگر کوئی شفاعت کا اجازت یافتہ ہوسکتا ہے، تو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔۔۔؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاسْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (سورۃ النساء آیت 64)۔ گویا پیغمبر اگر کسی کے لیے مغفرت چاہے تو اللہ اس کی توبہ ضرور قبول کرے گا ، ان پر رحم کرے گا۔

- دعائے مغفرت کرنا کیا شفاعت میں داخل نہیں؟ ۔۔۔ حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ (سورۃ مریم آیت 47) یعنی میں تمھارے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔ یہ سب شفاعت کی ہی صورتیں ہیں۔

یہ کون کہتا ہے کہ اللہ شفاعت قبول کرنے پر مجبور ہوگا۔ وہ تو نہ ہمارے پیدا کرنے پر مجبور تھا، نہ پرورش کرنے پر۔ نہ شفاعت قبول کرنے پر اور نہ بخشنے پر۔ یہ سب اس کا کرم ہے۔ شفاعت کرنا بھی اللہ کے رحم کا تقاضہ ہے اور شفاعت قبول کرنا بھی اللہ کے رحم و کرم کا کرشمہ ہے۔

- بعض نادان کہتے ہیں کہ پیغمبر ہو یا ولی، اللہ کے پاس کسی کی وجاہت و آبرو نہیں کہ اس وجاہت و آبرو کی وجہ سے شفاعت قبول کرے۔ جناب! عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَجِيهًا فِي الدُّنيا والآخرة و من المُقرَّبِين یعنی وہ دنیا اور آخرت میں با وجاہت و با آبرو ہیں، اللہ کے مقربوں میں سے ہیں (سورۃ آل عمران آیت 45)۔ تو سوچو کہ ہمارے سیدِ عالم ﷺ کس قدر با وجاہت ہونگے۔ جو بدبخت، اللہ کے دوستوں کو بے آبرو سمجھے وہ خود بے آبرو ہے۔ اس قسم کے مہمل الفاظ کہنے پر دوستانِ خدا کی عداوت برانگیختہ کرتی ہے۔ یہ ظالم اللہ کو سمجھ سکے نہ اس کے رحم کو۔ اس کے دوستوں کی سفارش کو سمجھے اور نہ ہی ان کے کرم کو۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اللہ ان کی بیماری کو اور بڑھاتا ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللہِ۔

- کیا فرق ہے شفاعت اور نام نہاد کفارۂ مسیح میں؟ --- کفارۂ مسیح میں حضرت عیسیٰؑ سب کے گناہوں کی گٹھری اپنے سر پر دھر کر دوزخ میں چلے گئے (اَسْتَغْفِرُ اللہِ)، خود عذاب اٹھایا اور دوسروں کو بچایا۔ اب عیسائی چاہے جتنا گناہ کریں، جس قدر غریبوں پر ظلم و ستم کریں، غیر مذہب والوں کو تکلیف اور ایذا پہنچائیں، کوئی گناہ نہیں۔ کیا یہ سب کچھ درست ہوسکتا ہے---؟ بالکل نہیں۔ دیکھو! اسلام میں یہ ہرگز درست نہیں کہ گناہ کرے کوئی اور عذاب ہو کسی اور پر۔ اصل یہ ہے کہ سفارش، ایک قسم کی التجا ہے، دعا ہے۔ جب اللہ کو اپنے دوستوں کا اعزاز کروانا ہوتا ہے تو سفارش قبول کرلیتا ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ اَلحُبُّ فِی اللہِ یعنی اللہ کے لیے محبت، یہ بھی عمل ہے اور بہترین عمل ہے۔ کوئی عمل ضائع نہیں جاتا تو یہ عمل کیوں کر ضائع ہوجائے گا۔ اللہ اپنے دوستوں کی ضرور سنے گا۔ اور ان کے اعزاز کو ساری دنیا پر ظاہر اور نمایاں کرے گا۔ اس سے نہ اللہ کی مجبوری ثابت ہوتی ہے نہ ایک کے گناہ میں دوسرے کا عذاب میں گرفتار ہونا۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 5 تا 9 اور پارہ 7 صفحہ 74 اور 75﴾

64 - بیعت

☆ اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰہَدَ عَلَیۡہُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿ؕ﴾

❁ بے شک جو لوگ تمھارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ ہی کا ہاتھ ان ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو خلافِ عہد کام کرے اس خلاف کا بُرا اثر اسی پر پڑے گا۔ اور جس نے اللہ سے جو عہد کیا اس کو پورا کرے تو عنقریب اس کو اللہ اجرِ عظیم عطا کرے گا۔ (سورۃ الفتح آیت 10)

- صاحبو! بیعت کے معنی بیچنے کے ہیں۔ کسی اہم معاہدہ یا agreement کو بھی بیعت کہتے ہیں۔ عربوں کی ایک عادت یہ ہے کہ کوئی معاہدہ کیا جاتا ہے تو ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں۔ جس طرح تمام سلطنتوں میں حلفِ وفاداری (oath) لیا جاتا ہے اسی طرح کسی اہم بات کی تاکید پر بیعت لی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کوئی مسلمان ہوتا تو بیعت کرتا۔ توبہ کرتا تو بیعت لی جاتی۔ بیعتِ تقویٰ و توبہ عورتوں سے بھی لی جاتی۔ بعض دفعہ اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کے متعلق بیعت لی جاتی جیسا کہ حدیبیہ میں ہوا۔ بعض دفعہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے کچھ نہ مانگنے پر بھی بیعت لی۔ اور کبھی آپؐ نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں ثابت قدم رہنے پر بھی بیعت لی۔ غرض کہ کسی اہم چیز پر عہد لینے کا نام بیعت ہے۔

- دیکھو! 2 جمع 2 ، 4 ہوتے ہیں۔ 4 میں سے 2 تفریق کریں تو 2 باقی رہتے ہیں۔ یوں حساب ایسا یقینی علم ہے کہ بہ مشکل کوئی دوسرا علم ایسا یقینی و قطعی ہو سکتا ہے۔ پھر بھی پہلی کلاس سے لے کر دسویں کلاس تک اس کی تعلیم حاصل کی جاتی ہے تب کہیں جاکر اس میں کچھ مہارت حاصل ہوتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو اپنی غلطی معلوم نہیں ہوسکتی۔ اس کے لیے کسی استاد کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ استاد ہی شاگرد کی غلطیوں کو پکڑتا جاتا ہے اور اس کی نگرانی کرتا ہے۔ غور کرو کہ جب ایسی بدیہی یعنی plain & self-evident چیزوں میں غلطی ہونے سے ، استاد کی ضرورت ہوتی ہے تو سلوکِ راہِ خدا میں روحانی استاد یا شیخ کی کیوں ضرورت نہ ہو۔۔۔؟ جب کہ ان لطیف اور نازک چیزوں میں تو غلطیوں کے امکانات زیادہ رہتے ہیں۔

- اچھا ایک ہی شیخ کی تعلیم کے پابند رہنے کی کیا وجہ؟ ۔۔۔ اولاً یہ کہ مختلف لوگوں کے مختلف خیالات سن کر آدمی کو حیرت لاحق ہوجاتی ہے ، یعنی ایک طرح کی confusion پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے صرف اسی کو اپنا پیشوا بنانا چاہیے جس پر تم کو مکمل اعتماد ہو۔ دوسرے اس بات پر بھی غور کرو کہ کسی اہم مقدمہ میں اگر ہر روز ایک وکیل بدلا جائے تو نہ تو اس کی پیروی ہی برابر ہوسکتی ہے اور نہ ہی کامیابی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ دیکھو! اردو میں قانون کی کتابیں موجود ہیں۔ کیا ان کو دیکھ دیکھ کر مقدمہ کو چلا سکتے ہیں؟ نہیں۔۔۔! ہر کام میں ایک شخص ماہر ہوتا ہے۔ اسی پر اعتماد کرکے اپنے تمام مقدمات و معاملات کو اس کے حوالے کرنے کی ضرورت ہے۔

- کچھ لوگ یہ سوال بھی اٹھاتے ہیں کہ ، کیا توبہ کرنا اور استغفار پڑھنا کافی نہیں؟۔۔۔ ایسے اعتراضات ایسے سوالات ، قرآن سے ناواقف ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے ، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ، اور اگر انھوں نے اپنے ہاتھوں اپنا برا کیا تھا تو تمھارے پاس آتے ، اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتے تو اللہ کو تواب و رحیم پاتے (سورۃ النساء آیت 64) اس سے تو صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اکیلے اور تنہا استغفار کرلینے سے کام نہیں چلتا۔ کسی روشن دل شخص کی بھی دعائیں لینی چاہیے۔ دیکھو! جب تک رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں جلوہ فرما تھے گنہ گاروں کے لیے مغفرت طلب فرماتے تھے۔ اب جب کہ آپؐ ، ہم گنہ گاروں کی آنکھوں سے پردہ کیے ہوئے ہیں تو ان کا خلیفہ، ان کا نائب ، ان کا قائم مقام ، لوگوں سے بیعت لیتا ہے۔ اور موجودہ مشائخِ کرام بھی اسی کے تحت اپنے مریدوں سے بیعت لیتے ہیں۔ اور یہ بیعت ، توبہ ہی کی ایک صورت ہے۔

- عام طور پر مشائخِ کرام کس طرح بیعت لیتے ہیں؟ ۔۔۔ مردوں کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور ان سے عہد لیتے ہیں کہ وہ ، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق رہیں گے ، اور ان سے جس قدر

ہو سکے گا گناہ سے بچیں گے اور نیکی پر کاربند رہیں گے۔ بیعت کے وقت استغفار و عہد کے الفاظ کہنے کے بعد اوپر بیان کی گئی سورۃ الفتح کی پوری آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ سے فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا تک) پڑھتے ہیں۔ اور بعض شیخ کہتے ہیں کہ میں تم کو اس آیت کی وصیت کرتا ہوں ، اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۔ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم آپس میں عدل و انصاف کرو ، دوسروں پر احسان کرو ، اور قربتداروں کو دو ، اور تمھیں ممانعت کرتا ہے فحش و بے حیائی اور قابلِ انکار باتوں سے ، اور سرکشی اور بغاوت سے ، تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم اس کو یاد رکھو (سورۃ النحل آیت 90)۔ اس کے بعد شیخ ، ہمیشہ مرید کو اپنی نگرانی میں رکھتا ہے اور ہر وقت اپنے حسنِ توجہ سے ، روحانی امداد سے اور قوتِ خیالی و ارادی سے ، مرید کو بُری باتوں سے روکتا ہے۔ اور نیک اعمال کو اور ان کی نیتوں کو درست رکھتا ہے۔

- عورتوں کی بیعت میں ، خالی زبان سے بیعت کرلینا کافی ہے۔ بعض بزرگانِ دین اپنے رومال یا چادر کا ایک گوشہ خود پکڑتے ہیں اور دوسرا گوشہ عورت کو دیتے ہیں کہ پکڑے۔ بعض لوگ ، لگن میں پانی رکھتے ہیں اور اس کے ایک جانب شیخ کا ہاتھ ہوتا ہے اور دوسری جانب مرید ہونے والی عورت کا۔ اکثر عورتیں معمر اور بوڑھے شیخ کے سامنے بے پردہ ہوتی ہیں مگر مرید ہونے والی عورت کا شیخ کے سامنے بے پردہ ہونا کوئی ضروری چیز نہیں ہے ، چاہے شیخ معمر اور بوڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ بعض دفعہ ، چھوٹے کم سمجھ بچوں سے بھی بیعت لی جاتی ہے۔ اس کو بیعتِ برکت کہتے ہیں۔

- شیخ کیسا ہونا چاہیے؟ --- شیخ ، مریدی کی غرض اور مقصد کو پورا کرنے کی قابلیت رکھنے والا ہو۔ بعض شیوخ کا خیال ہے کہ مرشد کچھ قرآن شریف کے احکام کی آیتیں اور حدیث و فقہ کے ضروری مسائل سے بھی واقف ہو اور کسی تجربہ کار ہستی کے فیضِ صحبت سے باریاب ہو۔ بعض بزرگوں نے اچھے مرشد کی یہ تمیز بتائی ہے کہ جس کی صحبت میں وسوسے اور فضول خیالات سب بند ہوجائیں اور آدمی کا خیال ، اللہ اور رسول کے ساتھ وابستہ ہو جائے ، وہ اچھا مرشد ہے۔

دیکھ سمجھ کر دینا ہاتھ ورنہ پیچھے ندامت ہے
غیر سے جو کردے آزاد لازم اس کی صحبت ہے

- دیکھو! اچھے اور بُرے کو جانچنے کا ایک بڑا معیار انسان کی آنکھ ہے۔ جس کا دل ، مستقیم ہوتا ہے اس کی آنکھ بھی ایک نقطہ پر قائم ہوتی ہے۔ پریشاں خاطر کی آنکھ بھی پریشان رہتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر ایک اچھے شیخ کے پیچھے درود شریف پڑھو تو وہ پلٹ کر دیکھتا ہے اور کچھ پوچھو تو فوراً جواب دیتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر شخص میں سے اس کے خیالات اور اس کی صحبت کے اثرات vibrate کرتے ہیں اور چاروں طرف پھیلتے ہیں۔ نیک کی صحبت سے نیکی حاصل ہوتی ہے اور بد کی صحبت سے بدی۔ دیکھو! پانی میں اگر ایک کنکر ڈالیں تو اس سے تھوڑے vibration اور چھوٹے دائرہ کی موجیں پیدا ہونگی۔ اگر بڑا پتھر ڈالیں تو اس سے زیادہ vibration اور بڑے دائرہ کی موجیں پیدا ہونگی۔ اور اگر ایک کنکر اور ایک پتھر دونوں بہ یک وقت پانی میں ڈالے جائیں تو بڑے پتھر والی موجیں ، کنکر والی موجوں کو مضمحل یعنی vanish کر دیں گی۔ بالکل اسی طرح ، معمولی خیالات والا آدمی ، کمزور یقین کا شخص ، اگر کسی کامل کی صحبت میں بیٹھے تو اس کے تمام وسوسے اور واہی تباہی خیالات ختم ہوجائیں گے۔ گویا اس سے بھی شیخِ کامل کے اثرِ صحبت کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔

- کیا ہر شخص کو مرید ہونا ضروری ہے؟ --- دیکھیں! ایک شخص گناہوں سے بچنے اور نیکی کی راہ اختیار کرنے کو ضروری سمجھتا ہے اور اس کو ایک اعلیٰ معیار پر بھی ادا کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ اس کو ضروری نہیں سمجھتے تو آپ کو محرومیت مبارک ! بزرگوں کا مقولہ ہے" مَنْ لاَّ شَیْخَ لَہٗ فَشَیْخُہُ الشَّیْطَان " یعنی جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر ، شیطان ہوتا ہے۔

- یہ قادری، چشتی، نقشبندی وغیرہ طریقے کیوں پیدا ہوئے؟ --- اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح قرآن و حدیث سے استنباط کرنے والے فقہا مختلف ہیں جیسے حنفی ، شافعی ، مالکی اور حنبلی ، اسی طرح راہِ سلوک طے کرنے والے قادری ، چشتی اور نقشبندی وغیرہ ہیں۔ ایک بات یاد رکھو کہ خوب صورت وہی ہے جو سر سے پاؤں تک خوب صورت ہو۔ کسی کانے یا کن کٹے کو خوب صورت نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح شیوخِ طریقت سب اچھے ہیں۔ سر سے پاؤں تک اچھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی کسی کی آنکھ اچھی ہوتی ہے ، کسی کا ہنسنا اچھا ہوتا ہے ، کسی کی بات چیت اچھی ہوتی ہے ، کسی میں شوخی ہے ، کسی میں متانت۔ اسی طرح اِن میں ، کسی میں محبت ، کسی میں توحید اور کسی میں عبدیت کا زور ہے۔ اپنا اپنا ذوق ہے۔ اپنی اپنی پسند ہے۔ اعتقادِ صحیح ، تہذیبِ نفس اور دوامِ حضور ، ان تمام سلسلوں میں موجود ہے۔

- خلافت کیا چیز ہے؟ --- یہ مرید کے لائق ہونے کی تصدیق ہے۔ طالبِ علم پڑھتے ہیں جب لائق ہوجاتے ہیں تو استاد اس کی سند دیتا ہے۔ ادارہ بھی certificate عطا کرتا ہے۔مگر یاد رکھو کہ نہ رسمی مریدی کام آتی ہے نہ رسمی خلافت مفید ہے۔ اعتقاد اور عمل ، دونوں اللہ کی نعمت ہیں۔ خدا کا عطیہ ہیں۔کوشش کرو کہ تم عطایائے الٰہی کے مستحق بنو۔ دراصل ، خلیفہ خلف سے ماخوذ ہے۔خلف کے معنی پیچھے کے ہیں۔ جو شخص ، پہلے شخص کی اتباع کرتا اور اس کا کام انجام دیتا ہے وہ اس کا خلیفہ ہے۔

- رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کو قرآن پہنچا ، حدیث پہنچی۔ آپ کے فیضِ صحبت سے تزکیۂ نفس ہوا۔ دیکھو! جو شخص قرآن شریف کو پڑھ کر سناتا ہے اور دوسروں کو صحیح پڑھنے کی تعلیم دیتا ہے ، یعنی قاری ہے ، وہ خلیفہ ہے۔ جو قرآن کے معنی کی توضیح کرتا ہے ، یعنی تفسیر لکھتا ہے، مفسر ہے ، وہ بھی خلیفہ ہے۔ جو احادیثِ نبویؐ کی روایت کرتا ہے اور تحقیق کے بعد اُمت کو پہنچاتا ہے ، یعنی محدث ہے، وہ بھی خلیفہ ہے۔ جو قرآن اور حدیث سے احکام کو مستنبط یعنی infer کرتا ہے ، وہ مجتہد اور فقیہ ہے اور وہ بھی خلیفہ ہے۔ جو لوگوں کو صحیح عقائد پر چلاتا ہے اور دشمنانِ اسلام کا رَد کرتا ہے یعنی متکلم (مذہبی امور کو عقلی دلیلوں سے ثابت کرنے کی مہارت رکھنے والا) ہے ، وہ بھی خلیفہ ہے۔ آخر زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ظاہری حکومت و سلطنت بھی آگئی تھی لہٰذا جو عادل بادشاہ اتباعِ شریعت کرتا ہے اور دوسروں کو قواعدِ اسلام کا پابند کرتا ہے ، وہ بھی خلیفہ ہے۔ اور جو سپہ گری کرتا ہے ، وہ بھی خلیفہ ہے۔ اور جو اسرارِ دین بیان کرتا ، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ خیالات کرتا اور روحانیات کی تعلیم دیتا ہے ، وہ بھی بے شک خلیفہ ہے اور بہتر خلیفہ ہے۔غرض کہ جو جس قدر رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے گا ، آپؐ کی تعلیم کی تبلیغ کرے گا اور بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کے نقشِ قدم پر چلے گا تو وہ اسی پیمانے کا خلیفہ ہوگا۔ اور جو ابتدا سے انتہا تک تمام کاموں میں رسالت کی خدمت کرے گا تو اس کے کیا کہنے---! وہ جانشینِ نبیؐ ہے ، وہ تصویرِ محمدیؐ ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ ، حضرت عمر فاروقؓ ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ۔

- ہمارے زمانے میں کئی قسم کے مشائخ تھے۔ مرید ، مرشد کے پاس صرف تعلیم کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ اپنے اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کرتے۔ تعلیم کے سوا کسی اور چیز کی ذمہ داری مرشدوں پر نہ آتی تھی۔

- بعض مشائخ ایسے بھی تھے کہ ان کا اور ان کے بیوی بچوں کا بار صرف ان کی ذاتی آمدنی پر رہتا۔ پیر صاحب اور پیرانی بی صاحبہ اور بچوں کا کھانا پینا الگ ، اور اس کا بار ، پیر صاحب کی ذاتی آمدنی سے۔ باہر مدرسہ ہے ، خانقاہ ہے ، رہنے سہنے کا انتظام ہے۔ جو آمدنی ہوتی ہے وہ سب گھر کے باہر۔ قومی کام الگ اور شخصی کام الگ۔ گھر میں ، دال روٹی۔ باہر، قومی سرمایہ سے پلاؤ بھی پک رہا ہے ، عرس بھی ہو رہا ہے اور دعوتیں بھی دی جا رہی ہیں۔

- بعض ایسے مشائخ تھے کہ مرید جو کچھ دیں ، جو کچھ نذر کریں وہ حضرت پیر و مرشد کے پاس جمع ہوتا۔ سب انتظام پیرصاحب خود فرماتے۔ پیر صاحب ، مذہبی ، اخلاقی اور روحانی تعلیم و تربیت کے علاوہ یتیم لڑکے اور لڑکیوں کی شادی بیاہ ، نوکری چاکری اور دوسرے تمام ضروریات کی تکمیل بھی کرتے۔ اُس زمانے میں نہ تو قومی چندوں کی مانگ تھی اور نہ یتیم خانوں کی ضرورت۔ مرشد کو نذر دینے میں مرید کوتاہی نہ کرتے اور مرشد اپنے مریدوں کی تربیت و پرورش میں کسی قسم کی کمی نہ کرتے۔

- اب زمانہ بدل گیا ہے۔ نہ وہ مرشد رہے نہ وہ مرید۔ آج کل ، جہاں تمام مذہبی کام رسمی رہ گئے ہیں اسی طرح بیعت بھی ایک رسم رہ گئی ہے۔ عمل سے کسی کو غرض نہیں۔ آئندہ نیک عمل کا معاہدہ کرکے عمل نہ کرنا ، ایک جھوٹ اور ایک گناہ کرنا ہے اور اس پر ایک بزرگ کو گواہ رکھنا ہے۔ اللہ کے طالب تو دو چار بھی نہیں نکلتے۔ یا تو ایک رسم کو پورا کرتے ہیں یا اس واسطے بیعت کرتے ہیں کہ جادو شیطانی اور آسیبی اثرات دور ہوجائیں۔ یا بیمار اچھا ہوجائے۔ صبح سے شام تک ہائے ہائے اور چندہ بازی ہے۔ مگر کوئی کام چلتا نظر نہیں آتا۔ کامیابی اور خوش حالی نے بھی اپنے آپ کو کمرے میں بند کرلیا ہے۔ آج کل بیواؤں اور یتیموں کے لیے چندہ وصول ہوتا ہے۔ مگر بیوہ کون ہے؟ خودحضرت کی بیوی ---! اور یتیم کون ہے؟ حضرت کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں ---! میری آنکھیں یہ سب کچھ تماشہ دیکھ چکی ہیں۔ اب میرا کام کیا ہے؟ دل سے رونا اور زبان سے افسوس کرنا ---!

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 14 صفحہ 107 ، 108 پارہ 26 صفحہ 60 تا 63 پارہ 28 صفحہ 40 ، 41

اور کتابچہ نظام العمل فقراء صفحہ 3 تا 9 و کتابچہ حقیقت بیعت مولفہ حسرتؒ ﴾

65 - معجزات

☆ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلاً ط

❁ یہ اللہ کا طریقہ ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہے اور اللہ کے طریقے میں ادل بدل نہیں ہے۔ (سورۃ الفتح آیت 23)

☆ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ط

❁ آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے اور چاند شق ہوگیا۔ (سورۃ القمر آیت 1)

- صاحبو! تمام پیغمبر خاص خاص قوموں اور خاص خاص ملکوں اور محدود زمانے کے لیے تھے۔ اس لیے ان کے معجزے بھی محدود زمانے کے لیے تھے جن کے دیکھنے والے اس وقت نہیں ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کا مذہب قائم و دائم ہے۔ وہ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ، ان کا دین قیامت تک رہے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے ہزاروں معجزے ظاہر ہوئے۔ لگن میں ہاتھ رکھ دیا تو پانی بلبلے بن کر نکلنے لگا۔ یہ نیست سے ہست کرنا ہے۔ سوکھے تھن والی بکری کا دودھ نچوڑ لیا۔ یہ بھی نیست سے ہست کرنا ہے۔ سینے سے لگا لیا تو کافر مسلمان ہوگیا۔ یہ ہے ایک قسم کا احیاءِ موتٰی ۔ لیکن سب سے بڑا اور عالی شان اور دائم و قائم معجزہ ، قرآن شریف ہے۔ ادیب سمجھتے ہیں کہ قرآن کا اعجاز فصاحت اور بلاغت ہے۔ سیاست دان سمجھتے ہیں کہ قرآن کا معجزہ ، نظامِ اسلام کو پیدا کرنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ، غیب کی بات کہنا یعنی پیش گوئی ، قرآن کا معجزہ ہے۔ بعض کہتے ہیں ، قرآن کی حفاظت معجزہ ہے۔ بعض کہتے ہیں ، قرآن کا نغمہ معجزہ ہے جو سننے والے کے دل میں گھس جاتا ہے۔ اور میرے پاس ، جس بھی فن کا ماہر، قرآن پر غور کرے گا اس کے سامنے قرآن معجزہ بن کر نکھرے گا۔

- صاحبو! بعض لوگوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ سے کہا کہ زمین پر جادو چل سکتا ہے مگر آسمان پر ہرگز نہیں چل سکتا ، لہٰذا اگر تم پیغمبر ہو تو چاند کے دو ٹکڑے کردو۔ حضورؐ نے اشارہ فرمایا اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس مسئلہ میں بہت سے سوالات ہیں۔(1) کیا شق القمر ہوسکتا ہے؟۔۔۔ اس کا جواب یہ

ہے کہ آج کل کی نئی تحقیقات میں آفتاب کے بعض حصے نکل کر عطارد ، زہرہ ، زمین وغیرہ کرّے بن گئے۔ زمین سے ایک حصہ ٹوٹ کر نکلا اور چاند بن گیا۔ ان سیاروں کے ساتھ کئی کئی چاند بھی ہیں۔ خدا پرستوں کے پاس شق القمر کوئی نئی چیز نہیں ، نہ بعید از عقل ہے۔ (2) شق القمر کا کہیں حوالہ بھی ہے؟ ---یہ معجزہ رات کو ہوا اکثر لوگ سو رہے تھے مگر جو جاگ رہے تھے انہوں نے دیکھا اور انہوں نے روایت کی۔ (3) شق القمر ، رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے یا آثارِ قیامت ؟ --- چونکہ حضور ﷺ کے اشارے سے چاند دوپارہ ہوا ہے لہٰذا یہ حضورؐ کا معجزہ ہے۔ چونکہ یہ واقعہ قیامت کے قریب کا ہے لہٰذا آثارِ قیامت میں سے بھی ہے۔ (4) کیا ایک چیز معجزہ اور آثارِ قیامت دونوں سے ہوسکتی ہے؟ ---بے شک ہوسکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا پیغمبر ہونا ، خود آثارِ قیامت میں سے ہے۔

- صاحبو! ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر جب دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ عام عادات کے خلاف کرتا ہے۔ اور وہ پیغمبروں کا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ ذرا بتلاؤ! یہ تمھارے خیال کے خلاف ہے یا اللہ کی عادت کے---؟ تم کو عاجز کر کے اللہ اپنے کرشمۂ قدرت ظاہر کرتا ہے۔ یہی فطرۃ اللہ ہے ، یہی معجزہ ہے۔ یہی کرامت ہے۔ یہی خدا کی عادت ہے۔ یہی اس کی فطرت ہے۔

- ہم مذہبی لوگ تو معجزوں کے قائل ہیں۔ قدرتِ خدا کے ماننے والے ہیں۔ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ، پھر فرعون نے اپنے لشکروں کو لے کر قومِ موسیٰ کا تعاقب کیا۔ پھر ان پر سمندر کی جو موجیں چھا گئیں ، چھا گئیں (سورہ طٰہٰ آیت 78) ۔موسیٰ علیہ السلام جب سوئز عبور کرنا چاہتے تھے تو قدرتِ الٰہی سے دونوں جانب سے پانی ہٹ گیا۔ اور حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل پار نکل گئے۔ ان کو جاتا دیکھ کر فرعون نے ان کا تعاقب کیا اور پھر دو طرف سے سارے لشکر پر موجیں چھا گئیں اور فرعون اور اس کی قوم ڈوب گئی۔ بعض منکرینِ معجزہ کہتے ہیں کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام گزر رہے تھے اس وقت "جذر" تھا اور زمین خشک ہوگئی تھی ، اور جب فرعون نے تعاقب کیا اس وقت "مَد" کا وقت تھا جس سے پانی بڑھ گیا اور فرعون اور اس کا لشکر ڈوب مرا۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کنعان کے رہنے والے تھے ، وہ تو مَد و جذر کے اوقات سے واقف تھے اور فرعون اور اس کا لشکر جو بحرِ قلزم کے پاس ہی کے رہنے والے تھے ، ان کو نہ مَد و جذر کا علم تھا ، نہ جوار بھاٹے کا---! صاحبو یہ سب ہوس کاری ہے ، مادہ پرستی ہے ، یورپ زدگی ہے۔ ان خرافات سے کیا ہوتا ہے۔

- او نادانو! سائنس کی ترقیاں دیکھ کر تم ایسے مرعوب ہو چلے ہو کہ معجزات سے انکار کرنے لگے ہو۔ مادیات کے چند قواعد سے واقف ہونے پر پورے قوانینِ الٰہیہ کی واقفیت کا دعویٰ درست نہیں۔ تم نے نوامیسِ فطرت ، قوانینِ قدرت اور laws of nature کو دیکھا ہی کیا ہے؟ یہ دنیا کب سے ہے۔۔۔؟ اور تمھارے پاس اس کی تاریخ کب سے ہے۔۔۔؟ تاریخ کی کتابوں میں کتنے واقعات بیان کیے گئے اور کتنے چھوڑ دیئے گئے۔۔۔؟ ایک وبا ہے کہ پھیل گئی ہے ، ایک غلط استقرار ، wrong verdict ، ہے جس کو یہ نادان مان رہے ہیں۔ وہ کیا؟۔۔۔ وہ یہ کہ ' جو چیز ہم کو معلوم نہیں وہ ہے ہی نہیں'۔ اس قسم کی نادانیوں کا خیال ، علمی ترقی کے لیے رکاوٹ ہے۔ انکشافات کا دار و مدار اس مسئلہ پر ہے کہ کہا جائے ہم بہت کم جانتے ہیں۔ جو نہیں جانتے اس کے جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جو جانتے ہیں اس میں بھی بہت سی غلطیاں ہیں۔ ابتدائی زمانے سے اب تک سائنس نے کتنے رنگ بدلے۔ کیا کیا تحقیقات ہوئیں۔ کیسی کیسی ترقیاں ہوئیں۔ اگر اس میں جاہلانہ خیال کو اپنے پیشِ نظر رکھتے اور ہاتھ پیر دھرے بیٹھے رہتے تو خاک علمی ترقی ہوتی۔ ہمیشہ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلاَّ قَلِیْلاً (سورۃ الاسراء آیت 85) کو پیشِ نظر رکھو۔ ان نادانوں کے لیے ایک مثال ہے کہ ایک پانی کا گھڑا ہے ، اس کے پاس ایک مینڈک بیٹھا ہوا ہے اور زور زور سے ٹرا رہا ہے کہ اس پانی کے سوائے اور پانی کہاں ہے ۔۔۔؟ ایک اور مثال ہے کہ ایک چار برس کا لڑکا جس نے کبھی سورج گرہن نہیں دیکھا اور جو آفتاب کو روشن نکلتا اور ڈوبتا ہی دیکھتا ہے ، وہ کہتا ہے کہ لوگ کیسے غلط خیال رکھتے ہیں کہ آفتاب تاریک بھی ہوجاتا ہے اور لوگ اس کو سورج گرہن کہتے ہیں۔ یہ تم پر ہنستا ہے۔ لیکن دیکھو! کیا تم اس کی ہنسی پر ہنسو گے نہیں۔۔؟ انسان نادان ہے۔ خدا کی قدرت کو محدود کرتا ہے اور اپنے آپ کو صحیح علم سے دور کرتا ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔

- ایک بات یاد رکھو! جو لوگ اپنی عادتوں کے خلاف کرتے ہیں ، بھوکے رہتے ہیں ، جاگتے ہیں مارے مارے نہیں پھرتے ، بکواس اور بے ہودہ باتیں نہیں کرتے ، تو اللہ بھی ان سے کرامتیں ظاہر کرتا ہے۔ تم اپنی عادت کا خلاف کرو تو اللہ بھی اپنی عادت کا خلاف کرے گا۔ تم اپنی عادت کا خلاف نہ کروگے تو خدا کو کیا پڑی ہے کہ اپنی عادت کے خلاف کرے۔ ہر شخص کے لیے اس کے ترکِ عادت کے مناسب ، کرامت عطا ہوتی ہے۔ عمل اور جزائے عمل میں بہر حال مناسبت رہتی ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 46 ، 47 پارہ 9 صفحہ 20 ، 61 پارہ 16 صفحہ 103 پارہ 22 صفحہ 95 ، 96

پارہ 26 صفحہ 48 ، 73 ، 74 اور پارہ 27 صفحہ 49 ، 50 ﴾

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ صاحبو! جو لوگ اس ظلم و ستم کے زمانے میں مفلس و نادار ہوگئے ہیں ، ان سے بھائی چارہ کرنا ، ان کے لیے انصار بن جانا ، ان کو ہر قسم کی امداد دینا ، مسلمانوں کا فرض ہے۔ بعض لوگ ان آفت زدہ لوگوں کے پاس ان کو دیکھنے جاتے ہیں تو کس طرح؟ قومی سرمایہ سے ، فرسٹ کلاس کے ڈبوں میں یا ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر۔ کیا یہ قومی ہمدردی ہے ، یا قوم کا مال لوٹنا ہے اور عیش پرستی؟ جب کہ بعض غیر مسلم لیڈر کسی قومی کام کے لیے نکلتے ہیں تو تھرڈ کلاس میں جاتے ہیں ، اور جتنا اپنے آپ پر صرف کرتے ہیں اس سے سوگنا ، ہزار گنا اپنی قوم کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ہمارے مسلمان بھائی بڑے بڑے شاندار پنڈال بناتے ہیں ، اور اس میں اپنے ہم خیال دوستوں کو لے جاتے ہیں۔ مزے مزے کے کھانے سالن کھاتے ہیں ، کھلاتے ہیں۔ میری نظر میں ایسے پیشوایانِ مذہب اور پیشوایانِ قوم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ جب ان لیڈروں سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے کیا کام کیا؟ تو کہتے ہیں کہ ہم نے ابھی تو قومی احساس اور awareness کو پیدا کر دیا ہے ، آئندہ ممکن ہے کہ کام بھی کریں گے۔ افسوس! ان کے کام کرنے کا وقت قیامت سے وابستہ ہے۔ اس وقت مسلمان مارے جارہے ہیں اور آپ ہیں کہ سوچ رہے ہیں۔ بے شک ان کا کام کرنا بھی برحق! اور قیامت کا آنا بھی برحق!

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 28 صفحہ 21 ﴾

☆ مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام لنکا یعنی سرانديپ (موجودہ سری لنکا) میں اترے۔ عرفات میں آدم و حوا آپس میں ملے اور ایک دوسرے کو پہچانا۔ آدم کے ایک بیٹے ہابیل کے ہاتھوں دوسرے بیٹے قابیل کا پہلا قتل دمشق میں ہوا۔ دادی حوا کی قبر جدہ میں ہے۔ حضرت آدمؑ اور حضرت علیؓ کی قبریں نجفِ اشرف میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 81 ﴾

66 - سحر اور عملیات

☆ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ط

وہ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت 102 کا حصّہ)

- لوگوں کی نظروں سے اوجھل ایسے ذرائع جو لوگوں پر اثر کرنے کے لیے استعمال کیے جائیں اور ان کو اپنا معمول بنالیں، سحر کہلاتا ہے۔ سحر کی دو قسمیں ہیں۔ (1) داخلی یا ذاتی: جس میں انسان کی خود اپنی قوتِ ارادی کا استعمال ہوتا ہے۔ (2) خارجی یا بیرونی: اس میں مختلف ارواح یا جنّات سے مدد لی جاتی ہے۔

- ذاتی یا داخلی سحر میں ساحر اپنی قوتِ ارادی کو ایک نقطہ پر لگا دیتے ہیں۔ اوز آہستہ آہستہ اس کو ترقی دیتے ہیں۔ مثلاً پانی کے کٹورے میں ایک گلاب کا پھول ڈالتے ہیں اور اپنی قوتِ ارادی یعنی will power سے اس پھول کو گردش دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ چند روز میں وہ گردش کرنے لگتا ہے۔ آدمی کو اگر بے ہوش کرنا ہو تو اور طرح کی مشق کی جاتی ہے۔ مسمریزم اور ہپناٹزم اب ایک باقاعدہ مضمون اختیار کر چکے ہیں۔

- جو لوگ خارجی قوت سے کام لیتے ہیں ان میں کسی روح سے ایک خاص مناسبت پیدا کی جاتی ہے۔ ان کے نام پر جانوں کا جھٹکا کیا جاتا ہے۔ ان کو بھینٹ بھی دی جاتی ہے۔ ان ارواحِ خبیثہ کا ہر طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کی پوجا تک کی جاتی ہے۔ اور پھر ساحر ان سے اپنی مرضی کے کام نکلواتا ہے۔

- عملیات میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آیاتِ قرآنی کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔ فرشتوں سے مناسبت پیدا کی جاتی ہے۔ خوشبو استعمال کی جاتی ہے۔ اس میں با وضو رہنا، روز غسل کرنا، روزے رکھنا، بات نہ کرنا اور اعتکاف وغیرہ کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔ عامل، اللہ سے دعا کرتا ہے۔ وہ عام طور پر کہتا ہے اے اللہ، اے قہار، اے جبار، فلاں روح کو میرا مطیع کردے۔ میرے لئے مسخر کردے۔ ملائک

مؤکل حاضر ہو جاتے ہیں اور عامل کی مدد کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا بنیادی مقصد ، اللہ کی مدد سے مخلوق کی خدمت کرنا ہوتا ہے۔

- معجزہ اور کرامت تو صرف خدا کا فعل ہے۔ اس میں بندے کے فعل کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ پیغمبر کی تائید کے لئے خود خدائے تعالیٰ معجزہ دکھاتا ہے۔ اور ولی کی عزت کرانے کے لیے ان سے کرامت ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ولی خود اپنا تصرف (control on his own) کرے تو ایسا کرنا 'عمل' ہے ، 'کرامت' نہیں۔

- نبی ، ولی ، اور کسی صاحبِ یقین پر سحر کوئی اثر نہیں کرتا۔ ضعیف الاعتقاد ہی ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ سحر میں کلماتِ کفر سے کام لیا جائے تو وہ کفر ہے۔ سحر سے اگر کوئی قتل واقع ہو جائے تو ساحر ہی قاتل ٹھہرے گا۔ سحر سے کوئی بھی بد عمل ، بدکاری ہی کہلائے گا۔

❁ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 145 تا 150 ❁

متفرقات - Miscellaneous

☆ واضح ہو کہ صدق اور کذب کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بات اگر آدمی کے خیال کے مطابق ہے تو سچ ہے ورنہ جھوٹی۔ جس بات میں زبان دل کا ساتھ نہ دے وہ کذب ہے۔ چونکہ منافقوں کا دل ، زبان کا ساتھ نہیں دیتا تھا لہٰذا ان کا "اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ" کہنا کذب ہے ، جھوٹ ہے۔ جمہور علماء کے پاس صدق ، وہ قول ہے جو واقعہ کے مُطابق ہو۔ اور کذب ، وہ ہے جو واقعہ کے مطابق نہ ہو۔ اور بعض کے پاس صدق وہ ہے جو واقعہ اور خیال دونوں کے مطابق ہو۔ اگر کسی ایک کے مطابق ہے اور ایک کے مخالف تو وہ نہ صدق ہے نہ کذب۔ بلکہ بیچ میں واسطہ ہے۔

❁ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 28 صفحہ 60 ❁

67 - علمِ غیب

☆ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ط

اور اُس کے (اللہ کے) پاس غیب کی کنجیاں ہیں (غیب کے خزانے ہیں) اِن کو اُس کے سوائے کوئی نہیں جانتا (یعنی بالذات، خود بخود)۔ اور تری اور خشکی میں جو کچھ ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے۔اور کوئی پتا نہیں گرتا مگراس کا علم بھی اُس (خدا) کو ہے اور زمین کی تاریکیوں میں ایک دانہ بھی رہتا ہے (تو اس کو بھی خدا جانتا ہے)، اور نہ تر اور نہ خشک جو کچھ ہے (یہ سب) ایک روشن کتاب میں ہے۔ (سورۃ الانعام آیت 59)

☆ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ط

جو لوگ ایمان لاتے ہیں غیب پر (یعنی دل سے) اور (اچھی طرح پابندی سے) نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں۔

(سورۃ البقرۃ آیت 3)

☆ وہ چیز جو ہمارے سامنے نہ ہو غیب کہلاتی ہے۔ غیب کی تین قسمیں ہیں۔

(1) غیبِ مطلق : وہ غیب جو اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں غیبِ مطلق ہے۔ جیسے، حقیقت حقہٗ (خود اس ذاتِ پاک کی حقیقت) جو پیغمبر، فرشتے اور ہر عقلمند، سب کی ادراک سے بھی باہر ہے۔ ہاں اس کی تجلیات کا دیدار ہو سکتا ہے۔

(2) غیبِ جزئی : ایسا غیب جو پیغمبروں کو معلوم کرایا جاتا ہے غیبِ جزئی ہے۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اللہ عالم الغیب ہے اپنے غیب کا کسی کو علم نہیں دیتا مگر برگزیدہ پیغمبر کو۔ (سورۃ الجن آیت 26، 27)۔ یہاں پر غیب، اطلاع بہ معنی وحی کے ہے۔

(3) غیبِ اضافی : وہ غیب جو کسی ایک شخص کے لحاظ سے غیب ہو اور دوسرے کے لحاظ سے نہ ہو غیبِ اضافی ہے۔ مثلاً بعض غیب ایسے بھی ہیں جو ہر ریاضت کرنے والے کو معلوم ہوسکتے ہیں۔

- صاحبو! یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ کا علم، علمِ غیب نہیں ہے۔ کوئی چیز اس سے غیب ہی نہیں تو اس کا علم، علمِ غیب کیوں کر ہوگا؟ یہ علمِ غیب ہماری طرف نسبت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ البتہ ایک علمِ غیب تو ہر مسلمان کو ہونا چاہئے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، یعنی اللہ، فرشتے، آسمانی کتابیں، پیغمبر اور روزِ قیامت کا علم، جو غیب کے قسم سے ہے، ہر شخص کو پورے یقین کے ساتھ ہونا چاہیے۔ جس کو ایسا علمِ غیب نہیں، وہ مسلمان کب ہے۔۔۔؟

- بعض چیزیں ایک شخص کو معلوم ہیں، اور ایک شخص کو معلوم نہیں بلکہ اس سے غیب ہیں۔ ایک چیز ایک شخص کو معلوم نہیں رہتی پھر احساس یا تجربہ کے بعد معلوم ہوجاتی ہے۔ یہ سب، غیبِ اضافی ہیں۔ غیبِ مطلق، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی حقیقت ہے۔یہ بات بھی واضح ہو کہ خدا کا علم بالذات ہے لامتناہی ہے۔ اور بندہ کو جو کچھ علم ہوتا ہے وہ بالعرض اور محدود ہے۔ بعض غیب ایسے ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ، پیغمبر ہی کو واقف کراتا ہے اور وہ چیز وحیٔ الٰہی سے معلوم ہوتی ہے۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا علم ہر مسلمان کو ہوسکتا ہے۔ اس مقام پر یہ امر پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ علم مختلف طور سے ہوتا ہے۔ ذاتی توجہ سے بھی ہوتا ہے۔ دوسرے کے کہنے سے بھی ہوتا ہے۔ جیسے، ہم نے نہ جنت دیکھی نہ دوزخ، نہ خدا کو دیکھا نہ فرشتوں کو، مگر ان کا ہم کو علم ہے اور یقینی علم ہے۔ حالانکہ یہ چیزیں غیب ہیں۔اور یہ علمِ غیب، یقینی اور بلا شک و شبہ ہونا چاہیے۔کسی کو کوئی بات روحانی قوت سے، کشف سے، ہپناٹزم سے معلوم ہوجاتی ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ یہ کتنے ہیں؟ اور ان کے ساتھی کتنے؟

- کیا کسی مسلمان کے خیال میں پیغمبر کا علمِ غیب، اللہ کے علمِ غیب کے برابر ہوسکتا ہے؟۔۔۔ ہرگز نہیں۔اللہ تعالیٰ کا علم، بالذات ہے۔ اور پیغمبر کا بالعرض۔ اللہ تعالیٰ اپنی حقیقت کو جانتا ہے اور پیغمبر اللہ کی کنہ یعنی اس کی precise essence کو نہیں جان سکتا۔ پھر مساوات کا مسئلہ کدھر رہا۔۔۔؟

- صاحبو! پیغمبر کو علمِ غیب بھی ہوتا ہے ، کہنے سے شرک لازم آتا ہے نہ کفر۔ ہاں! غیب کا علم نہ رکھنے والے اسی لفظ کے مستحق ہیں جس کو وہ دوسرے مسلمانوں کے لیے کہتے ہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ مادّہ پرست موحد ، روحانیت سے نابلد ، روحانیات سے نا آشنا ، کہتے ہیں کہ شیطان کو لوگوں کے دلوں کے حالات معلوم ہیں جب ہی تو وہ " ورغلاتا " بھی ہے۔ پھر وہ ایک دو کے نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کے حالات اور ان کے خیالات سے واقف ہے۔ تو کیا اِس واقفیت سے شرک لازم نہیں آتا۔۔۔؟ اگر ہم اتنا بھی علم ، آنحضور ﷺ کے لیے ثابت کریں تو نہایت ہی چیخ و پکار ہوتی ہے کہ شرک! شرک! کوئی ان سے پوچھے ، پیغمبر کے لیے جزئی علمِ غیب تو شرک ہے اور ان کے پیشوا ، معلم الملکوت کے لیے شرک نہیں۔۔۔! یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ یعنی specific attribute میں کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ اگر علمِ غیب ، اللہ کی صفتِ خاصہ ہے تو اس کی جس کی طرف بھی نسبت کی جائے ، شرک ہے۔ اور اگر علمِ غیب ، اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ نہیں ہے تو ہرگز شرک نہیں۔

- صاحبو! یونانی فلسفے کے ماننے والے لوگ ، چاند کا ایک آسمان اور ایک ایک سیارے کا ایک ایک آسمان مانتے تھے ، جس میں کئی ٹکڑے تھے۔ موجودہ زمانے کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ جتنے سیارے ہیں وہ آفتاب کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ اور تمام سیارے ، نظامِ شمسی یعنی solar system کے ارکان ہیں۔ تمام سیاروں میں آبادی ہے یا نہیں یہ کسی کو معلوم نہیں۔ اور آبادی ہے بھی تو کس قسم کی ہے یہ خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ ہیئت دان ، یہ فلسفی کوشش کرتے ہیں اور اپنی اپنی عقل دوڑاتے ہیں کہ دوسرے کرات یا spheroids کے حال سے کچھ واقف ہوجائیں۔ یہ لوگ ارب ہا ارب آفتابوں کی حقیقت تو کیا جانیں گے ، چند سیاروں کے حال سے بھی پورے واقف نہیں۔ کوشش تو بہت کرتے ہیں ، دوڑ دھوپ بھی خوب کرتے ہیں۔ مگر ایک تازہ کرشمۂ قدرت کے سامنے سے بھاگ کر واپس آجاتے ہیں۔ خدا کے کرشمہ ہائے قدرت ان کے حق میں کسی کہکشاں ، کسی galaxy سے کم نہیں۔

- یہ نادان ، غیب کی باتیں جاننے کے لیے قسم قسم کی کوششیں بھی کرتے ہیں۔ کوئی ہتھیلی دیکھتا ہے اور اس پر آئندہ کی پیش گوئی کرتا ہے۔ اس کو پامسٹری کہتے ہیں۔ اور بعض آفتاب کی حرارت اور سیاروں کے انوار پر کچھ قیاسات لگاتے ہیں ، جو کبھی صحیح ہوتے ہیں اور کبھی غلط۔ نجومی ، دوسرے سیاروں کو دیکھ کر اور ان کی رفتار سے بھی ، سعد یعنی مبارک ہونے یا نحس یعنی منحوس ہونے یا اور قسم قسم کے احکام لگاتے ہیں۔ بعض ارواح ان ستاروں سے عالمِ مثالِ ادنیٰ میں مل کر کچھ احکام لگاتے ہیں۔ مگر کوئی شخص صحیح حکم

نہیں لگا سکتا۔ سب بے دلیل قیاسات ہیں ، جن کا نہ ٹھاؤ ہے نہ ٹھکانہ۔ علمِ صحیح تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ہم کو کسی قسم کی ضرورت نہیں کہ احکامِ قرآنی میں تاویلات کریں۔ البتہ ، سمجھتے جاؤ ، اور جو سمجھ میں نہ آئے اس کے مزید سمجھنے کی کوشش کرو۔ مگر کبھی یہ نہ سمجھو کہ تم کو تمام عالم کا علم ہوچکا۔

- یہ بھی یاد رکھو کہ غیب کا علم کسی مصلحت سے ، مثلاً امتحان کی غرض سے چھپا دیا جاتا ہے۔ پیغمبروں کو معلوم بھی ہوتا ہے تو مصلحت کی خاطر اس کو ظاہر نہیں کرتے۔ تم اپنا کام کرو ، ایمان لاؤ ، تقویٰ اختیار کرو ، تم کو اجرِ عظیم ملے گا۔ پہلے سے سب حال کیوں معلوم نہ ہوا ، اس کی ٹوہ میں نہ رہو۔ حکیم کا کام مبنی بر حکمت ہے۔

❊ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 2 تا 5 پارہ 4 صفحہ 85 پارہ 7 صفحہ 82 تا 84

پارہ 23 صفحہ 28 پارہ 26 صفحہ 55 پارہ 29 صفحہ 66 اور پارہ 30 صفحہ 52 ❊

متفرقات - Miscellaneous

☆ سلام کو دو طرح سے کہا جاسکتا ہے۔ ایک سَلاَمٌ عَلَیْکُمْ ، دوسرا اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ۔۔۔ سَلاَمٌ ، تعظیم کے لیے ہے۔ یعنی بہت بڑی سلامتی۔ اور اَلسَّلاَمُ کے معنی ہیں ہر طرح کی سلامتی ، یعنی چھوٹی سے چھوٹی بات میں سلامتی اور بڑی سے بڑی بات میں بھی سلامتی۔

- دیکھو! التحیات میں ہے " اَلسَّلاَمُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَتُہ اللهِ وَ بَرَکَاتُہٗ "۔ یہ فرمودہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اپنے حبیبؐ کے لیے ہے۔ دوسروں کا سَلاَمٌ کہنا وہ مرتبہ نہیں رکھتا جو اللہ کا کہنا ہے۔ اَلسَّلاَمُ ، اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے۔ اور اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ کے معنی ہیں اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی سے سرفراز کرے ۔۔۔ بہر حال لوگوں کے سَلاَمٌ عَلَیْکُمْ کہنے سے اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ کہنا زیادہ بہتر ہے۔

❊ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 11 صفحہ 47 ❊

68 - جادو بیانی

☆ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ۔ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ط

❁ اور جب اے مخاطب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں نکتہ چینی کرتے ہیں (اور خواہ مخواہ اعتراضات کی بھرمار کرتے ہیں) تو تم ان سے اعراض کرو (ان کے پاس سے ٹل جاؤ) یہاں تک کہ دوسری باتوں میں لگ جائیں۔ اور جو شیطان تم کو بھول میں ڈال دے (اور تم سے غفلت ہوجائے) تو یاد آنے کے بعد، ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ (سورۃ الانعام آیت 68)

- دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ بڑے زبان آور، بڑے اسپیکر، بڑے اعلیٰ درجہ کے خطیب، اپنی پُرگوئی کے زور سے لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے ہیں۔ ان کو اپنے دامِ تقریر میں پھانس لیتے ہیں۔ بات بات پر قسم کھاتے ہیں کہ " اللہ شاہد ہے میں آپ حضرات سے نہایت اخلاص مندی سے عرض کر رہا ہوں"۔۔۔" اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو خدا مجھ کو سزا دے مجھے روسیاہ کردے"۔۔۔ حالانکہ وہ شخص ہوتا بڑا جھگڑالو ہے۔ شہد میں زہر ملاتا ہے، گھاس کے نیچے پانی بہاتا ہے۔ پہلے انگلی پکڑتا ہے، پھر گلے پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ اسی جادو بیانی کے زیر اثر آج کل روز ایک نیا مذہب بھی ایجاد کیا جا رہا ہے۔ مغرب میں تو نئی نئی "ٹیکنالوجی" پیدا ہو رہی ہیں لیکن ہمارے یہاں "مذہب" ایجاد ہوتے ہیں۔ ان جدت پسندوں کا اسلام سے اب کوئی تعلق باقی نہ رہا۔ ان کا کیا طریقہ ہے؟ بس بزرگوں کی بدگوئی کرو۔ اصولِ دین سے انکار کرو، پیغمبر کو نہ مانو۔ خدا کو ایک بے جا ہستی سمجھو۔ جو چاہو کہو، جو من میں آئے کرو۔ مگر ایک شرط ہے۔ زور سے بولو۔ مغالطہ پر مغالطہ دو۔ جھوٹ بولو مگر جرأت کے ساتھ۔ ایک بات کو بار بار بیان کرو۔ سو بار رَد کردی جائے تو تم ہزار بار تاکید سے کہو۔

آج نہ مانیں کل مان ہی جائیں گے۔ تم کہے جاؤ ، ہمت نہ ہارو۔ یہ جانتے ہیں کہ استقلال اور مداومت سے قوت پیدا ہوتی ہے۔ یہ ظالم سامنے سے ہٹتے ہیں تو پھر نہ قوم ہے نہ ملت۔ خودغرضیاں ہیں ، ذاتی مقاصد ہیں۔ چاہے اسلام تباہ ہو جائے ، چاہے مسلمان برباد ہو جائیں۔ ان کو چندوں سے کام ہے۔ واہ واہ سے غرض ہے۔ زندہ باد کے نعروں سے مقصد ہے۔ رات دن قوم کا نام زبان پر ہے۔ دیکھو تو دل میں محبت کچھ نہیں۔

- صاحبو! آدمی دوقسم کے ہوتے ہیں۔ (1) مذہب اور اصولِ دین سے واقف۔ حق و باطل کی تمیز کرنے والے۔ ایسے لوگ غیر مذہب والوں سے ملیں تو کوئی ہرج نہیں۔ بلکہ ان کو ملنا چاہیے اور اپنے دینِ اسلام کی تبلیغ کرنی چاہیے۔ (2) ایسے لوگ جو دین سے واقف نہیں۔ ان کو ان بدمذہبوں سے دور رہنا چاہیے۔ دیکھو! پُرگوئی ، فصاحت و بلاغت اور مغالطہ دہی کا بہت بڑا اثر ہے۔ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا. بعض کی باتیں کیا ہوتی ہیں کہ بس ایک جادو ہوتا ہے۔ ان بے علم نادانوں کی حالت یہ ہے کہ جہاں سن لیا کہ فلاں جگہ اسپیچ ہے ، لیکچر ہے ، وعظ ہے ، بس جا پہنچے۔ چاہے یہ خطیب ، مذہب پر اعتراضات ہی کر رہا ہو۔ بعض کچھ سمجھتے ہیں لیکن اخلاقی جرات نہیں کہ تردید کردیں۔ تم ایسی جگہ جاتے ہی کیوں ہو۔۔؟ ایسی جگہ سے ٹل جاؤ ، ایسی جگہ سے اٹھ جاؤ۔ اگر غفلت کی وجہ سے بیٹھے رہے تو جب یاد آجائے یا کوئی یاد دلا دے ، تو اس وقت تو اس جگہ سے اٹھ جاؤ۔۔! یہ کیا تباہی ہے کہ خود کو علم نہیں ، اچھے برے کی تمیز نہیں اور مغالطے بازوں کے پاس جاکر اپنے دین کو برباد کرلو۔ سنی مسلمان اپنی اولاد کو بچپن سے اپنے مذہب کی تعلیم نہیں دیتے۔ نادان بچے ، غیرمذہب والوں کی صحبت میں جاتے ہیں ، ان کی کتابیں دیکھتے ہیں ، اور ان سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ جہاں کچھ شبہ ہو کسی صحیح عالم سے پوچھ لے اور اپنے شبہات رفع کرے۔ آج کل ایک بدتمیزی یہ بھی پھیلی ہوئی ہے کہ عالم اسی کو سمجھا جاتا ہے جو لمبی چوڑی تقریر کرے ، فصاحت اور جرأت سے بولے ، چاہے وہ امیرحمزہ کی داستان ہی کیوں نہ کہہ رہا ہو۔ گھنٹوں کی تقریر سنی ، وعظ سنا ، سن کر اٹھے تو ایک بات بھی یاد نہ تھی۔ تالیاں ہوئیں ، نعرے بلند ہوئے واہ واہ کی صدائیں لگیں مگر سب لاحاصل۔ کام کی بات نہ سنائی گئی ، نہ سنی گئی ۔۔۔ اہلِ سنت کیا ہیں۔ ہر بدمذہب والوں کے شکار ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انہیں دین کی تعلیم دی ہی نہیں جاتی۔ دی بھی جاتی ہے تو رسمی۔ شبہ کچھ ہے اور جواب کچھ ملتا ہے۔ غرض کہ کارِ دنیا اور کارِ آخرت بے راہ ۔۔۔!

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 68 اور پارہ 7 صفحہ 91 ، 92﴾

69 - جھوٹے پیغمبر

☆ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ط

محمدؐ تمھارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول ہیں اور آخری پیغمبر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر شئے کو خوب جانتا ہے۔ (سورۃ الاحزاب آیت 40)

- صاحبو! خاتم ، مُہر کو کہتے ہیں۔عربوں میں قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ سب سے آخر میں مُہر کرتے ہیں۔ خاتم ، وہ چیز جس پر مراسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ سرنامہ یعنی letter-head پر مُہر کرنے کا قاعدہ جدید ہے۔ بعد کے لوگوں نے خاتم النبیین کے دو معنی پیدا کیے۔ ایک " افضل" یعنی اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہیں ، کے۔ دوم " آخر" کے۔ محمد رسول ﷺ افضل الانبیاء بھی ہیں اور آخرالانبیاء بھی۔ افضل الانبیاء کے معنی لے کر آخرالانبیاء سے انکار کرنا درست نہیں۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے " اَلاَ اَنَّهٗ لاَ نَبِیَّ بَعْدِیْ" یعنی میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں۔ یہ زمانہ فتنہ کا ہے۔ روز ایک نیا پیغمبر پیدا ہو رہا ہے۔

- اس بارے میں ایک لطیفہ : ایک صاحب کا گزر پاگل خانہ میں ہوا۔ وہاں انہوں نے کہ دیکھا کہ ایک شخص بڑا ہی مقطع سا ، جبہ اور عمامہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ان صاحب کی اس شخص سے گفتگو ہوئی۔ دیکھا اس کا علم اچھا تھا ، گفتگو بھی اچھی تھی۔ پوچھا آپ تو اتنے بڑے عالم ہیں آپ کو لوگوں نے اس پاگل خانہ میں کیوں ڈال دیا ہے؟ اس نے کہا " یہ لوگ بے وقوف اور نادان لوگ ہیں۔ مجھے عالم تو مانتے ہیں مگر پیغمبر تسلیم نہیں کرتے"۔۔۔! صاحبِ مذکور ، اس شخص کے بعد ایک اور شخص کے پاس پہنچے۔ وہ بھی نہایت مقطع ، شاید عمامہ سے آراستہ تھا۔ اس سے بھی گفتگو ہوئی۔ دیکھا کہ یہ ، پہلے پاگل سے بھی زیادہ عالم ہیں۔ ان صاحب نے اس شخص سے کہا کہ یہاں میں آپ سے پہلے ایک اور شخص سے مل کر آ رہا ہوں ، وہ بڑا عالم تھا مگر مدعیٔ نبوت تھا۔جس پر دوسرے مجنون نے کہا " وہ جھوٹا ہے جس نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ، میں نے اسے بھیجا ہی کب تھا جو وہ پیغمبر ہوتا "۔۔۔!

- صاحبو! گزشتہ زمانے میں بھی چند لوگ پیغمبری کے جھوٹے دعوے کرتے تھے ، مگر ہوا کیا۔؟ جھوٹ جھوٹ ہی نکلا ، سچ سچ۔ ان کے حصے میں رسوائی تھی جو ہو کر رہی۔ آج کل بھی مصنوعی پیغمبروں کا زور ہے۔ بہت سی چیزیں imitation نکلی ہیں ، پیغمبر بھی امی ٹیشن نکلے۔ جہاں کسی نے پیغمبری کا دعویٰ کیا ، چند بے وقوف ان کے ساتھ ہولیے۔ اور تو اور ، حیدرآباد دکن میں بھی امی ٹیشن پیغمبروں کی کمی نہیں۔ ایک بار ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کہ صدیقی ہو ، اگر میرے ہاتھ پر ایمان لاؤ تو تم کو صدیق اکبر کا رتبہ ملے گا۔ اسی طرح سید مناظر احسن گیلانی کو لکھا کہ وہ سید ہیں انہیں علی مرتضیٰ کا رتبہ ملے گا ۔۔۔ بعض لوگوں نے تو غضب ہی کیا کہ ہندوؤں کو بھی پیغمبر ماننے پر تیار ہوگئے۔ غرض کہ پیغمبری کیا ہوئی ایک دل لگی ٹھیری۔ پیغمبری کا دعویٰ کرنے میں بعض خاص خطے کے لوگوں کو امتیازِ خاص ہے۔ اسی طرح بعض کو دوسروں کے پیغمبر ماننے میں بڑی جلد بازی ہے۔

- اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں تمام اصولی باتیں موجود ہیں۔ یہ ہمہ گیری کسی اور مذہب کو نہیں۔ اب جو بھی آئے گا دینِ اسلام کی ہی تبلیغ کرے گا۔ اس کا کام دینِ اسلام کو سمجھنا ہے اور سمجھ کر استنباطِ احکام و مسائل کرنا ہے۔ وہ پیغمبر نہ ہوگا بلکہ مسلمانوں میں کا ایک مجتہد ہوگا۔ بعض نادان ، نبوت کا دعویٰ بھی کریں گے لیکن ایسے میں وہ حدودِ اسلام سے تجاوز کریں گے۔ وہ دجال ہیں ، مکار ہیں۔ ان ابلیس کے شاگردوں سے اللہ بچائے۔ ایسے لوگ ، ایک دفعہ وحی کا لفظ لاتے ہیں اور اس سے مراد لیتے ہیں ، دل میں ڈالنا۔ جب اس کو کوئی نادان مان لے تو پھر اس کے معنی اُس وحی کے لیتے ہیں جو پیغمبر پر اترتی ہے۔ ان کا کام ہے دھوکا دینا۔ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا۔ ان لوگوں نے احکامِ خدا و رسول کو کھیل ٹھٹا بنالیا ہے۔ ان کے دل میں نہ اللہ کا خوف ہے نہ پیغمبر کی عزت۔ نادان مسلمان ان کا شکار ہوئے چلے جارہے ہیں۔ دیکھو! ان کے شر سے بچو۔ یہ دین و ایمان کے ڈاکو ہیں۔ یہ تم کو کہیں کا نہیں رکھیں گے۔ اللہ اور رسول کا دامن پکڑو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو۔ یہ زمانہ فتنوں کا ہے۔ اللہ اور رسول سے مدد لو ، اور ان ظالموں سے مقابلے میں نہ ہارو۔ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہِ.

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 7 صفحہ 112 ، 113 پارہ 8 صفحہ 3 پارہ 22 صفحہ 10 ، 11 اور پارہ 26 صفحہ 47﴾

70- نفس پرستی

☆ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ؕ

❁ پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کردیا اور نفس پرستی کی پھر وہ اپنی بے راہی کی سزا اٹھائیں گے۔ (سورۃ مریم آیت 59)

☆ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ

❁ (ان ظالموں کی ایسی حالت کیوں ہوئی؟) یہ اس لیے ہوئی کہ اللہ کسی قوم کو نعمت دے کر (ان کو سرفراز کرکے) نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں اور اللہ تو سمیع و علیم ہے۔ (سورۃ الانفال آیت 53)

- صاحبو! ذرا موجودہ زمانے پر غور کرو۔ کونسی خواہشِ نفس ہے جو پوری نہیں ہو رہی ہے۔ جس کو دیکھو اپنے مال ، اپنی اولاد اور اپنے نوکر چاکر پر نازاں ہے۔ کوئی موٹر پر اتراتا ہے تو کسی کو بگھی پر ناز ہے۔ بے پردگی ، اپنے لوازم کے ساتھ ہے۔ شربتِ سرور ، آدمی کو بے تکلف بنا رہا ہے۔ اِن کے پاس اصل چیز وہی ہے جو نظر آرہی ہے۔ خدا نظر آتا ہے نہ فرشتے ، نہ جنت نہ دوزخ۔ لہٰذا ان کا خیال بھی اس طرف نہیں جاتا۔ یہ ظالم کہتے ہیں کہ : " خدا پرست لوگ جو تکلیفوں میں گزار رہے ہیں وہ اِس وقت کی دوزخ میں ہیں۔ ہمیں دیکھو ، ہم کس آرام اور کیسی راحت میں ہیں۔ ہمارے پاس تو حلال اور حرام کا جھگڑا ہی نہیں ہے۔ ہماری زندگی تنگ نہیں ہے۔ ہمارے عیش میں کمی نہیں ہے --- ان بھولے مذہبی لوگوں کے پاس تو بات بات پر حرام اور بات بات پر مکروہ ہے۔ ان کا حال بہت ہی قابلِ افسوس ہے۔ یہ بڑے واجب الرحم ہیں۔ مگر ہم کیا کریں۔ وہ خود اپنے آپ پر رحم نہیں کھاتے۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے خود کو محروم رکھتے ہیں" ---!

- دوسری جانب ، آج کے مسلمانوں کی حالت یہ بھی ہے کہ ، دشمنانِ دین کی خوشامد ، مسلم اور غیر مسلم میں کوئی معاملہ پڑجائے تو غیر مسلم کی طرفداری ، اور ہمیشہ غیر مسلموں کی تائید۔ پھر ، سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ رواداری ہے۔ مسلم کو سزا دینا اور غیر مسلموں کو چھوڑ دینا ، ان کے دل کی کشادگی خیال کی جاتی ہے۔ مگر غیر مسلم کیا کرتے ہیں؟ یہ غیر مسلح مردوں کو ، بچوں کو اور بوڑھوں کو تہ تیغ کرتے ہیں۔ وہ رحم اسی کو سمجھتے ہیں کہ مسلموں کو نیست و نابود کریں۔

- دیکھو! پہلے تم کیا تھے ، کیسے تھے؟ اور اب تم کیا ہو ، کیسے ہو؟ پہلے تمھارے دل میں ایمان تھا۔ تمھارے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت تھی۔ تم اس کی اطاعت کرتے تھے۔ آپس میں اتفاق و محبت تھی۔ تم کام کرتے تھے اور محنت کرتے تھے۔ اس لیے آزاد تھے ، باعزت تھے۔ اللہ تو وہی ہے جو پہلے تھا۔ وہ تو ناقابلِ تغیر ہے۔ وہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہے (جیسا پہلے تھا اب بھی ہے)۔ پھر ہماری اور تمھاری یہ ذلت و خواری کیوں ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم نے اپنی حالت بدل ڈالی۔ اب ہماری اگلی حالت کہاں ہے؟ نہ اللہ پر بھروسہ ، نہ کامل یقین۔ نہ اللہ اور رسول کی محبت ، نہ ان کی اطاعت۔ آپس میں نفاق ، شقاق، پھوٹ ، دشمنی ، سستی و کاہلی اور آرام طلبی۔ ان سب باتوں کا یہی نتیجہ ہے جو ہو رہا ہے۔ یعنی نہ اب ہماری اگلی عزت ہے نہ حرمت ہے۔ سب کے دلوں پر غلامی چھائی ہوئی ہے۔ دلوں پر مُردنی آئی ہوئی ہے۔ مفلسی ہے ، تنگ دستی ہے۔ کفار تم کو دبائے چلے جارہے ہیں ، ذلیل کررہے ہیں اور تم کو اس کا احساس تک نہیں۔ تم میں حرکت نہیں تو برکت بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمھارا دشمن نہیں ، کافروں کا دوست نہیں۔ ایسے کام کرو جس سے تم اس کی رحمت کے مستحق بنو۔ اللہ فرماتا ہے فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ میری شکایت نہ کرو ، اپنے آپ کو ملامت کرو (سورۃ ابراھیم آیت 22)۔ نہ ہم بیکار ہوتے نہ ذلیل و خوار ہوتے۔

- صاحبو! تمھاری یہ ذلت اور خواری کیوں ہے۔ اس لیے کہ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے تم نے کوئی تیاری نہیں کی۔ نہ اسلحہ ہیں ، نہ تن میں ہی قوت ہے۔ نہ تمھارے میں رازداری اور یک جہتی ہے۔ جو لوگ ہاتھ پیر ہلا سکتے ہیں ان کے پاس پیسہ نہیں۔ اور جن کے پاس پیسہ ہے وہ پیسے کی پوجا کرتے ہیں۔ پیسہ دینا ان کے پاس کفرانِ دولت ہے۔ وہ بھلا اپنے دیوتاؤں کو دوسروں کے حوالے کیوں کرکریں گے۔ بعض بھولے نادان لڑنے نکلے بھی ہیں تو ہاتھ میں بانسے لے کر ۔۔۔!

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

- اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال کی آیت 60 میں فرماتا ہے " تم اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں جس قدر تم سے ہوسکے زور و قوت پیدا کرو۔ منجملہ اس کے گھوڑے باندھنا بھی ہے۔ اس سے تم اللہ کے دشمنوں اور تمھارے دشمنوں کو ڈراؤ۔ ان میں دہشت پیدا کرو۔ ان کے سوا اور لوگوں میں بھی۔ وہ منافق ہیں کافروں کے دوست ہیں۔ تم ان کو نہیں جانتے ، اللہ ان کو جانتا ہے۔ جو تم راہِ خدا میں صَرف کروگے تم کو اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا ، اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا ، اور تمھارا حق روکا نہ جائے گا "۔

- ایمان کی کمزوری کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری دعائیں بھی قابلِ قبول نہیں۔ یہ خوب یاد رکھو! لڑائی باتوں سے نہیں ہوتی۔ ساز و سامان کی ضرورت ہے۔ علم و ہنر کی حاجت ہے۔ اتحاد و اتفاق اور رازداری و ایثار کی اشد حاجت ہے۔ اس زمانے میں منافق اور مسلمان میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ مسجد میں لوگ آتے ہیں معلوم نہیں کہ ان میں خفیہ پولیس (intelligence) والے کون ہیں اور سچے نمازی کون۔ مولوی صاحب وعظ کر رہے ہیں۔ مرشد تلقین فرمارہے ہیں۔ اور بعض لوگ نہایت فروتنی (submission) اور عاجزی سے سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اور بعض تو ایسے بیٹھے ہیں جیسے مراقبہ کر رہے ہیں ، مگر کان ہیں کہ لگے ہوئے ہیں کہ اگر کوئی لفظ ان کو تباہ کرنے کے لیے ان کے کانوں تک پہنچ جائے تو استادِ شریعت اور پیرِ طریقت کو "سرکاری بڑے گھر" میں پہنچا دیں ---! یاد رکھو جو زندہ قومیں ہیں وہ خفیہ خفیہ سب کچھ کرتی ہیں۔ ان کے دشمنوں کو اُس وقت خبر ہوتی ہے جب ان کے سر پر بم پھٹتے ہیں۔ بعض نادان ، باتوں سے ملک فتح کرنا چاہتے ہیں۔

باتوں سے کیا ہوتا ہے　　　حرکت میں سب برکت ہے

- اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں ، دونوں کے شر سے ہمیں بچائے۔ ہمارے پاس ظاہری اسباب کچھ نہیں۔ غلامی کا طوق گلے سے اترنے کی کوئی صورت نہیں۔ مگر ، یا اللہ --- !

مسلم بہ حالِ بے کسی ، بے قوت و بے یار ہے
پر ترے نامِ پاک پر ، مرنے کو وہ تیار ہے

☆ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 10 صفحہ 13 ، 14 ، 18 تا 20 پارہ 16 صفحہ 53 اور پارہ 22 صفحہ 59 ☆

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! اللہ تعالیٰ لوہے کے متعلق سورۃ الحدید کی آیت 25 میں فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ، یعنی ہم نے لوہے کو اتارا (ہتیار کو پیدا کیا) اس میں بڑی قوت ہے ، ہیبت ہے اور لوگوں کے لیے اس کے سوا اور بہت سے منافع ہیں۔ کسی نے کہا سونا بہت اچھا ہے۔ مگر دیکھو اس کا محافظ لوہا ہی ہے۔جس کے ہاتھ میں لوہا ہوتا ہے وہی حکومت کرتا ہے۔ چاندی سونا ، امن کے زمانے میں ذریعۂ زینت ہیں یا زیادہ سے زیادہ متغیر اور خراب نہ ہونے کی وجہ سے معیارِ قیمت ہیں۔مگر بدامنی اور جنگ میں لوہا ہی کام آتا ہے۔مسلمانوں کو حبیبِ خدا ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہتیار کے ساتھ نماز پڑھنے میں 17 گنا ثواب ہے۔ مردوں کو چاندی و سونے کے زیور پہننے سے ممانعت کی گئی ہے۔ لیڈی فیشن مردوں نے ہتیار رکھنے کو بدتہذیبی سمجھا۔ دیکھو! ہندوستان میں سکھ ہتیار رکھ سکتے ہیں ،مسلمان نہیں رکھ سکتے۔ یہ کیسا سرکاری قانون ہے۔۔۔؟

- چاندی سونے کی نہ بندوق بنا کرتی ہے نہ تلوار ، نہ ریل بن سکتی ہے نہ طیارہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوہے میں اور بہت سے فائدے ہیں۔ لوہے کے بغیر نہ ہل (plough) بن سکتا ہے نہ ہی ناگر(plough's blade)۔ اور تو اور ایک سوئی بھی بغیر لوہے کے نہیں بن سکتی۔ افسوس! ان موجودہ غریب مسلمانوں کو طیارہ اور توپیں ڈھالنا تو کیا آئے گا ، ایک سوئی تک بنانا نہیں آتا۔

- یاد رکھو! جس کی تلوار ہے ، جس کی سپر یعنی ڈھال ہے، اسی کی فتح ہے۔تم لوہا چاہنے والے مسلمانوں کی اولاد ہو کر ریشمی کپڑے پہنتے ہو؟ ریشمی ازار بند کمر سے باندھ کر ناز کرتے ہو؟ ہائے انقلاب! افسوس! اٹھو اپنے پیروں پر کھڑے ہوجاؤ۔ مرد ہو تو مردوں کے کام بھی کرو۔ ہمت کرو اور جرأت و قوت پیدا کرو۔ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (سورۃ الانفال آیت 60)۔ جہاں مسلمان جم کر کھڑے ہوگئے وہاں اپنے سے دس گنا کفار کو پیروں تلے روند ڈالا۔ تمھارے لیے اللہ کی رحمت کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 27 صفحہ 121 تا 123 ﴾

71 - عذابِ الٰہی

☆ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ط

❁ اور کتنی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو غارت کردیا پھر جب ہمارا عذاب آگیا رات کو (تو وہ پڑے سو رہے تھے) یا دوپہر کو (قیلولہ کر رہے تھے)۔ (سورۃ الاعراف آیت 4)

☆ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ط

❁ پس جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے اس گاؤں کو زیر و زبر کردیا اور اس پر بکثرت لگا تار سخت پتھر برسائے کہ ڈھیر لگ گیا۔ (سورۃ ھود آیت 82)

☆ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ط

❁ پھر ہم نے اس کو بھی پکڑلیا اور اس کے لشکروں کو بھی اور ان سب کو سمندر میں ڈال دیا اور وہ ملامت کے لائق ہی تھا۔ (سورۃ الذاریٰت آیت 40)

☆ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ط

❁ پھر وہ حکمِ خدا سے سرکشی کرنے لگے تو ان کو ایک کڑاکے کے عذاب نے آگھیرا اور وہ دیکھتے کہ دیکھتے رہ گئے۔ (سورۃ الذاریٰت آیت 44)

- صاحبو! شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ راستوں پر بیٹھتے اور لوگوں کو لوٹ لیتے تھے۔ وہ ناپ تول میں بھی لوگوں کا نقصان کرتے تھے۔ وہ لوگ لیتے تو زیادہ، مگر دیتے کم۔ حضرت شعیبؑ ان کو روکتے تو وہ کہتے کہ تم یا تو ہماری چال پر چلو یا پھر یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر ہم تمھارا طریقہ اختیار کریں گے تو ہم تو خسارے میں پڑ جائیں گے۔ دیکھو! ہر چیز کی انتہا ہوتی ہے۔ جب ان لوگوں کی نافرمانی حد سے زیادہ ہوگئی تو ایک دھواں سا اٹھا۔ زلزلہ اور بھونچال آگیا۔ زمین جابجا سے پھٹ کر آگ اور دھوئیں کے غبار اٹھنے لگے۔ آخر یہ ظالمین مرکر اوندھے پڑگئے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرسکتا ہے مگر اس کی

حکمت کا تقاضہ ہے اور اس کے رحم کا نتیجہ ہے کہ وہ راست باز اور نیک لوگوں کو کامیاب کرتا ہے۔ اور اس کے احکام کے نہ ماننے والوں کو تباہ کردیتا ہے۔ صاحبو! اللہ تعالیٰ قرآن میں ایک پیغمبر کے بعد دوسرے پیغمبر کا قصہ سناتا ہے اور تم کو عبرت دلاتا ہے۔ دیکھو جیسے اسباب ہونگے ویسے ہی اس کے نتائج بھی۔

- ملکِ حجر کی وادی القریٰ میں ثمود نامی قوم رہتی تھی۔ وہ لوگ بڑے کاریگر لوگ تھے۔ معماری اور سنگ تراشی میں بڑے ماہر تھے۔ بڑے مُرفّہ حال (well-to-do) لوگ تھے۔ ان لوگوں کے پاس دھن دولت کی کوئی کمی نہ تھی۔ ظاہر ہے دولت کے لوازم سے ، عیاشی اور بدمعاشی ہے۔ صالح علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی۔ جس پر ان کی قوم نے ان سے معجزہ مانگا۔ معجزہ میں ایک اونٹنی نکلی۔ ایک بدمعاش نے اس اونٹنی کے پیر کاٹ دیئے اور لگا شیخی کرنے کہ اب وہ عذاب بھی لاؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے تھے۔ چنانچہ ایک سخت زلزلہ آیا اور پھر وہ سب اوندھے منہ مرے پڑے تھے۔

- دیکھو! فرعون کیا کرتا تھا؟ جن لوگوں پر اس نے فتح حاصل کی تھی ان کو نیچ ذات سمجھتا تھا۔ ان کو بے یار و مددگار جانتا تھا۔ ان سے غلاموں جیسا سلوک کرتا تھا۔ بچوں کو قتل کر دیتا تھا۔ سمجھداروں کو اور خدا پرستوں کو مجنون کہتا تھا۔ آخر اس کا انجام کیا ہوا؟ وہ اور اس کا لشکر ڈبو دیا گیا۔

- صاحبو! موجودہ حالت پر غور کرو کہ کیا لوگ اللہ کو بھول نہیں بیٹھے ہیں؟ کیا بیشتر لوگ قسم قسم کی بت پرستی میں مشغول نہیں؟ کوئی آدمیوں کے شیطانوں کو مانتا ہے تو کوئی ارواحِ خبیثہ کو۔ اس زمانے میں کس قسم کی بدکاری ہے جو ہوتی نہیں۔ مدارس کی کیا حالت ہے وہ کچھ مخفی نہیں۔ مجالس میں کیا کچھ نہیں ہورہا ہے۔۔۔؟ جو فرعون صفت ہیں ان کا کام ہے مفلسوں کو حقیر سمجھنا اور غریبوں پر مظالم توڑنا۔ اللہ کے احکام اور اس کی آیتوں سے مسخرگی کی جاتی ہے۔ مذہب کی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ ساری دنیا میں کشت و خون کا بازار گرم ہے۔ ریاستیں ، ریاستوں سے لڑ رہی ہیں۔ قومیں ، قوموں کو تباہ کر رہی ہیں۔ محبت و اتفاق شرمندۂ معنی ہیں۔ بچے ، ماں باپ کو نہیں مانتے۔ شوہر بیوی میں محبت نہیں ۔ بھائی ، بھائی کا دشمن ہوگیا ہے۔ کیا اب بھی توبہ کرنے اور استغفار کا وقت نہیں آیا۔۔۔؟

- افسوس! سینہ میں نصیحت لینے والا دل نہیں ہے۔ عذاب پر عذاب اتر رہے ہیں اور اس کو اتفاق یعنی accidental سمجھ کر دھیان نہیں دیتے ، توجہ نہیں کرتے۔ زلزلے پر زلزلے آرہے ہیں۔ طغیانی پر طغیانی ہورہی ہے۔ جابجا آگ لگ رہی ہے۔ ایک دوسرے پر بمباری کر رہے ہیں۔ گزشتہ دونوں جنگِ عظیم (world wars) میں کیا کچھ نہ ہوا۔ پہلے پتھر برستے تھے مگر اب بم بلکہ ایٹم بم برستے ہیں۔ ان جنگوں

میں تمھاری خودپسندی و selfishness اور تمھاری نفسیات و complexity کی وجہ سے لاکھوں نہیں کروڑوں آدمی مارے گئے ہیں۔ یہ دو بڑے واقعات ہمارے سامنے ہوچکے ہیں اور تیسرا بھی جھانک رہا ہے ، معلوم نہیں کب صورت دکھا دے ۔۔۔! ان سب سے کوئی عبرت نہیں لیتا اور کوئی خوابِ غفلت سے نہیں جاگتا۔ دنیا میں انہماک ہے کہ بڑھتا ہی جارہا ہے (جسے دیکھو وہ مصروف) ۔۔۔! نہ پیٹ بھر کھانا ہے نہ تن پر پورا کپڑا۔ پھر بھی نہ کوئی توبہ کرتا ہے نہ ہی استغفار پڑھتا ہے۔ نہ گزشتہ واقعات سے نصیحت قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھا رہا ہے۔ اور تم ہو کہ آنکھ تک نہیں کھولتے ، کروٹ تک نہیں لیتے۔ سمجھ لو کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ ۔۔۔ وہی جو پچھلوں کا ہوا ہے کہ ان کا نام باقی ہے نہ نشان ۔۔۔ دریائے غضبِ الٰہی جوش میں آئے گا اور غرقِ عذاب کر دے گا۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ، اے آنکھوں والو! بصارت و بصیرت رکھنے والو! کچھ تو عبرت پکڑو (سورۃ الحشر آیت 2)۔ اللہ تعالیٰ تاریخ کے اوراق الٹ الٹ کر دکھا رہا ہے۔ آنکھ کھولو۔ پھر نظرِ عبرت ڈالو ، توبہ کرو۔ اور جب مرو تو ایمان سے مرو۔

☆ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 8 صفحہ 67 ، 121 ، 122 ، 126 تا 127 پارہ 9 صفحہ 5

پارہ 12 صفحہ 61 ، 62 پارہ 15 صفحہ 116 ، 117 پارہ 27 صفحہ 3 تا 5 اور پارہ 30 صفحہ 118 ☆

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! جو لوگ عبدیت سے ممتاز ہوتے ہیں وہ بے ارادہ جیتے ہیں۔ مردہ بدستِ زندہ رہتے ہیں۔ ہر شخص کو ، ہر چیز کو اس کا حق دینا ان کا کام ہے۔ وقت کی ضرورت کے مطابق عمل کرنا ان کا شیوہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تحتِ امر رہنا ان کے پیشِ نظر رہتا ہے۔ یہ لوگ عام لوگوں میں ایسے گھلے ملے رہتے ہیں کہ ان کا دوسروں سے امتیاز کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ان کی زبان پر ہر دم یہی ہوتا ہے کہ :

دل کسی سے نہ لگا دستِ فشاں سب سے رہے
عمر بھر قیدِ تعلق سے ہم آزاد رہے

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ محبّ بھی ہیں ، محبوب بھی ہیں اور بندے بھی۔ مگر ایک گونہ خصوصیت (بندگی) کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔

☆ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 30 صفحہ 138، 139 اور مقدمہ صفحہ 11 ، 12 ☆

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ صاحبو ذرا غور تو کرو! کہیں سچا دوست نظر بھی آتا ہے؟ ہمارے خیال میں تو سچا دوست صرف خیال میں ہے یا ، عنقا یعنی rare fabulous bird کی پشت پر سوار ہو کر کوہِ قاف میں اُڑتا پھرتا ہے۔ دوست کا لفظ اب شرمندۂ معنی نہیں ہے۔لیکن میں ایک بات پوچھتا ہوں کہ تم کو دوست نہ ملنے کی شکایت ہے مگر ذرا بتاؤ کہ تم بھی کسی کے دوست ہو۔۔۔؟ پھر کس منھ سے دوسرے کی شکایت کرتے ہو۔ تمھارے دل میں ہمدردی ہوتی ، دوسرے کے کام آتے ، تو دوسرا بھی تمھاری کچھ نہ کچھ مدد کرتا۔ عمل اور رَدِعمل برابر ہوتا ہے۔ بھلائی کا جواب بھلائی ہی سے دیا جاتا ہے۔ یہ کیا کہ میں کسی کی مدد نہ کروں اور سب میری خدمت کریں؟ اَللّٰہُ اَکْبَرْ ، اَللّٰہُ اَکْبَرْ. آج کل ہمیشہ سے زیادہ دشمنی کی آگ مشتعل ہے۔ قوموں میں بمباری ہورہی ہے، افراد میں چھری کٹاری ہو رہی ہے۔ امن وامان مفقود ہے۔ حالت نامحمود ہے۔

۞ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 8 صفحہ 80 ۞

☆ اسلام کے خلاف بڑی بڑی کوششیں کی گئیں اور کی جارہی ہیں۔مسلمانوں میں خانہ جنگی بھی ہوئی اور چنگیز خان کی فوج سے لڑائی بھی ہوئی۔ اور ایک زمانے تک صلیبی لڑائیاں بھی ہوئیں۔مگر ہوا کیا ۔۔۔؟ اسلام برابر ترقی کرتا رہا اور کیے جارہا ہے۔ بھلا اللہ کے روشن کیے ہوئے چراغ کو کوئی بجھا سکتا ہے۔۔۔؟ اسلام میں ایک عجیب خصوصیت ہے۔مسلمانوں نے مارا تو ان کے مخالف مسلمان ہوگئے اور غیر قوموں نے مسلمانوں کو مارا تو وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ چنگیز خان نے کروڑوں مسلمانوں کو مارا۔ لیکن آخر مسلمان ہوکر پھر اسی فوج سے ایک ترک محمد خان رابع فاتح قسطنطنیہ ہوا جس کے سبب آج ترکستان کی قوم اسلام کا زور اور قوت بن گئی۔ میں بارہا کہتا ہوں کہ تم قرآن کو دیکھو ، اس کو ہاتھ تو لگاؤ ، قرآن تمھیں پکڑلے گا اور تم چھڑا نہ سکو گے۔ اب پھر آخر میں کہتا ہوں کہ یہ خدا کا روشن کیا ہوا چراغ ہے۔کسی کے پھونکنے سے نہیں بجھے گا۔ یہ پھیلے گا اور خوب پھیلے گا۔

۞ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 28 صفحہ 47 ۞

72- توبہ

☆ اِلاَّ الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ط

❁ مگر جنھوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو بیشک اللہ غفور و رحیم بھی ہے (دامن رحمت میں چھپا لینے والا بھی ہے)۔ (سورۃ ال عمران آیت 89)

☆ وَ لَیۡسَتِ التَّوۡبَۃُ لِلَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَہُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ اِنِّیۡ تُبۡتُ الۡـٰٔنَ وَ لَا الَّذِیۡنَ یَمُوۡتُوۡنَ وَ ہُمۡ کُفَّارٌ۔ اُولٰٓئِکَ اَعۡتَدۡنَا لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ط

❁ اور توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بُرے کام کیے چلے جاتے ہیں (گناہ پر گناہ کرتے ہیں) یہاں تک کہ جب ان کو مَوت آجاتی ہے تو کہتے ہیں، میں نے اب توبہ کرلی، اور نہ ان لوگوں کے لیے (یہ توبہ) ہے جو مرتے ہیں تو کافر مرتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کے لیے رنج و الم کا عذاب تیار رکھا ہے۔ (سورۃ النسآء آیت 18)

- صاحبو! توبہ کیا ہے؟ --- گزشتہ غلطیوں پر نادم ہونا ، اور آئندہ کے لیے عزم بالجزم کرنا کہ عقائد اور اعمال میں اللہ تعالٰی کی مخالفت نہ کروں گا۔ جب تک یہ بات پیدا نہ ہو ، تو وہ توبہ ہے نہ راہ یابی (finding the right path) --- یاد رکھو کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کے وقت جو ندامت و شرمندگی پیدا ہوتی ہے ، اور دل میں جو شکستگی یا dejection کی سی کیفیت آتی ہے دراصل وہی بہت بڑی چیز ہے جو گناہوں کو دھو دیتی ہے۔ اور توبہ اسی حکمت پر قائم ہے۔

- ہمارے پاس توبہ سے گناہ معاف ہوسکتے ہیں۔ شفاعتِ انبیاء و اولیاء سے بھی معافی حاصل ہوسکتی ہے۔ توبہ ، یعنی ماضی پر ندامت اور مستقبل میں احکامِ الٰہی پر استقامت ، نہایت اہم بات ہے۔ دیکھو! جسم میں اعضائے ظاہری کے ساتھ ساتھ ، دل اور روح بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے جب متضاد قوتیں کام کرتی ہوں تو غالب کا اثر نمایاں ہوگا اور مغلوب کا نمایاں نہ ہوگا۔ لہٰذا توبہ کا اثر گناہوں کو ڈھانک

لے گا ، مٹا دے گا ، نیکی سے مبدل کرا دے گا۔ یہ سب توبہ کی قوت پر منحصر ہے۔ہمارے پاس شفاعت کا مسئلہ بھی حق ہے۔ گناہ گار ، شفاعت کرنے والے سے اَلْحُبُّ فِي اللهِ یعنی اللہ واسطے کی محبت رکھتا ہے۔ کیا یہ قلبی فعل نہیں؟ کیا یہ محبت بے اثر رہے گی؟ --- ہرگز نہیں۔ یقیناً شفاعت بن کر رسول اللہ ﷺ سے اور دیگر اولیائے کرام سے ظاہر ہوگی۔اور بالآخر اللہ سے اس کی رحمت بن کر نمایاں ہوگی۔

- دیکھو! جب بندہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ بھی اپنی رحمت کے ساتھ اس کی طرف رجوع فرماتا ہے۔توبہ سے اور کیا کیا ہوتا ہے؟ (1) مغفرت (forgiveness) : گناہوں کو ڈھانک لینا اور آئندہ گناہوں کو چھپا لینا کہ اس تک پہنچ ہی نہ سکیں۔ (2) عفو(blot out) : گناہوں کا نام و نشان مٹا دینا۔ مغفرت کے معنی ہیں گناہوں کو چھپا دینا اور عفو کے معنی یہ ہیں کہ گناہوں کو مٹا ہی دیں کہ داغ دھبہ نہ رہے۔سورۃ الشوریٰ کی آیت 25 میں اللہ فرماتا ہے وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ اور وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور برائیوں کو مٹا دیتا ہے۔ (3) تبدیل(exchange) : گناہوں کو نیکیوں سے بدل دینا۔سورۃ الفرقان کی آیت 70 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ یعنی ، پھر اللہ بدل دے گا ان کے گناہوں کو نیکیوں سے --- مگر یہ سب ،حقوق اللہ میں ہے۔حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا۔اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ بندہ کا دل بہت چھوٹا ہے۔ اس کا معاف کرنا مشکل ہے۔مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف پوری طور سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بخشنے کے لیے یہ صورت نکالتا ہے کہ جنت کا ایک مقام دکھایا جائے گا۔ جس بندہ کا حق نکلتا ہے وہ پوچھے گا ، ''خدایا ! یہ کس کا مقام ہے''؟ اللہ فرمائے گا یہ اس کا مقام ہے جو اپنے بھائی کے گناہ معاف کردے۔ بندہ کہے گا '' میں نے معاف کیا '' اور اس کو وہ مقام عطا کر دیا جائے گا۔ اور اللہ اپنے فضل و کرم سے اس گنہگار بھائی کو بھی وہی مقام عطا کردے گا۔

- صاحبو! گناہ اور اس پر اصرار بہت ہی بُری بات ہے۔ہم بشر ہیں ، بے شر ہیں ، شر ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے۔توبہ کرو۔ جس نے تمھارے دادا آدمؑ کی توبہ قبول کی ، تمھاری توبہ کو بھی قبول کرلے گا۔ تم اس سے منہ موڑوگے تو وہ بھی تم سے منہ موڑ لے گا۔ یاد رکھو گناہوں پر شرمندگی ، لازمۂ بندگی ہے۔

ہ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 46 پارہ 3 صفحہ 142 ، 143 پارہ 4 صفحہ 134 تا 137

پارہ 16 صفحہ 129 ، 130 پارہ 19 صفحہ 24 ، 25 پارہ 26 صفحہ 62 ، 63 اور کتابچہ نظام العمل فقراء صفحہ 9 تا 11 مولفہ حسرتؒ

73 - قیامت

☆ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ط

۞ جس دن صور پھونکا جائے گا (بگل بجے گا) تو تم جماعت جماعت (دربار الٰہی میں جواب دہی کے لیے) حاضر ہوگے۔ (سورۃ النبأ آیت 18)

☆ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ط فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا ط

۞ لوگ تم سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ آخر کب آئے گی۔ تم کو قیامت کے ذکر سے کیا فائدہ؟ (سورۃ النّزعٰت آیت 42 ، 43)

- رسول اللہ ﷺ جب منکرین سے حشر و نشر اور قیامت کا ذکر فرماتے تو وہ لوگ کہتے کہ آخر یہ قیامت کب ہوگی ۔۔۔؟ انھیں خبر نہیں ، کہ جو مرگیا اس کی تو قیامت ہو چکی ، جس کو قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں۔ اب رہی ساری دنیا کی قیامت ، یعنی قیامتِ کبریٰ ، تو اس کی تعینِ مدت نہیں ہوسکتی۔ اوقات کا معین کرنا ، یہ کام نجومیوں(astrologers) اور رَمالوں(geomancers) کا ہے۔ قرآن کا کام تو احکام بیان کرنا ہے۔۔ دیکھو مرنا برحق ہے اور قیامت بھی برحق۔ نہ مرنے کا وقت معلوم ہونے سے فائدہ اور نہ قیامت کا وقت جاننے سے نفع۔ تم کو اپنی حالت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے کب مرتے ہیں اس سے واقف ہونے سے کیا فائدہ؟ تم کو مرنا ہے۔ دربارِ الٰہی میں جانا ہے۔ سزا جزا سننی ہے۔

- واضح ہو کہ علاماتِ قیامت میں ، لوگ کہتے ہیں کہ آفتاب (جس کی روشنی کو کوئی مزید امداد نہیں ہے مگر روشنی ہے کہ نکلی جاتی ہے) قیامت کے قریب بالکل ٹھنڈا ہو جائے گا۔ بے نور ہو جائے گا۔ اور اس کی کشش باقی نہیں رہے گی۔ جس کے سبب تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ جب آفتاب کی یہ حالت ہو تو دوسرے ستاروں کا کیا حال ہوگا۔ جمادات ، نباتات ، حیوانات سب سے روحِ انسانی بے تعلق ہو جائے گی۔ زمیں جابجا سے شق ہوجائے گی۔ اور اس میں سے لاوا نکلے گا جو ایک مشتعل حالت میں ہے۔

سمندر کا پانی خشک ہوجائے گا۔ بعض کہتے ہیں کوئی دمدار ستارہ زمین پر آگرے گا اور اس کو پارہ پارہ کردے گا۔ زمین پھٹے گی اور قیامت آجائے گی۔

- قیامت کس طرح آئے گی؟۔۔۔ اس کے ظاہری آثار و اسباب کے متعلق قرآن شریف کہتا ہے۔ یوم تمُورُ السَّمآءُ موْرًا ، جس دن آسمان خوب تھرتھرائے گا ، ابر لہرائے گا۔ وَتسِیرُ الجِبَالُ سَیْرًا ، اور پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں گے ، اُڑے اُڑے پھریں گے (سورۃ الطور آیت 9 ، 10)۔ وفُتِحَتِ السَّمآءُ فَکَانَتْ اَبْوَابًا، اور آسمان کھل جائے گا ، پھٹ جائے گا اور اس میں دروازے پڑجائیں گے۔ وَسُیِّرَتِ الجِبَالُ فَکَانَتْ سرابا ، اور پہاڑ اُڑا دئے جائیں گے ، پھر سراب بن جائیں گے (سورۃ النبا آیت 19 اور 20)۔ اِذَا الشَّمسُ کُوِّرَتْ ، جب آفتاب (کے نور کی چادر) لپیٹ دی جائے گی ، وَاِذَاالنُّجُومُ انکَدَرَتْ ، اور جب ستارے (تاریک اور) مکدر ہوجائیں گے۔ واِذَاالجِبَالُ سُیِّرَتْ ، اور جب کہ پہاڑ اُڑتے پھریں گے۔ وَاِذَا العِشَارُ عُطِّلَتْ اور جب گابھن اونٹنیوں کو پوچھنے والا نہ رہے گا۔ وَاِذَا الوُحُوشُ حُشِرَتْ ، اور جب وحشی جانور بھی اکٹھے ہوجائیں گے۔ وَاِذَا البِحَارُ سُجِّرَتْ، اور جب سمندر مشتعل کردیئے جائیں گے۔ وَاِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ، اور جب تمام لوگ اکٹھے اور جمع کر دیئے جائیں گے (سورۃ التکویر آیت 1 تا 7)۔ اور اِذَا زُلزِلَتِ الاَرضُ زِلزَالَھَا ، جب ساری زمین کو زلزلہ ہوگا۔ وَاَخرَجَتِ الاَرضُ اَثقَالَھَا ، اور زمین اپنے بوجھ (مردے) خارج کرے گی۔ وَقَالَ الاِنسَانُ مَالَھَا ، اور جب ہر شخص کہہ اُٹھے گا کہ زمین کو یہ کیا ہوگیا؟ یَومَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخبَارَھَا ، اس دن (یعنی قیامت کے دن) زمین اپنے ساری سرگذشت بیان کر دے گی (سورۃ الزلزال آیت 1 تا 4) ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

- الغرض۔۔! کچھ ہی کیوں نہ ہو ، قیامت کا آنا برحق ہے۔ سب لوگ میدانِ قیامت میں جمع ہو جائیں گے۔ سب کو اپنے کرتوت کی جوابدہی کرنی پڑے گی۔ نیک ، اچھی حالت میں رہیں گے اور بد ، سخت تکالیف اور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن شریف میں بار بار قیامت اور اس کے ہولناک حالات پر انسان کو اس لیے توجہ دلائی جاتی ہے تاکہ لوگ بُرے کام چھوڑیں اور اچھے کام کریں۔ قیامت اور حساب کتاب سے غفلت ، تمام برائیوں کی اصل ہے۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 27 صفحہ 12 پارہ 30 صفحہ 8 ، 10 ، 11 ، 34 ، 35 ، 46 ، 47 ، 83 ، 84 اور 160 تا 162 ٭

74- آخرت

☆ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۔ وَکَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ط

۞ جاندار کو بے جان میں سے نکالتا ہے اور بے جان کو جاندار میں سے اور زمین کو بے آب وگیاہ ہوجانے کے بعد تروتازہ کرتا ہے اور اسی طرح تم (حشر کے دن مرنے کے بعد) زندہ کیے جاؤ گے۔ (سورۃ الروم آیت 19)

☆ اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۔ بَلِ الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ط

۞ کیا اس شخص نے اللہ پر افترا پردازی کی ہے یا دیوانہ ہو گیا ہے (اسے جنون ہو گیا ہے)؟ (نہیں) بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ عذاب اور بڑی ہی ضلالت میں گرفتار ہیں۔ (سورۃ سبا آیت 8)

- صاحبو! آخرت کا خوف، اللہ کے دربار میں حاضر ہونے کا ڈر، اس کی بازپرس اور جواب دہی کا ہونا انسان کو تمام بُری باتوں سے بچاتا ہے۔ دیکھو اپنی بُرائی اور مرنے کو ہمیشہ یاد رکھو، اور اپنی خوبیوں کو بلکہ خود کو، بالکل بھول جانا چاہیے۔ ہمیشہ اپنا خیال اللہ کی طرف رکھو۔ اس کی تسبیح اور حمد میں اپنی عمر گزارو۔ یاد رکھو۔! جو پیدا ہوا ہے وہ مرے گا بھی۔ جو جاگ رہا ہے وہ سوئے گا بھی۔ سونے والا دوبارہ بیدار بھی ہوتا ہے۔ ذرا شعلے پر غور کرو کہ وہ ہر آن ہر لحظہ فنا ہوتا جاتا ہے، اور دوسرا تیل شعلہ کی شکل میں آتا جاتا ہے۔ خود اپنے پر بھی غور کرو۔ ہمارا جسم ہر آن ہر لحظہ کچھ سانس سے، کچھ پسینہ سے اور کچھ دوسری اشیا کی صورت میں فنا ہوجاتا ہے اور غذا اس کی تکمیل کرتی جاتی ہے۔یوں جینا مرنا، فنا اور بقا آپس میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو مرنا حق ہے۔ اللہ کا انکار کرنے والے بہت ہیں۔ مگر مرنے سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کچھ کرو۔

- عام طور سے حشر کا انکار ، دربارِ خداوندی میں جوابدہی کا قائل نہ ہونا ، اللہ کی بازپرس سے بے فکر ہو جانا ، تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ خوف میں خوف ، اللہ کا خوف۔ اچھی بات کو اچھا سمجھ کر کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں جب کہ خوف کی وجہ سے بُرے کام کو چھوڑنے والے ، اکثر ہیں۔ پولیس کا خوف یا فوج کا ڈر ، تنہائی میں کچھ نہیں رہتا۔ مگر اللہ کا خوف ہی ایسی چیز ہے کہ جو خلوت اور جلوت (private-and-public) سب میں رہتا ہے۔ اسی واسطے قرآن شریف میں جابجا حشرونشر پر توجہ دلائی جاتی ہے۔ خدائی بازپرس کا خوف دلایا جاتا ہے۔ ڈرنے اور کام کرنے کی جگہ یہ دنیا ہی ہے۔ دنیا کا عذاب enlarge ہو کر ہی آخرت کا عذاب بنتا ہے۔ جو دنیا کا اندھا ہے وہ آخرت کا بھی اندھا ہے۔ آج جو ہوشیار نہ ہوا وہ کل عذاب سے کیوں کر بچے گا۔ خدا سے غفلت ، لعنت ہے۔

- صاحبو! جس طرح مادہ ، اللہ کے حکم کے بغیر فنا نہیں ہوتا اسی طرح افعال اور ان کے آثار بھی فنا نہیں ہوتے۔ ہاں! صورت بدلتے ہیں۔ حرارت ، بجلی میں بدلتی ہے۔ بجلی ، آواز بن جاتی ہے۔ آواز سے حرکت پیدا ہوتی ہے۔ مگر ان میں سے کوئی چیز فنا نہیں ہوتی۔ صرف صورتیں بدلتی ہیں۔ ہر شخص کے ساتھ اس کے صفات لگے رہتے ہیں۔ افعال کے آثار ہوتے ہیں۔ اب ذرا غور کرو! ایک شخص نے عمر بھر نیک کام کیے۔ اللہ کو مانا۔ اور بندگانِ خدا کی خدمت کی اور عمر بھر سختی اور تنگی میں گذارا۔ اس کے ساتھ اس کی نیکی رہنا چاہیے۔ اسی طرح بعض ظالم ، عیش پرستی میں مبتلا ہیں ، لوگوں پر ظلم وستم کرتے ہیں ، غریبوں کو ایذا دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی بدی رہتی ہے۔ ان کے مظالم ان کے دامن گرفتہ رہتے ہیں۔ بعض دفعہ ، دنیا میں نیکوں کو نیکی کی جزا نہیں ملتی اور بدوں کو بدی کی سزا نہیں ہوتی۔ یوں آدمی مرجاتا ہے اور اسے کوئی بدلہ نہیں ملتا۔ لہٰذا ایک دوسرا عالم ہونا چاہیے جس میں نیکوں کو نیکی کا ثواب اور بُروں کو بُرائی کا عذاب ہو۔ چنانچہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ انصاف ہوگا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا۔ فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ، پھر جو شخص ذرہ بھر نیکی کرے گا (وہ ہرگز ضائع نہیں جائے گی) وہ اس کو دیکھے گا۔ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ، اور جو ذرہ بھر بُرائی کرے گا وہ بھی اپنے عمل کو دیکھے گا (سورۃ الزلزال آیت 7 اور 8)۔ دیکھو! عمل اور ردِ عمل برابر ہوتا ہے۔ ہر فعل کے ساتھ اس کا نتیجہ اور ہر کام کے ساتھ اس کا لازمہ لگا رہتا ہے۔ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ کانٹے بو کر پھولوں کی امید حماقت ہے ، جہالت ہے۔ نیز انسان اپنے conscience پر بھی غور کرے۔ اپنے ضمیر کی طرف رجوع کرے۔ اس کا ضمیر نیک کام کرکے خوش ہوتا ہے ، اور بد کام کرکے ڈرتا ہے۔ یہ سب ، آئندہ ہونے والے واقعات پر شاہد ہے۔

- بعض نادانوں کا خیال ہے کہ جزا ، سزا اور آخرت کوئی چیز نہیں۔ کھاؤ ، پیو اور مر جاؤ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا ہی میں مرنے کے بعد پھر آنا ہوگا ، ظلم وستم کروگے تو دنیا ہی میں سزا مل جائے گی جانور کی شکل میں آؤگے اور جانوروں ہی کی طرح پڑوگے۔ وہ اس کو تناسخ یعنی transmigration کہتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ جزا و سزا کو نہیں سمجھتے۔ دیکھو! ایک شخص نے تمام عمر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گذاری دنیا بھر کی تکلیفیں اٹھائیں۔ کیا اس پاک بندے کی جزا ، اچھے گھر کا ملنا ہے؟ اچھا کھانا ملنا ہے؟ یا پھر اس کا بادشاہ ہوجانا ہے؟ --- اول تو آج کل جمہوریت کا زور ہے ، بادشاہ کہاں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس طالبِ حق کا اصل مقصود ، کدھر ہے؟ --- وہ تو دنیا کی لذتوں اور اس کے آرام کو ذلیل و حقیر سمجھ کر چھوڑ چکا ہے۔ وہ بادشاہت کو لے کر کیا کرے گا؟ جس کو اس کی ضرورت نہیں ، جو اس کا مقصود نہیں وہ اس کو کیا راحت و آرام پہنچا سکتا ہے؟ رنج و راحت اصل میں روح کی صفت ہے۔ اُس کی روحانی لذت تو دیدارِ الٰہی میں ہے۔ دیدار اور رضائے الٰہی اگر نہ ہو تو اس کے لیے دنیا تو ہیچ تھی ہی ، پھر تو ایسی آخرت بھی ہیچ ہے ، بے حقیقت ہے۔

- صاحبو! ذرا غور کرو تم ہو کیا ---؟ کیا "تم" کا مخاطب تمھارا جسد یعنی تمھاری body ہے؟ یا تمھاری روح ہے؟ تمھارے جسد کا حال تو یہ ہے کہ سانس لیتے ہو تو اس کے ساتھ کاربن ڈائی آکسائیڈ نکلتی ہے۔ اس گیس میں کیا ہے؟ جسم کا جلا ہوا مادہ۔ بیت الخلا جاتے ہو تو فضلہ بن کر جسم کا ایک معتد بہ یعنی sufficient حصہ نکل جاتا ہے۔ پسینہ سے بھی کچھ اجزا خارج ہوجاتے ہیں۔ سائنس دانوں کا بیان ہے کہ 7 سے 12 سال میں تو پورا جسم نیا ہوجاتا ہے۔ تم کو ، تمھاری روح کو ، تمھارے جسد سے ایک تعلق ہے۔ ایک ربط ہے۔ ایک نسبت ہے۔ سب کچھ بدل جاتا ہے مگر وہ نسبت باقی رہتی ہے۔ اس نسبت کے توسط سے روح کو عذاب و ثواب ، رنج و راحت پہنچتے ہیں۔ روحِ انسانی جہاں جاتی ہے ، جس عالم میں پہنچتی ہے چاہے وہ عالم ، عالمِ خواب ہو ، عالمِ مثال ہو ، عالمِ برزخ ہو ، یا عالمِ آخرت ہو ، اسی کی مناسبت سے اسے جسم مل جاتا ہے۔ غرض یہ کہ حشر و نشر اور عذاب و ثواب ، سب جسمانی ہیں۔ اور ایک طرح سے دیکھو تو روحانی بھی۔ کیونکہ جسد ، بے ادراک (without perception) اور بے علم ہے۔ علم کا مرکز تو روح ہے۔ اسی کو رنج ہے ، اسی کو راحت ہے۔

- صاحبو! دین و دنیا کی تباہی کا سب سے بڑا باعث کیا ہے---؟ ہمارے خیال میں ، موت کو بھول جانا اور خدا کی باز پرسی سے غافل رہنا ہے۔ دیکھو! ہر چیز کا ایک سبب ہوتا ہے ، ایک علت ہوتی ہے۔ اس

سے غرض ہوتی ہے۔ کیا دنیا میں جو کچھ ہیں سب کام کے ہیں اور بے کار ہیں تو ایک ہم۔۔۔؟ حالانکہ ہم اشرف المخلوقات ہونے کے مدعی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو تمھارے لیے پیدا کیا اور تم کو اپنے لیے۔تم بے کار نہیں ہو۔ تمھارے ذمے بھی کام ہیں۔ تم اشرف ہو ، most eminent ہو ، بڑے ہو تو تمھارے پیدا کرنے کے اغراض و مقاصد بھی بڑے ہی ہیں۔ تمھارے بھی فرائض ہیں۔ تمھارے ذمے بھی واجبات ہیں۔ ان کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔ عمر بھر خدا کی مرضی کے خلاف کام کرتے رہے تو خدا کو کیا منھ دکھاؤ گے؟ اور اس کو کیا جواب دوگے؟ رعایا ، حاکم کی خلاف ورزی کرتی ہے تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔ اولاد شرارت کرتی ہے تو اس کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے خلاف کرتے جاؤگے اور یہ سمجھوگے کہ نہ کوئی نگراں کار ہے نہ مرکز اٹھنا ہے اور نہ خدا کے سامنے جواب دہی کرنا ہے۔۔۔!

- یاد رکھو! مرنا حق ہے ، جنت حق ہے ، دوزخ حق ہے۔اس دنیا کی سزائیں ، ان حاکموں کی عقوبتیں یعنی punishments چند روزہ ہیں۔ مگر خدا کی سزائیں سخت ہیں ، دراز ہیں۔ اس سے بچانے ولا کوئی نہیں۔ خدا ہی بچائے تو بچ سکتے ہیں۔ کب تک خوابِ غفلت میں سوتے پڑے رہوگے۔ اٹھو ، بیدار ہو اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے تیار ہوجاؤ۔ ذرا سوچو تم نہایت ضعیف اور ناتواں ہو۔ اور اللہ نہایت قوی اور زبردست ہے۔خدائے جل جلالہٗ کی مخالفت چھوڑو۔ اور اُس اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن کی چادرِ رحمت کو اوڑھ لو۔ پھر تو تمھاری دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی اچھی۔ اللہ توفیقِ نیک کو ہمارا رفیق بنائے۔ آمین

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 6 تا 8 پارہ 7 صفحہ 57 تا 59 پارہ 15 صفحہ 35 پارہ 17 صفحہ 61

پارہ 18 صفحہ 14 پارہ 21 صفحہ 22 ، 23 ، 70 ، 71 ، 76 ، 77 پارہ 22 صفحہ 40 ، 41

اور پارہ 30 صفحہ 2 ، 3 ، 162 ، 168 ، 169٭

75- جنت و دوزخ

☆ قُلْ اَءُ وَنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ م بِالْعِبَادِ ط

❁ تم کہہ دو، کیا میں تم کو ان سب سے بہتر بات بتا دوں۔ متقیوں کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لیے صاف ستھری بیویاں ہیں اور اللہ کی رضامندی ہے۔ اور اللہ اپنے تمام بندوں کو دیکھتا ہے۔ (سورۃ ال عمران آیت 15)

☆ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ط لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ط لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ط لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ط اِلَّا حَمِيْمًا وَّ غَسَّاقًا ط جَزَآءً وِّفَاقًا ط

❁ بیشک جہنم تاک میں ہے۔❁ سرکشوں کو اس میں جانا ضرور ہے۔❁ (یہ سرکش لوگ) مدت ہائے دراز تک اس (دوزخ) میں رہیں گے۔❁ ان کو اس میں نہ تو سردی نصیب ہو گی نہ ہی پانی پینا۔ ❁ مگر گرم پانی اور (بدبودار) پیپ۔ ❁ جیسا کام ویسا ہی اس کا بدلہ۔ (سورۃ النبا آیت 21 تا 26)

- جب آدمی اس عالم سے ، عالمِ آخرت میں منتقل ہو جاتا ہے تو وہاں کیا ہوتا ہے؟۔۔۔ دیکھو! ایک عالم کو دوسرے عالم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے یعنی کسی چیز کا ایسی چیز پر تصور کرنا ہے جو اس سے بالکل مختلف ہو اور اس میں کوئی یکسانیت نہ ہو۔ مسلمانوں کی جنت ، یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ہے یعنی اس دن کی زمین ہی اور ہو گی اور آسمان ہی اور (سورۃ ابراھیم آیت 48)۔ وہ عالم تو مَا لَا عَيْنٌ رَاءَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَمَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ کا ہے یعنی جن کو نہ آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل پر اس کا خطرہ بھی گذرا ، کا ہے۔ ایک حقیقت ہے جس کا ہر عالم کے لحاظ سے ظہور ہورہا ہے۔

اچھوں سے اچھا کردار ، بُروں سے بُرے افعال۔ اور جب آدمی دوسرے عالم میں منتقل ہوگا تو وہی اعمال و افعال ، اس عالم کے مناسب حال صورت لیں گے۔ سورۃ البقرہ کی آیت 25 میں اُتُوا بِهٖ مُتَشَابِهًا ہے یعنی اس کے افعال کے مشابہ جزا و سزا دی جائے گی۔

- واضح ہو کہ آدمی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا عقیدہ بھی اچھا ہے اور عمل بھی اچھا ، وہ شروع سے آخر تک جنت میں رہیں گے۔ دوسرے وہ جن کا عقیدہ تو اچھا ہے مگر اعمال اچھے نہیں ، وہ چند روز دوزخ میں رہ کر جنت میں جائیں گے۔ اور تیسرے وہ لوگ جن کا عقیدہ بھی خراب ہے اور عمل بھی خراب ، وہ شروع سے آخر تک دوزخ میں رہیں گے۔ مگر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کیا دوزخ میں کفار ، ابدالآباد یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ گنہگار چند روز کے بعد دوزخ سے نکال لیے جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت انہی کے لیے تو ہے۔ جو لوگ مسلمان ہیں ایمان رکھتے ہیں ، ان کا ایمان اپنا اثر بتائے گا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو لوگ توحید سے نابلد تھے اُن کو بھی ایک مدتِ دراز کے بعد ایک قسم کی راحت حاصل ہوجائے گی۔ جنت میں تو نہ جائیں گے مگر دوزخ میں شجرۃ الجرجیر ، جو ایک قسم کی سبزی ہے ، اُگے گی جس کے سبب دوزخ اُن پر بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے جو ذاتی محبت ہے اس کے غضب پر غالب آجائے گی۔

- اس مقام پر چند ضروری باتوں پر توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ ایک چیز جس سے مخاطب بالکل واقف نہیں تو اسے ، مشابہ تر اور قریب تر چیز کی مثال سے بیان کیا جائے گا۔ جیسے ، کسی نے ایک گاؤں والے کے سامنے برفی کا ذکر کیا کہ وہ شہر میں ملتی ہے۔ گاؤں والے نے پوچھا " برفی کیسی ہوتی ہے"۔؟ ظاہر ہے کہ گاؤں والے کے پاس کیا ہے۔ چاول ، گیہوں ، نمک ، مرچ اور گڑ وغیرہ۔ اب اس گاؤں والے کے سامنے کوئی برفی کو بیان کرے تو کس طرح؟ اس ذی فہم آدمی نے کہا کہ " برفی گڑ جیسی ہوتی ہے"۔ ظاہر ہے کہ گاؤں والے کے آس پاس کی چیزوں میں برفی سے قریب تر چیز گڑ ہی ہے۔ دیکھو! جب محبت کو بیان کرتے ہیں تو شراب سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ تمام شاعر شراب کہتے ہیں اور محبت مراد لیتے ہیں۔بے وقوف شرابی محبت کے مزے کو کیا سمجھے گا۔ مجبوراً شراب کہتے ہیں اور محبت مراد لیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ جنت کی نعمتیں وہ ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا۔ وہ عالم ہی دوسرا ہے۔اس کی سب چیزیں دوسری ہی ہیں۔ سمجھانے کے لیے ان چیزوں کے نام لیے جاتے ہیں۔ جنت کی نعمتوں

کو بھی اسی طرح سمجھو کہ ہم جن جن الفاظ سے بیان کرسکتے ہیں ان سب سے بہتر وہی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔ خدا کی تعبیرات دوسری سب تعبیرات سے بہتر ہیں۔ جیسے' ازْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ' (سورۃ البقرہ آیت 25 یا سورۃ النساء آیت 57) اس سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ وہ مادیات سے پاک اور نقائص سے مبرا ہیں۔

- صاحبو! اچھے لوگوں کی چار اقسام بیان کی جاسکتی ہیں۔

(1) عابد و زاہد (2) عاشق (3) عارف (4) انسانِ کامل یعنی 'عبداللہ'۔

ہمارے خیال میں ہرایک کی جنت جدا ہے۔ ہم اپنے تخیل کے مطابق ہر ایک کی جنت کو کچھ یوں بیان کریں گے۔

☆ عابد و زاہد کی جنت

- جنت میں ، زاہد کے لیے ، ایک سرسبز باغ اور ایک اچھا خوبصورت مکان ہے۔ باغ میں آرائشی درخت ہیں۔ اور پھول پھل بھی ہیں۔ عموماً دنیا میں بعض موسم میں بعض پھول پھل ہوتے ہیں اور دوسرے موسم میں دوسرے قسم کے پھل پھول۔ مگر اس عجیب و غریب باغ میں ہر قسم کے پھول اور پھل ہر وقت موجود ہیں۔ روشیں درست ہیں۔ فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ ہر قسم کے میوے ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ ڈالیاں جھکی جارہی ہیں۔ مکان بھی نہایت سجا ہوا ہے۔ آراستہ ہے۔ دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ جن پر مختلف مذاق والوں کے لیے مختلف سالن اور کھانے ہیں۔ کئی قسم کی چٹنیاں ہیں۔ طرح طرح کے میٹھے بھی ہیں۔ اعلیٰ درجے کے اور انواع و اقسام کے شربت ہیں۔ ان تمام چیزوں کو میز اور دسترخوان پر نہایت ہی سلیقے سے چنا گیا ہے۔ جو دل چاہتا ہے وہاں ان کو ملتا ہے۔ تیار ہے۔ اس جنت میں ، یہ عابد و زاہد صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ ان کی بیوی بھی ہیں جو حورانِ بہشت سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی زیور سے زرق برق کپڑوں سے مزین ہیں۔ ان کے سامنے ان کے سب بچے بھی موجود ہیں۔ فرحت بخش ہوائیں چلتی ہیں اور نہایت شیریں پانی کی نہریں جاری ہیں۔ جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ کبھی کبھی دربارِ الٰہی میں حاضری ہوتی ہے۔ اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق دیدارِ الٰہی سے حصہ ملتا ہے۔ وہ دیدارِ الٰہی کے مقابل ساری لذتوں کو بھول جاتے ہیں۔ دربار سے واپسی پر ان کے چہرے پر ایک نورِ سکینہ نمایاں رہتا ہے۔ ان کے بیوی بچے ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر حیرت میں آجاتے ہیں۔ قدیم دوست بھی ان کے پاس آتے جاتے ہیں۔ عمدہ قالینوں کا فرش ہے۔ قیمتی صوفوں پر بیٹھ کر وہ اللہ تعالیٰ کے عطایا کو بیان کرتے ہیں۔

☆ عاشق کی جنت

- دوسرا باغ ، عاشقوں کا ہے۔ ایک نہایت ہی پُر فضا باغ ہے۔ اورایک سنگِ سرخ کا اس میں مکان ہے۔ دیواروں پر طلائی کام ہے۔ جابجا عود دان دھرے ہیں۔ کسی میں اگر جل رہا ہے ، کسی میں عود اور کسی میں لوبان۔ اس باغ میں بجائے پانی کے، شراب کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ عاشق ، بلوری یعنی crystal گلاس سے شراب لیتا ہے۔ اور پیتا جاتا ہے ، مست ہوگیا ہے۔ ایک نہر کے کنارے پر پہنچ کر چیخ مارتا ہے۔ اس کا عجیب حال ہے۔ خدا جانے کیا دیکھتا ہے ، ایسے چکر کاٹتا ہے جیسے کسی کے صدقے ہورہا ہے۔ کبھی دوڑتا ہے۔ کبھی بلائیں لیتا ہے۔ کبھی سجدے میں گرتا ہے اور اپنے آپ میں بڑبڑاتا ہے۔

ہر رنگ میں تیرے،خوشنمائی　　ہر ایک ادا میں ، دلربائی

اس کے باغ اور مکان میں سب کچھ ہے مگر اس کی نظر میں سب ہیچ ہے۔ اللہ اکبر کی چیخ لگاتا ہے۔ وہ جس کا دیوانہ ہے ، دیوانہ ہے۔ اسے راحت ہے تو بس دیدارِ الٰہی سے۔ زور زور سے نعرے لگاتا جاتا ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرْ کَبِیْرًا ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا ، وَّ سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً۔

☆ عارف کی جنت

- ایک اور باغ ہے جس میں عالی شان سنگِ مرمر کا مکان ہے۔ کیا ہی اچھا سنگِ مرمر ہے ، نہ داغ نہ دھبہ۔ اس باغ میں بجائے پانی کے، دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ مکان میں روشنی کا بڑا انتظام ہے۔ مختلف قسم کے شینڈلیرز لگے ہیں جن سے رنگ بہ رنگ کی روشنی بڑی ٹھنڈی ہے۔ مکان اور باغ میں داخل ہوتے ہیں تو دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔ لیکن اس باغ میں ایک سبزہ زار ہے ، جو بھی اس میں داخل ہوتا ہے اس کے تن بدن میں ایک سنسنی سی پیدا ہوتی ہے۔ ایک بے خودی اور خود فراموشی اس پر چھا جاتی ہے۔اور وہ کچھ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے کہ لوگ اس کو کفر و شرک سمجھتے ہیں۔ یہ مقام ، عارفِ موحد کا ہے۔بعض دفعہ وہ نماز پڑھتا ہے۔کھڑا ہے تو کھڑا ہے ، رکوع میں ہے تو رکوع ہی میں۔ سجدے میں پڑا ہے تو اسی میں۔ بڑی مشکل سے نماز ختم کرتا ہے۔ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو یوں نغمہ سَرا ہوتا ہے۔

گم شدن درگم شدن دینِ من است
نیستی در ہست آئینِ من است

(کھوجانا اور بس کھوجانا ہی میرا دین ہے۔ خود کو مٹا کر اسے پالینا ہی میرا ایمان ہے)

بعض دفعہ اوڑھ کر لیٹ جاتا ہے۔ سوتا ہے تو نہ کمبل ہے نہ کمبل پوش۔ اور جب جاگتا ہے تو کمبل بھی موجود اور کمبل پوش بھی۔ یہ مقام ، محلِ حیرت ہے ، unblievable اور بہت ہی amazing ہے۔ کبھی فنا کا دورہ ہوتا ہے تو کبھی بقا کا۔ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔

☆ عبداللہ کی جنت

- ایک اور نہایت ہی عالی شان باغ ہے اور اس میں موتی کا مکان ہے۔ اس سے پہلے کے دوسرے باغوں میں جو کچھ تھا ، وہ سب اس میں موجود ہے۔ کیا چیز ہے جو اس گھر میں نہیں ہے۔ یہ مقام "عبداللہ" کا ہے۔ اس میں کیا نہیں ہے؟ علم ہے ، معرفت ہے ، توحید ہے ، عشق و محبت ہے۔ یہ آدمی کیا ہے ، کمالات کا مجسمہ ، طلسمات کا پتلا۔ گھر میں بیوی بچے بھی ہیں ، بیوی سے محبت ہے اور بچوں پر شفقت بھی۔

- ہر گھڑی دربارِ الٰہی میں اس کی یاد ہوتی ہے۔ اللہ تعالٰی کسی کو کچھ دینا چاہتا ہے تو اسی کے ہاتھ سے دلواتا ہے۔ اس پر صادق آتا ہے کہ جیسے وہ خدا کا ہاتھ پاؤں بن گیا ہے۔ دربارِ الٰہی نے دربارِ محمدی کو اور دربارِ محمدی سے جو جو احکامات جاری ہوتے ہیں اسی کے توسط سے ہوتے ہیں۔ اس کا کام ہے سردارِ انبیاء کے تخت کے پاس مور چھل لے کر کھڑے رہنا اور مرکزِ نبوت پر ہلاتے رہنا۔

- عبداللہ مذکور ، نہ صرف باغ کے مالک ہیں بلکہ وہ بہت بڑے جاگیردار بھی ہیں۔ جاگیر اتنی بڑی ہے کہ انھوں نے دوسروں کو چھوٹی چھوٹی جاگیریں دے رکھی ہیں۔ یہ لوگ کون ہیں؟ ان کے خلفاء ہیں۔ ہر خلیفہ کے پاس کئی کئی باغ ہیں جن میں ان کے مرید رہتے ہیں۔"عبد اللہ" کا مقولہ ہے۔

دیتا ہی چلا جاؤں ہر شخص کو جو مانگے
یا رب تو اپنے خزانے سے مجھے اتنا دے

- دوامِ حضور ان کی جان ہے۔ عشق و محبت ان کا ایمان ہے۔ خلوت میں ، جلوت میں ، محبوبِ رب العالمین ہیں۔ منظورِ ختم المرسلین ہیں۔ اتباعِ نبوت سے ان کو یہ ساری عزت و حرمت ملی ہے۔

☆ صاحبو! یہ تھا اچھے لوگوں کی جنت کا ایک خیالی منظر۔ الغرض ، جنت کئی قسم کی ہے۔ جو اچھے کام کرتے تھے ان کو ہر قسم کی نعمتیں ملیں گی۔ اچھا اور بڑا گھر ملے گا۔ مزیدار کھانے ہونگے۔ پینے کو شرابِ محبت ہوگی۔

کس چیز کی کمی ہے مولیٰ تری گلی میں

☆ مگر دیکھنا ۔۔۔! ایک اور جنت ' جنتِ ذات ' بھی ہے۔ ایسے جنتی لوگوں کا دل جلتا ہے۔ اس میں سے خوشبو نکلتی ہے۔ ان کے ہوش و حواس گم رہتے ہیں۔ وہ اللہ کو تو جانتے ہیں مگر خود کو اور ماسوا اللہ کو فراموش کردیتے ہیں۔ اپنے خیال سے اللہ کو اہم سمجھتے ہیں۔ دوسروں کا خیال تو ان سے کوسوں دُور ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہارون رشید نے جو سفر پر جا رہا تھا اپنی بیویوں سے پوچھا ، تم کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی ضرورت بیان کی۔ لیکن ایک بیوی نے ہارون رشید کے زانو پر ہاتھ رکھ دیا۔ گویا اس کا کہنا تھا میرا مقصود تو ، تُو ہے ، دوسروں کو لے کر کیا کروں ۔۔۔؟

- اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ' جنتِ ذات ' میں داخل کردے۔ آمین۔

وَاَدْخِلْنَا فِیْ عِبَادِكَ الْمُحِبِّیْنَ، اَلَّذِیْنَ اَفْنَوْا ذَوَاتَهُمْ فِیْ ذَاتِكَ
وَصِفَاتَهُمْ فِیْ صِفَاتِكَ ، وَاَفْعَالَهُمْ فِیْ اَفْعَالِكَ
فَلاَ عَیْنٌ لَّهُمْ وَلاَ اَثَرٌ.

☆ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 50 تا 52 پارہ 3 صفحہ 83 تا 85 پارہ 4 صفحہ 35 پارہ 5 صفحہ 40 ، 41 پارہ 12 صفحہ 80 ، 81

پارہ 29 صفحہ 105 پارہ 30 صفحہ 11 ، 12 ، 13 ، 109 اور کتابچہ چار جنتیں مولفہ حسرتؒ ☆

76- خیر و شر

☆ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ط

جو اچھی کمائی کرتا ہے تو اُس کے لیے (مفید) ہے اور جو بُری کمائی اور کسب کرتا ہے تو (اس کا نقصان) بھی اُسی کو ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت 286 کا حصّہ)

☆ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط

(اے نبیؐ تم ان سے) کہہ دو سب اللہ کی طرف سے ہے۔ (سورۃ النساء آیت 78 کا حصّہ)

☆ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط

تجھے جو نیکی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جو بدی پہنچتی ہے وہ خود تجھ سے ہے۔ (سورۃ النساء آیت 79 کا حصّہ)

☆ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ط مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ط

تم کہو، پناہ لیتا ہوں صبح کے رب کی۔ ہر (اس شئے کے) شر سے جس کو تو نے پیدا کیا۔ (سورۃ الفلق آیت 1 اور 2)

- اوپر بیان کی گئی پہلی تین آیتیں بہ ظاہر ایک دوسرے کے مخالف لگتی ہیں لیکن ان میں مطابقت موجود ہے۔
- پہلی آیت ، کاسب کو ظاہر کر رہی ہے۔ نیک و بد دونوں کا کاسب اور فاعل ، بندہ ہے۔ یعنی خیر اور شر دونوں بندے سے متعلق ہیں۔ پس ہمارے کاموں کا فاعل اللہ کو نہیں کہہ سکتے۔
- دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ خیر 'وجود' سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اللہ کا وجود ذاتی ہے۔ جب کہ شر 'عدم' سے پیدا ہوتا ہے۔ اور عدم ، ہمارا ذاتی ہے۔ لٰہذا جتنے کمالات ظاہر ہو رہے ہیں وہ 'وجود' اور اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب ہوں گے۔اور جتنے کام شر ہوں گے وہ ہماری عدمیتِ ذاتی کا تقاضہ ہیں۔

یوں شر، ہم ہی پر منحصر رہے گا۔ کہا جائے گا کہ خیر، اللہ کی طرف سے ہے اور شر، بندے کی طرف سے۔شر میں بندہ ، اللہ کی ڈھال بنے گا۔ گالیاں خود کھائے گا اور تمام تعریفات اللہ کو پہنچا دے گا۔

- تیسری آیت کا مقصد یہ ہے کہ خیر اور شر کی نمائش اور ان کا ظہور سب اللہ کی وجودِ بخشی کی وجہ سے ہے۔ اللہ اگر دیتا نہیں تو نہ بھلائی نمایاں ہوتی اور نہ بُرائی۔ خیر اور شر کا ظاہر ہونا ' وجود' یعنی اللہ تعالےٰ سے ہے۔ وہ خیر و شر کا خالق ہے جب کہ بندہ کاسب اور فاعل۔ خیر، اللہ کی طرف جائے گا اور شر، بندے کی طرف۔

- اب ، منْ شرِّ مَا خلق پر بھی کچھ غور کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے سوائے جتنے ہیں سب مخلوق ہیں۔ ان میں خیر وشر دونوں پہلو رہتے ہیں۔ یہ خیرِ اضافی کہلاتا ہے۔بعض اشیا میں خیر غالب ہوتا ہے اور شر مغلوب۔بعض میں اس کا عکس، opposite۔اس کو خیرِ کثیراور شرِ کثیر کہتے ہیں۔ خیرِ کثیر ، حاصل کیے جانے کے لائق ہے اور شرِ کثیر ، دور رکھے جانے کے قابل۔مثلاً تجارت سے فائدہ اٹھانا خیرِ کثیر ہے۔ باوجود اس کے کہ اس میں سخت تکلیف اور بڑی محنت ہے۔ خیانت ، رشوت ، سود خوری اور چوری میں شرِ کثیر ہے حالانکہ اس میں محنت کم ہے اور راحت زیادہ۔ اس خیر و شر کا معیار کیا ہے؟۔۔۔سنو! ہم مذہبی لوگ ہیں۔ ہمارے پاس ، جس کا حکم اللہ اور اس کا رسول دے وہ خیر ہے ، اور جس سے منع کرے وہ شر۔

- سوال یہ اٹھتا ہے کہ آخر یہ شر پیدا کہاں سے ہوا ، کیا اللہ نے پیدا کیا؟۔۔۔نہیں ، ہرگز نہیں۔ اللہ تعالےٰ تو خیر ہی خیر ہے۔ اس سے شر کیوں کر پیدا ہوگا۔ بات یہ ہے کہ اس کائنات میں جو بھی اللہ سے قریب تر ہوگا وہ خیر تر ہوگا۔ اور جو دور تر ہوگا وہ شرتر۔

- یاد رکھو! ایک تعین یعنی valuation ، دوسرے تعین کے لحاظ سے شر ہے۔ جس کو شر سمجھا جا رہا ہے اس میں بھی ہزاروں خیر ہیں۔ چھوٹے شر کے خیال سے بڑے خیر کو چھوڑ دینا بھی شرِ کثیر ہے۔ نظامِ عالم پر غور کرو تو جو کچھ ہو رہا ہے وہ خیر ہی ہو رہا ہے۔ دیکھو! ایک انجینئر کی نظر میں کسی مکان کے لیے واش روم کی بھی اتنی ہے ضرورت ہے جتنی ڈرائنگ روم ور بیڈ روم کی۔ ہمارے خیال میں تو یہ تعین ، یہ value estimation ہی شر کا مرکز ہے ۔۔۔ یاد رکھو! جتنا اللہ جل مجدہٗ کی طرف بڑھوگے خیریت بڑھے گی اور شریت گھٹتی جائے گی۔

- الحاصل ، بھلائی خدا کا عطیہ ہے۔ اور بُرائی ہمارا کام ہے۔ ہر ایک کو اس کے اقتضا کے مطابق دینا بُرے سے بُرائی اور بھلے سے بھلائی کا نمودار ہونا ، سب اللہ کی طرف سے ہے۔

دیتا ہے ہر ایک کو حکیم　　جس کی جیسی طبیعت ہے

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 65 تا 67 پارہ 5 صفحہ 59 تا 62 اور پارہ 30 صفحہ 198 ، 199﴾

77- تقدیر

☆ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلاَّ عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلاَّ بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ط

اور ہمارے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں (اس میں سب کچھ ہے) مگر ہم اُتارتے ہیں (اور دیتے ہیں) تو مناسب اندازے سے۔ (سورۃ الحجر آیت 21)

دیتا ہے ہر ایک کو حکیم
جس کی جیسی طبیعت ہے
وہی نمایاں ہوتا ہے
جس کی جیسی فطرت ہے

- تقدیر کیا چیز ہے؟۔۔۔ اس مسئلہ کو یوں سمجھو کہ اللہ جان کر پیدا کرتا ہے۔اُس کی اِن معلومات میں کسی قسم کی کوئی گڑبڑ اور بد نظمی نہیں۔ یقیناً یہ سب ایک نظام کے تحت ہیں۔ اسی نظام اور حکمت کو تقدیر کہتے ہیں۔ جو کچھ ہو رہا ہے تقدیر کے مطابق یعنی ترتیب و حکمت کے ساتھ ظاہر ہورہا ہے۔

- دیکھو! تم ایک ڈرامہ سوچتے ہو تو اس کے لیے ایک کہانی بناتے ہو۔ ایک منصوبہ گانٹھتے ہو۔ یہ سب چیزیں کہاں تھیں؟۔۔۔ تمھارے علم میں۔ تم اپنے زورِ تخیل سے اپنے متفرق خیالات میں ایک نظام پیدا کرتے ہو۔ فرض کرو تم اپنی اس تخلیق میں کسی چور کو پیدا کرتے ہو تو اس سے چوری نمایاں کرتے ہو۔ اگر تم اس کردار کی صفات کے تمام پہلوؤں کو ٹھیک ٹھیک بتاؤ تو تمھارا ڈرامہ درست۔ اگر تھوڑی بھی فروگذاشت یعنی omission ہوئی تو تمھارا ڈرامہ ناقص ، بے کار اور فضول۔ اسی طرح خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ساری دنیا کو اسی صورت سے تخلیق کیا ہے۔ وہ بھی ہر ایک سے اس کے لائق اعمال ظاہر کرواتا ہے۔بعض نادان سمجھتے ہیں کہ اللہ اچھے خاصے آدمی سے چوری کرواتا ہے اور پھر سزا بھی دیتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ خدا چور کو پیدا کرتا ہے تو 'چوری' اس کے لوازم یا prerequisites سے ہے۔ اور'سزا دینا ' چوری کے لوازم سے۔ اس موقع پر تم دیکھو گے کہ تھانے والوں کا چور کو گرفتار کرنا

اس کو عدالت میں پیش کرنا ، عدالت میں اس کے جرم کا ثابت کیا جانا اور اسے سزا دینا وغیرہ ، ان سب کا ایک سلسلۂ لازم و ملزوم ہے کہ چلا جارہا ہے۔غرض ، اللہ تعالیٰ نے یہ جو ناقابلِ تغیر ترتیب دی ہے، یہی "تقدیر" ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس دنیا کے نظام میں ہمیں جو کچھ دکھا رہا ہے وہ درست اور مناسب ہے۔

- تقدیر میں دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو ، اللہ کی نسبت کو اور دوسرا ، ہماری نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بات پوری طرح ظاہر نہیں ہوتی۔ اب یہاں دو باتیں پیدا ہوئیں۔کسی بات کے پوری طرح ظاہر ہونے کے لیے ایک علت یعنی وجہ آئے گی۔ اگر اس علتِ آخر سے وہ بات تکمیل پاجائے تو وہ علت "متمم" کہلائے گی۔ اور اگراس علتِ آخر سے وہ بات ناقابلِ وقوع ہو جائے تو وہ علت "مانع" کہلائے گی۔ ایسی تقدیر جس کے تعلق سے ابھی قطعی طور سے کچھ معلوم نہ ہوسکا ہو تو وہ" قضائے معلق" کہلاتی ہے۔ اور جب متمم یا مانع کے ذریعے سے بات پوری طرح سے ظاہرہوجائے تو اسے" قضائے مبرم" کہیں گے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے سب کچھ مبرم ہے۔ يَمْحُوا اللّٰهُ ما يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِندَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا بھی ہے اور ثابت و برقرار رکھتا ہے اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب (سورۃ الرعد آیت 39)۔ تقدیر ، اصل میں ' مبرم' یعنی firm and definite ہی ہے مگر دیکھنے والے کے لحاظ سے 'معلق' یعنی uncertain and vague معلوم ہوتی ہے۔

- لوگوں کا خیال ہے کہ جب تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا تو ہم کو اختیار کہاں؟ خدا خودمقدرفرمائے اور خود ہی سزا دے۔ یہ تو 'جبرِ محض' ہے یعنی absolute oppressive action ہے---! اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ یہاں الف سے ب ، اور ب سے ج پیدا ہوا۔ ایک سلسلۂ علت و معلول (یعنی سبب اور حاصل) کا ہے کہ چلا ہے۔ یہاں کونسی قوت ہے جو کسی کام کے کرنے پر مجبور کر رہی ہے یا روک رہی ہے؟ کوئی نہیں۔ یہاں ملزوم کے ساتھ لازم کا رہنا بھی واجب ہے۔ گویا یہاں استلزام ہے ، لازم کرلینا ہے۔ اس بارے میں یہ یاد رکھنا ہوگا کہ اس سلسلے میں فاعل کا ارادہ بھی ایک اہم کڑی ہے۔ ارادے کے بعد سے آدمی مختار سمجھا جاتا ہے۔ بعض اسباب کے پیدا ہونے سے ارادے کا پیدا ہونا بھی رہتا ہے۔ بہر حال متمم علت کا لحاظ کرتے ہوئے دیکھا جائے تو کسی کو کوئی اختیار نہیں۔مگر مانع علت کے اعتبار سے دیکھیں تو اختیار معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ، حاکمِ عدالت کے پاس فاعل مختار ہے ، مجرم مختار ہے اور سزا کا سزاوار ہے۔ لیکن پورے سلسلے کو دیکھنے والا فلاسفر، فاعل کو مختار نہیں سمجھتا --- الحاصل ، انسان ارادے کے بعد مختار اور قبلِ ارادہ غیر مختار ہوتا ہے۔

- صاحبو! معترضین کو خلافِ حق جواب نہیں سوجھتا تو وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ چاہتا تو ہم ہدایت پر رہتے اور غلط کام نہ کرتے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ تم اگر تقدیر پر ایسا یقین رکھتے ہو تو عذاب کے آنے پر بھی یقین رکھو۔ دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اور دین کا کام آتا ہے تو تقدیر یاد آتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنْ ہے تو مجرموں کو سزا دینے والا بھی تو ہے۔ یہ کیا کہ جو اپنے مرضی کے موافق ہے وہاں اللہ یاد نہیں آتا مگر احکامِ خداوندی کے خلاف کرنے کے لیے اللہ کا رحم یاد آجاتا ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے مگر اس کی حکمت بھی تو ہے۔ اگر وہ قدیر ہے تو وہ حکیم اور علیم بھی تو ہے۔ اس کے لوازم سے وہ واقف ہے۔ جیسی حقیقت ہوگی ویسے ہی اس کے لوازم ہونگے۔ اللہ نے ہاتھی کو سونڈ دی اور گھوڑے کو نہ دی۔ گھوڑے کو سونڈ نہ دینا اور ہاتھی کو دینا ان کی طبیعتوں کا اقتضا یعنی اس کی demand ہے۔ اگر تمام معاملات ایک ہی قسم کے ہوتے تو اچھے بُرے کی تمیز کس طرح سے ہوتی؟ اللہ تعالیٰ کے تمام اوصاف کس طرح نمایاں ہوتے؟ --- یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو جان کر پیدا کیا ہے، نہ کہ پیدا کرنے کے بعد جانا۔ علم کا مرتبہ قدرت سے پہلے ہے۔ معلوماتِ الٰہی اور تمام چیزوں کی اقتضا کے مطابق وہ ہی تمام چیزوں کو ان کے کمالات عطا کرتا ہے۔ دنیا کی یہ رنگا رنگی اس کے مختلف صفات کے نمایاں ہونے پر موقوف ہے۔

- یاد رہے کہ حکم دو طرح کا ہوتا ہے۔ آدمی کو ایک حکم دیا جاتا ہے، مثلاً حکم ہوتا ہے نماز پڑھو مگر کوئی اس پر عمل کرتا ہے اور کوئی نہیں۔ اس کے مقابل جب خود نماز کو "کُنْ" کا حکم دیا جاتا ہے تو نماز پیدا ہوجاتی ہے۔ اور آدمی نماز پڑھ لیتا ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ آدمی کو جب نماز کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ کیوں نماز نہیں پڑھتا؟--- یہ اس کی فطرت کا اقتضا ہے۔ دراصل اس کے عینِ ثابتہ میں نماز تھی ہی نہیں۔ اچھا! جب اس کے عینِ ثابتہ میں نماز تھی ہی نہیں تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم ہی کیوں دیا گیا؟ --- نماز پڑھنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس سے اس کی طبیعت کی نافرمانی ظاہر ہو جائے۔ دنیا یہ دیکھ لے کہ یہ ناقص طبیعت کا ہے۔ اس طرح سے نافرمان طبیعت والے کو حکم تو دیا گیا مگر اس کے فعل کو موجود ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ کیونکہ اس کی طبیعت کے، فطرت کے، اس کے اقتضائے عین کے، موافق نہ تھا۔ اس کی حقیقت کے مطابق نہ تھا۔ اس کے لیے خدا پر کیا الزام لگاتے ہو۔ تم خود اپنی طبیعت کو روؤ۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَکُمْ یعنی مجھے کیا ملامت کرتے ہو اپنے نفس کو ملامت کرو (سورۃ ابراہیم آیت 22)۔

- تقدیر میں کیا لکھا ہے وہ تو ہونے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے۔ اللہ کے ارادے کا تو علم نہیں۔ تم اپنے علم کے مطابق کام کرو۔ اگر کوئی تم کو کسی طرح کا نقصان پہنچادے تو فوراً لڑنے کو تیار ہوجاتے ہو۔ اس وقت کیوں اللہ یاد نہیں آیا؟ کیوں تقدیر پر راضی نہ رہے؟ یہ جان لو کہ جھوٹے حیلے چل نہیں سکتے۔ بُرا کروگے تو اپنے کیے کی سزا پاؤ گے۔ جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ کانٹے بو کر پھل کہاں سے پاؤ گے؟ عذرِ گناہ بدتر از گناہ ، تقدیر کا عذر کرنا ہے۔ اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ تقدیر کو اپنی بدمعاشی کی سپر یعنی shield نہ بناؤ۔ عملِ صالح کرو اور اللہ سے نیک امید رکھو۔

حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 7 صفحہ 88 پارہ 8 صفحہ 47 تا 49 پارہ 13 صفحہ 81 پارہ 14 صفحہ 10 ، 11 ، 49 ، 66 ، 67 پارہ 30 صفحہ 53

تفہیمات صدیقی صفحہ 20 ، 21 ، مرأۃ التوحید صفحہ 15 تا 17

اور صدائے معرفت حق ہے راز داں کے لیے صفحہ 5 تا 8 (تالیفات حسرتؒ)

متفرقات - Miscellaneous

☆ لِيَغْفِرَلَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (سورۃ الفتح آیت 2 کا حصہ)

تاکہ اللہ تمھارے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کرے۔

- صاحبو! پیغمبر تو معصوم ہوتا ہے اور بے گناہ ہوتا ہے۔ پھر ان کے اگلے پچھلے گناہ کی معافی کے کیا معنی؟۔۔۔ دیکھو قاعدہ یہ ہے کہ جب فوجی سپاہیوں میں سے کوئی غلطی کرتا ہے تو لشکر کے سردار کو معافی چاہنا پڑتا ہے۔ اور وہ سپاہی کی خطا کو ایسا بیان کرتا ہے گویا اس کی خطا ہے۔۔۔ اسی طرح اُمت گناہ کرتی ہے اور رسولِ خدا ﷺ ، اللہ کے سامنے معافی چاہتے ہیں۔ دیکھو! بادشاہ ہر کس و ناکس کو مخاطب نہیں کیا کرتا۔ کچھ کہنا ہوتا ہے تو اپنے وزیراعظم سے کہتا ہے۔ اور بادشاہ کے پاس عذر کرنے (معافی مانگنے) والا بھی وزیراعظم ہی ہوتا ہے نہ کہ معمولی شخص۔ ایک اور بات یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کے مراتب ہر آن ، ہر لحظہ روبہ ترقی ہیں۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 26 صفحہ 46﴾

78- فطرتِ انسانی

☆ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ط

❁ اور ہم نے انسان کو مٹی سے وہ بھی متغیر مٹی سے پیدا کیا۔ (سورۃ الحجر آیت 26)

☆ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ط قَالُوْ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ط

❁ اور (اللہ تعالیٰ نے) تمام چیزوں کے نام آدم کو سکھا دیئے پھر تمام چیزوں کو فرشتوں کے سامنے رکھ دیا پھر فرمایا کہ ان کے نام بتلاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو (کہ آدم مستحق خلافت و حکومت نہیں بلکہ تم ہو)۔ ❁ (فرشتوں نے) عرض کیا، تو پاک ہے ، ہم کو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہم کو دیا۔ بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔

(سورۃ البقرہ آیت 31 اور 32)

- آدم کی فطرت ، ایسی جامعِ کمالات و اوصاف ہے کہ کوئی اس سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔ وہ حقائقِ اشیا کو جانتا ہے۔ آگ ، پانی ، مٹی ، پتھر سب اس کی حکومت اور قبضۂ قدرت میں ہیں۔ تمام حیوانات اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ تمام نباتات کھڑے اس کا منھ تک رہے ہیں۔ جمادات اس کے زیرِ قدم پامال ہورہے ہیں۔ وہ جنات کو شیشہ میں اتارتا ہے۔ عروج و ترقی کرتا ہے تو نعلین پہنے عرشِ اعظم تک پہنچتا ہے --- سرمیں ہوا بھرتی ہے تو خدائی کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ گرتا ہے تو اس حد تک گرجاتا ہے کہ "اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" (پست ترین حالت) تک پہنچ جاتا ہے۔ تلسی کی ، بڑ کے درخت کی، آگ کی ، مٹی کی ، سانپ کی ، ستاروں کی ، سب کی پوجا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ گائے ماتا کا پیشاب بھی پی جاتا ہے۔ ذرا دیکھو کہ اس کا کتنا عروج ہے---! اور کتنا نزول --- !

- صاحبو! انسان کی استعداد اور اس کی قابلیت کی کچھ انتہا نہیں۔ اس کے معلومات کی کوئی حد نہیں۔ فرشتے ہوں یا کوئی اور مخلوق ، سب کا علم محدود ہے۔ جس کام کے لیے وہ مخلوق ہوئے ہیں اسی کے لائق ان کو علم دیا گیا ہے۔ ان کا علم قابلِ ترقی نہیں بلکہ جو کچھ ہے ان کو ابتدائے خلقت ہی سے مل جاتا ہے۔ ان میں تفکر اور استنباط بالکل کم ہے بلکہ ندارد۔ جب کہ اس کے بالمقابل حضرتِ انسان غور سے مطالعہ کرتے ہیں۔ ہوشیاری سے ترکیب و تحلیل (plan & execute) کرتے ہیں۔ جزئیات و کلیات کے استخراج یعنی analyses کرتے ہیں۔ اور پھر تحصیلِ نتائج یعنی conclusions نکالتے ہیں۔ کسی مرتبہ پر قناعت نہیں کرتے۔ خود محنت کرتے ہیں۔ دوسروں سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ کتاب و کتابت سے بھی کام لیتے ہیں۔ مادیات یا روحانیات ، جن کے پیچھے لگ پڑتے ہیں کچھ نہ کچھ حاصل کیے بغیر نہیں رہتے۔ انسان نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر رہا ہے اور کرے گا وہ سب ، حقیقتِ انسانیہ کی تفصیل ہے۔ دادا کی قابلیتیں ، پوتوں سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ ہمارے تمام کمالات کا سرچشمہ، بابا آدمؑ ہیں۔

- اللہ تعالیٰ نے جب انسانوں ، فرشتوں اور جنات سب کا علمی امتحان کیا تو کون کامیاب ہوا۔۔؟ یہ خاک کا بنا ہوا پُتلا ، انسان۔ یعنی آدم علیہ السلام۔ شیطان اس علمی امتحان کے مقابلہ میں ہار گیا۔ آگ سے بنا تھا۔طبیعت میں شر و فساد بھی تھا۔ اپنی ذات کی لطافت کا دعویٰ کرنے لگا۔ اور خود کو انسان سے افضل ثابت کرنا چاہا۔ اس نادان کو یہ معلوم ہی نہیں کہ انسان میں اگر خاک ہے تو آگ کب نہیں ۔۔؟ انسان میں جامعیت ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا مظہرِ تام (perfect exhibit) بن سکتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فرمایا ہے یعنی اپنی روح اس میں پھونک دوں (سورۃ صٓ آیت 72)۔ یوں انسان میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف و کمالات کے تماشے بھرے پڑے ہیں۔ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ، اور خود تمھاری ذات میں (اس کی قدرت کے کرشمے ہیں) کیا تم بصارت و بصیرت سے کام نہیں لیتے۔۔؟ (سورۃ الذٰریٰت آیت 21)۔

کونسی شئے ہے نہیں جو مجھ میں
اک طلسمات کا پتلا ہوں میں

- انسان کے جسم کا ، مٹی سے پیدا ہونا ، ظاہر ہے۔ اور اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی ذلت کی حالت پر غور کرے کہ ہم کیا تھے؟ اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو کیسا خوبصورت بنا دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں

کہ انسان کی ابتدائی حالت باریک باریک اجزا سے ہے جس کو هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (منتشر گردوغبار) کہتے ہیں۔ یہ اجزا آپس میں قریب ہوتے گئے اور ایک نرم اور ڈھل ڈھلا ، hazy سا جسم پیدا ہوا ، جس کو nebula کہتے ہیں۔ (ایک نظریے کے مطابق ہمارے نظام شمسی اور دیگر سیارگان کی تشکیل ان ہی nebulae میں بتدریج تبدیلی کے سبب عمل میں آئی۔ یہ Nebular Theory کہلاتی ہے۔ مرتب)۔ nebula ایک گرم اور روشن حالت ہے۔ اس میں پہلے ہوا اور گیس کی صورت پیدا ہوئی۔ پھر پانی اور مائع کی حالت پیدا ہوئی۔ پھر جامد اور مٹی کی صورت پیدا ہوئی۔ پھر زمین اور پتھر کی باری آئی۔ پھر مٹی میں نشوونما ہوئی تو نباتات بنے۔ پھر حیوانات کا ابتدائی مرحلہ، sponge اور leech ہیں اور انتہائی درجہ ،لنگور اور گوریلا ہے۔ پھر انسان کا ادنیٰ درجہ 'جاہل بچہ' ہے اور اس کا انتہائی درجہ 'پیغمبر' ہے۔

- آج کل یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ کیا بندر ترقی کر کے انسان بنا ہے ، یا مٹی پر آفتاب اور دیگر ستاروں کے نور کے پڑنے سے انسان وجود میں آیا ہے؟ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بیشتر کیڑے ، مَیل کچیل یا گندگی کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو! ہم کو ان سب بحثوں سے کوئی غرض نہیں ہونا چاہیے ۔۔۔ انسان صرف یہ جان لے کہ وہ مٹی کا بنا ہوا ہے خواہ اس کی یہ تشکیل ، حالات بدل بدل کر، اسی مٹی پر مختلف انوار کے پڑنے سے ہوئی ہو۔ چناں چہ مٹی سے بنا ہوا یہ انسان خاکساری اختیار کرے۔ وقار اور متانت سے رہے۔ اور بس ۔۔۔!

❊ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 67 تا 69 اور پارہ 14 صفحہ 13 ، 14 ، 15 ، 21 ❊

متفرقات - Miscellaneous

☆ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے سے آدمی موحد تو ہوجاتا ہے مسلمان نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے اثرِ صحبت سے مورتی پوجنے والے بھی اعتقاداً توحید کے قائل ہوتے جارہے ہیں اور مورتیوں کے متعلق تاویلات کرنے لگے ہیں۔ یہ مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے۔ یہ مُحَمَّدٌ کا کلمہ اللہ اور نسبتِ رسالت کا بیک وقت تصور پیش کرتا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر جس کا خاتمہ ہوا اس کا اللہ کے نام پر ہی خاتمہ ہوا۔ کیونکہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں آخر اَللّٰهِ ہے۔

❊ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 30 صفحہ 140 ❊

متفرقات - Miscellaneous

☆ صاحبو! دنیا میں عصبیت مختلف نسبتوں سے پیدا ہوتی ہے۔ بعض وطن کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ ہندوستان کا رہنے والا ہندوستانی ، عربستان کا رہنے والا عرب۔ بعض کو زبان سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ مثلاً امریکن اور انگریز ، انگریزی زبان کی وجہ سے ایک سمجھے جاتے ہیں۔ بعض میں عصبیت ، رنگ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جیسے امریکہ میں کالے بھی ہیں اور گورے بھی۔ مگر کالے کالے الگ سمجھے جائیں گے اور گورے گورے الگ۔ اسلام میں قومیت اور عصبیت بہ اعتبارِ تہذیب اور تقویٰ کے ہے۔ بہ اعتبارِ مذہب کے ہے۔ مسلمان مسلمان ایک قوم کے ہیں۔ چاہے کالے ہوں یا گورے ، عرب ہوں یا پاک و ہند کے ہوں۔ اسلام میں ، بزرگی کا معیار ، پرہیز گاری ہے۔ جو اچھے کام کرے گا وہ اچھا ہے۔ یہاں " برہمن اچھے اور باقی سب بُرے" کا مسئلہ نہیں ہے۔ نہ ہی" انگریز اچھے اور دوسری قومیں بُری " کا مسئلہ ہے۔ بلکہ ایک مراکو میں رہنے والا مسلمان ایک چینی مسلمان کا بھائی ہے۔ ایک انگلستان میں رہنے والا مسلمان ، ہندوستان میں رہنے والے مسلمان کا بھائی ہے۔ ان میں سے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے ، وہی اچھا ہے۔ سید ، شیخ ، مغل ، پٹھان سب تعارف اور پہچان کے لیے ہیں۔ سادات کو سمجھنا چاہیے کہ میں اگر اچھے کام کروں گا تو سید رہوں گا۔ اگر بُرے کام کروں گا تو کیسی سادات ۔۔۔؟ شیخوں کو بھی سمجھنا چاہیے کہ ہم صحابہؓ کرام کی اولاد ہونے سے کچھ بزرگ نہیں ہوجاتے۔ بزرگی ، علم و عمل سے ہے۔ علم و عمل نہیں تو بزرگی بھی نہیں۔ گزشتہ لوگوں کو علم تھا اور وہ نیک کام کرتے تھے۔ ان کو دین کا علم تھا اور علم کے مطابق عمل کرتے تھے۔ وہ بزرگ بھی سمجھے جاتے تھے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ سورۃ الحجرات کی آیت 13، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (یقیناً اللہ کے پاس وہی زیادہ بزرگ ہے جو خدا ترس ہے ، God-fearing ہے) کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں۔ یہ اسلام کا بنیادی فلسفہ ہے۔ اس کو پیشِ نظر نہ رکھنے سے ساری تباہی ہورہی ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 26 صفحہ 91 ، 92 ﴾

79 - خطرات

☆ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ ط

(میں اپنے رب کی پناہ لیتا ہوں) وسوسے (اور خطرات ڈالنے) والے شر سے ، جو پیچھے ہٹ جائے۔ (سورۃ الناس آیت 4)

- سالک (اللہ کا قرب چاہنے والا) جب راہِ حق میں قدم رکھتا ہے اور نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے اور ذکر و شغل کے ذریعہ اپنے لیے تہذیبِ نفس یعنی self-refinement کا خواہش مند ہوتا ہے تو اس کے دونوں دشمن یعنی شیطان اور خود اس کا اپنا نفس ، جو گھات میں بیٹھے ہیں اس کو راہِ حق سے پھیرنے اور نیک عمل سے روکنے میں کوشاں ہوجاتے ہیں۔ یہی خطرات ہیں۔

- وسوسہ دل میں آتا ہے لیکن وہ چلا بھی جاتا ہے تو اسے ' خطرہ ' کہتے ہیں۔ مگر جب کسی چیز کا پختہ ارادہ کرلیتے ہیں تو پھر وہ خطرہ نہیں رہتا بلکہ ' عزم ' بن جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ خطرہ قابلِ معافی ہے لیکن عزم ناقابلِ معافی۔ اگر کسی نے عزم تو کیا لیکن بعد میں کچھ واقعات ایسے مانع آگئے کہ اس کے اس عزم کو عملی جامہ نہ پہنایا جاسکا تب بھی وہ عزم قابلِ گرفت ہے۔ مگر ایسا ارادہ جس پر عمل بھی کیا جاتا ہے تو یہ صریحاً ' گناہ ' ہے۔ یوں دوسرے خطرے سے تیسرا خطرہ بدتر ہے۔ اس تیسرے خطرے کے لیے تو اللہ تعالیٰ ہی اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ہے۔

☆ خطرات چار قسم کے ہوتے ہیں۔

(1) خطرہَ شیطانی : اِس کا کام ہے اللہ تعالیٰ سے بدعقیدہ کرنا۔ اُس کی یاد سے روکنا۔ اور لہو و لعب میں ایسا مشغول کردینا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نہ کرسکے۔ یہ خطرہ ، بے صبری ، بے توکلی اور تقدیرِ الٰہی سے نارضامندی پر بھڑکاتا ہے۔

(2) خطرہَ نفسانی : کھانا پینا ، شادی کرنا ، اور آرام سے رہنا۔ بس یہی اِس کا مقصد رہتا ہے۔

چونکہ نفس کا مطالبہ فطری ہوتا ہے اس لیے ہزار ہٹائیں یہ خطرہ ہٹتا نہیں۔ شیطان نفس سے سازش کرلیتا ہے اور مقاصدِ نفس ناجائز وسائل سے حاصل کرنے پر اکساتا ہے۔ نفس ایک قسم کا جانور ہے۔ بہیمی صفت ہے۔ اس کو جائز، ناجائز سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ بس وہ چاہتا ہے کہ جس طرح ہو اس کا مقصد پورا کیا جائے۔ مگر نفس میں قابلِ تعریف وصف یہ بھی ہے کہ اچھی تربیت کرو تو اچھا بھی ہوجاتا ہے۔ جس چیز کی عادت ڈالی جائے پھر وہ اس کے موافق کام کرے گا۔ چند روز نماز کی عادت کیجئے۔ پھر دیکھئے کہ نماز کا وقت آیا اور نفس مستعد اور prompt ہوگیا۔ چند روز تہجد کو اٹھئے پھر ہوگا یہ کہ وقت آیا اور آنکھ کھل گئی۔

(3) خطرۂ ملکی: جس طرح شیطان، انسان کو گمراہ کرنے میں کمر بستہ ہے، اسی طرح فرشتہ نیک مشورہ دینے میں سرگرم رہتا ہے۔ یہ بُرائیوں سے روکتا ہے۔ بھلائی کو بھلائی اور بُرائی کو بُرائی دکھاتا ہے۔

(4) خطرۂ رحمانی: یہ الہاماتِ ربانی ہیں۔ اس خطرے سے اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ رضا و تسلیم کی عادت ہوتی ہے۔ ایمان قوی ہوتا ہے۔

- شیطان کے اور نفس کے خطرات کی وجہ سے 'نفسِ امارہ' پیدا ہوتا ہے۔ خطرۂ ملکی کے سبب وہ 'نفسِ لوامہ' ہوجاتا ہے۔ خطرۂ رحمانی، معارفِ الٰہیہ سے مالا مال کردیتا ہے۔ اس وقت وہ 'نفسِ مطمئنہ' بن جاتا ہے۔ خطرۂ رحمانی دل میں ایسے آتا ہے جیسے مالک اپنے مکان میں اطمینان سے داخل ہوتا ہے۔ جب کہ شیطانی خطرہ، دل میں ایسے آتا ہے جیسے چور کسی بادشاہ کے محل میں گھسے۔ یعنی ایک قدم آگے بڑھتا ہے اور پھر ڈر کر پیچھے ہٹتا ہے۔ یہی معنی ہیں "اَلْخَنَّاس" کے۔

- شیطانی و نفسانی خطرات سے بچنے کا ایک اہم اور بنیادی اصول "نظر برقدم، خلوت در انجمن" ہے۔ یعنی ہمیشہ نیچی نگاہ رکھو، اِدھر اُدھر نہ دیکھو۔ یاد رکھو انسان کی صورت میں بڑی دلکشی ہے۔ جس کو دیکھوگے اس کی صورت آنکھوں سے دل میں آجائے گی۔ چاروں طرف دیکھتے رہوگے تو دل پریشان ہوجائے گا۔ پھر خاطر جمعی (satisfaction) کہاں سے حاصل ہوگی۔ انسان کی صورت آفت ہے، قیامت ہے۔ فقیر کہتے ہیں کہ انسان کا سر، تصویرِ رحمٰن ہے۔ ساتوں صفات اسی میں ہیں۔ حیات اس میں ہے۔ علم اس میں ہے۔ سب تو سب اُنس و محبت بھی اسی میں ہے۔

لال ڈورے ہیں بند پائے نظر
صید کرتی ہیں یار کی آنکھیں

چند روز اپنی نظر کی حفاظت کرو اور دوسروں کی نظر سے بچو۔ جب دل ایک نقطہ پر قائم ہوجائے تو حقیقت سامنے آجائے گی۔ پھر کوئی چیز نقصان دِہ نہیں ہوگی۔ غیریت (یا بیگانگی) نہ رہے گی تو پریشانی کیوں کر آئے گی۔ جس کو دیکھوگے عینیت (یا اپنے پن) کی عینک سے دیکھو گے۔

- دیکھو! ایک اور چیز ہے۔ قِسم قِسم کے کھانے نہ کھاؤ۔ یہ کھانوں کی رنگا رنگی، خیالات میں پراگندگی لاتی ہے۔ سوچو کہ 'مرکب کھاوگے تو توحید کہاں سے پاوگے؟' --- پلاؤ خود مرکب ہے۔ اس کے ساتھ شیرمال، قورمہ، دَم کا گوشت، تلا ہوا مرغ، تلی ہوئی مچھلی اور کباب وغیرہ ہیں تو دوسری طرف فیرنی، پڈنگ، خوبانی کا میٹھا اور ڈبل کا میٹھا ہے۔ آخر یہ کیا ہے---؟ آخر کتنا کھاؤ گے؟ پیٹ میں کچھ سانس لینے کے لیے تو جگہ چھوڑو --- ایک صاحب سے کہا گیا کہ کھانا بہت کھا چکے ہو اب کچھ چورن کھالو۔ جواب دیتے ہیں چورن کے لیے جگہ ہوتی تو اعظم شاہی میٹھا نہ کھا لیتا ---!

- دفعِ خطرات میں یہ بھی ایک مجرب (tried & proven) صورت ہے کہ تمھیں کیسا ہی بے ضرورت خیال آئے، بے وقت آئے، بے کار سے بے کار خیال ہی آجائے، تو وقت کی ضرورت کے نام پر کسی موافق اور اچھے خیال کو طلب کرو۔ اور خود کو بُرے خیال سے بچانے کی دعا کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ، تم مجھ سے دعا کرو میں اس کو قبول کرتا ہوں (سورۃ المومن آیت 60)۔

☆ علاوہ ازیں، دفعِ خطرات کے مزید مجرب طریقے درج ذیل ہیں۔

(1) جب خطرات کثرت سے آئیں تو اپنی حالت کو بدلو۔ یعنی بیٹھے ہوئے ہو تو کھڑے ہوجاؤ۔ کھڑے ہو تو چلو یا بیٹھ جاؤ۔ اس کا اصلِ اصول "حرکت" ہے۔

(2) جب تمھارے دل میں کوئی خطرہ آئے تو خیال میں اس سے بھاگو۔ تھوڑی دیر میں خطرہ پیچھے رہ جائے گا۔ اور تم اس سے نکل جاؤ گے۔ دوسری صورت یہ بھی ہے کہ تخیل میں یہ سمجھو کہ خطرہ مجھ سے بھاگ رہا ہے۔ اس سے بھی خطرہ رفع ہوجائے گا۔

(3) کوئی خطرہ آئے تو تم کہو کہ "آپ ہم کو یوں پریشان کریں گے تو پھر ہم کو پناہ کہاں ملے گی"۔

(4) سانس کو زور زور سے باہر کی جانب چھوڑو۔

(5) جب خطرہ آئے تو بعض لوگ یہ کہتے ہیں۔" اچھا آپ تشریف لائے ہیں۔۔! آپ لاکھ صورتیں بدل بدل کر آئیں لیکن میں تو آپ کو پہچانتا ہوں"۔

جس رنگ میں آؤ کچھ نہیں ہے پرواہ
اس ناز و ادا سے تم کو پہچانتا ہوں

(6) سورۃ ابراھیم کی آیت 19 اور 20 سے اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ وَ یَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ط وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیۡزٍ ط (اگر وہ چاہے تو تم کو نیست و نابود کردے اور ایک نئی مخلوق کو لائے۔ اور یہ خدا پر کوئی دشوار نہیں) پڑھنے سے بھی خطرات کم ہوتے ہیں۔

(7) یا سورۃ النساء کی آیت 78 سے قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ط (کہدو! یہ سب خدا کی طرف سے ہے) پڑھیں۔

(8) یا سورۃ الرعد کی آیت 28 ، اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ تَطۡمَئِنُّ قُلُوۡبُهُمۡ بِذِكۡرِ اللّٰهِ ، اَلَا بِذِكۡرِاللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ط (وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اور ان کا دل یادِ خدا سے مطمئن رہتا ہے ، یاد رکھو کہ دلوں کو صرف یادِ خدا سے اطمینان نصیب ہوتا ہے) پڑھ کر اللہ کا ضرب دل پر لگائیں۔

(9) اس کے علاوہ یَا قَهَّارُ کے پڑھنے سے بھی وساوس جل جاتے ہیں۔ مگر اسے کسی عالم سے اجازت لے کر پڑھنا چاہیے۔ ورنہ اختلاجِ قلب (heart trouble) ہو جاتا ہے۔

(10) یَا خَلَّاقُ ، یَا فَعَّالُ ، اور یَا مُصَوِّرُ پڑھیں۔

(11) اکثر حضرات کو تخیلات کی بُری عادت رہتی ہے۔ اس کے لیے انھیں ، آنے والے دو دنوں کا ایک تفصیلی نظام العمل طے کرلینا چاہیے۔ اگر کسی تصفیہ شدہ بات کا خیال آنے لگے تو دل میں کہیں کہ "بے فائدہ پھر وہی خیال کیوں آیا"؟

(12) جہاں کوئی یہ خیال آئے کہ مجھے یہ چاہیے تو فوراً اس کو دعا میں تبدیل کرلیں۔ دعا ، مخ العبادۃ ہے۔ فوراً خطرات بند ہو جائیں گے۔

(13) مگر سب طریقوں سے بہتر وہ طریقہ ہے کہ جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ ہے استعاذہ۔ استعاذہ بھی دعا ہے اور دعا ، مخ العبادۃ۔ بندے ہو تو اپنی کسی قوت پر اعتماد نہ کرو۔ لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ،کہہ کر اپنے مالک کی پناہ میں آجائیں۔ وہ تم کو بالکل کافی ہے۔ وہی مستجب الدعوات ہے۔ اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لوگے تو تم کو کون ستا سکتا ہے؟ تم کو کون گمراہ کر سکتا ہے؟

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 63 پارہ 30 صفحہ 204 ، 205 اور کتابچہ نظام العمل فقراء صفحہ 18 تا 22 مولفہ حسرت ؒ

80 - قصص القرآن

☆ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۔ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ط

ان کے قصوں میں اہلِ دانش و بینش کے لیے عبرت ہے۔ یہ من گھڑت باتیں نہیں ہیں بلکہ ان واقعات کی (یہ قرآن) تصدیق ہے جو ان کے سامنے ہے اور ہر شئے کی تفصیل ہے اور ایماندار لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے۔ (سورۃ یوسف آیت 111)

- قرآن شریف میں حضرت آدمؑ ، دادی حوا و ابلیس کا قصہ اور ہابیل قابیل کا واقعہ مذکور ہے۔ اس میں حضرت نوحؑ و ابراہیم و اسمٰعیل و لوط و اسحاق و یعقوب و یوسف علیہم السلام کے قصص موجود ہیں۔ اس میں حضرت صالحؑ و قومِ ثمود ، حضرت شعیب و اہل مدین و ایکہ ، حضرت داؤد و سلیمان و موسیٰ و ہارون کے حالات بھی ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس کتاب میں فرعون و ہامان ، بنی اسرائیل اور قارون وغیرہ کے قصے بھی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان سب واقعات میں ہمارے لیے قدم قدم پر نصیحت اور عبرت ہے۔ اسی واسطے ان تمام قصص کو اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ پر بیان فرمایا ہے۔

☆ آدم علیہ السلام کے قصص سے ہمیں فضیلتِ علمی کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ساتھ ہی یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ انسان ، خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس سے بھی غلطی کا سرزد ہوجانا ممکن ہے۔

☆ ابلیس کے تذکروں سے اس کا تکبر ہم پر عیاں ہوتا ہے۔ اپنی خیالی برتری کی وجہ سے شیطان کا دوسروں کو ذلیل سمجھنا ، حتیٰ کہ اس کا اللہ کے حکم کو بھی نہ ماننا اور سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ بھی غلطی کرتا ہے (کہ وہ اعلیٰ [ناری] کے رہتے ادنیٰ [خاکی]کو حکومت و عزت دیتا ہے)۔ خدائے تعالیٰ ان قصوں کے ذریعے آدمیوں کو عبرت دلاتا ہے۔ غور کرلو! دنیا میں صبح سے شام تک یہی کچھ تو ہوتا رہتا ہے۔

☆ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ قرآن شریف میں جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ فرعون نے نجومیوں سے سن لیا تھا کہ ایک شخص پیدا ہوگا جو بنی اسرائیل کی تائید کرے گا۔ قومِ فرعون کے مظالم سے ان کو بچالے گا۔ اور فرعون کو غرقِ دریا کر دے گا۔ اس پیش گوئی پر فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔ مگر وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ موسیٰ پیدا ہوتے ہی ان کی والدہ کو اللہ تعالیٰ الہام فرماتا ہے کہ بچہ کو صندوق میں ڈالو اور اس صندوق کو دریائے نیل میں چھوڑ دو۔ والدۂ موسیٰ اپنے پر ہونے والے الہام کی تعمیل کے لیے تیار ہوجاتی ہیں اور بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیتی ہیں۔ فرعون کا شاہی محل دریائے نیل کے کنارے تھا۔ وہ صندوق، فرعون کے گھر میں پہنچتا ہے۔ فرعون کی بیوی آسیہ صندوق میں سے موسیٰ کو اٹھا لیتی ہے۔ بچہ چونکہ بہت خوبصورت تھا اور آسیہ لاولد، چنانچہ وہ تائیدِ ربانی سے فرعون سے کہتی ہیں کہ میں اس بچہ کو adopt کرلیتی ہوں۔

- موسیٰ، فرعون کے گھر میں پرورش پاتے ہیں۔ جس کے قتل کی خاطر ہزاروں بنی اسرائیل کے بچے مارے جاتے ہیں، وہی فرعون کے گھرمیں پرورش پا کر بڑے ہوتے ہیں۔ فرعون کی قوم قبطی تھی۔ ایک بار اس قوم کے ایک شخص کی بنی اسرائیل کے ایک شخص سے لڑائی ہوجاتی ہے۔ قبطی، اسرائیلی کو مارتا ہے۔ اسرائیلی، موسیٰ سے مدد طلب کرتا ہے۔ قبطی کا ظلم موسیٰ سے دیکھا نہیں جاتا۔ وہ قبطی کو ایک گھونسہ مار دیتے ہیں۔ اس کو مار ڈالنا موسیٰ کا مقصد نہ تھا۔ مگر پیغمبر کے گھونسے کی قبطی کیا تاب لاسکتا۔ ایک ہی گھونسہ میں مرگیا۔ حضرت موسیٰ کو خوف ہوا کہ اس قتل کی وجہ سے شاہی سپاہی مجھے گرفتار کرلیں گے۔ چنانچہ وہ وہاں سے بھاگ کر مدین چلے جاتے ہیں۔ یہاں شعیب علیہ السلام تھے۔

- موسیٰ، ایک کنویں کے کنارے درخت کے نیچے جا بیٹھتے ہیں۔ شعیبؑ کی لڑکیاں، پانی لینے آتی ہیں۔ موسیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ تم چپکی کیوں کھڑی ہو۔ وہ کہتی ہیں کہ "پانی نکالنے کے لیے ابھی چرواہے نہیں آئے اور ہم اس بڑے ڈول سے پانی نہیں نکال سکتے"۔ اس پر موسیٰ خود کھڑے ہوجاتے ہیں اور شعیبؑ کی بکریوں کو پانی نکال کر سیراب کردیتے ہیں۔ شعیبؑ کی لڑکیاں اپنے والد سے موسیٰ کا واقعہ بیان کرتی ہیں۔ شعیبؑ، حضرت موسیٰ کو اپنی صاحبزادی کے ذریعے بلواتے ہیں۔ موسیٰ ان صاحبزادی سے کہتے ہیں کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو اور راستہ بتاؤ۔ جب موسیٰ، حضرت شعیب کے پاس پہنچتے ہیں تو آپ کی صاحبزادی، موسیٰ سے اس قدر متاثر ہوتی ہیں کہ اپنے والد سے سفارش کرتی ہیں کہ یہ شخص بڑا ہی قوی اور امانت دار ہے، اس کو اپنے پاس نوکر رکھ لیں۔ چناں چہ 10 سال کے لیے معاہدہ طے پاجاتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے یہ 10 سال گذر جاتے ہیں۔ جس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی شادی

شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی ، بی بی صفورہ سے ہوجاتی ہے۔

- خدمت کی مدت ختم ہونے کے بعد موسیٰؑ اپنی اہلیہ کو لے کر نکلے۔ دورانِ سفر رات کا ٹھنڈا وقت تھا اور آگ تاپنے کی ضرورت پڑگئی۔ آپ آگ کی تلاش میں نکلے۔ ہمہ تن متوجہ تھے اور خیال ایک ہی نقطہ پر قائم تھا کہ اچانک ایک طرف آگ نظر آئی۔ اس کے لینے کے لئے چلے۔ وہ آگ نہ تھی۔ تجلّیٔ الٰہی تھی جو اس رنگ میں ظاہر ہوئی۔ آواز آئی " میں تیرا خدا ہوں ، یہ مقدس وادی ہے ، اپنے نعلین اتار دے "(سورۃ طٰہٰ آیت 12) ۔۔۔ اور پھر ان کو پیغمبری مل گئی۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال

کہ آگ لینے کو جائیں ، پیمبری مل جائے

- موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا " اللہ کے سوا سب اس کے بندے ہیں ۔ اللہ کو نہ بھول۔ اپنی سلطنت پر نہ پھول"۔ اللہ تعالٰی نے موسیٰؑ کی پیغمبری کے لیے دو معجزے عطا کیے۔ ایک تو آپ اپنے ہاتھ سے عصا زمین پر ڈال دیتے اور وہ سانپ بن جاتا۔ اس کو پتھر پر مارتے تو اس میں سے پانی کے چشمے بہہ نکلتے۔ دوسرا معجزہ یہ تھا کہ اپنا ہاتھ بغل میں رکھ کر نکالتے تو وہ نہایت روشن ہوجاتا۔ فرعون نے ان سب کو موسیٰؑ کی ساحری سمجھا۔ فرعون نے ساحروں اور اپنے یاروں و مددگاروں کو جمع کیا۔ ساحروں نے اپنی اپنی رسیاں اور دوسری سحر کی چیزوں کو ڈالا۔ موسیٰؑ نے ، حکمِ الٰہی سے ، اپنے عصا کو بھی ڈالا ، جس نے تمام رسیوں وغیرہ کو نگل لیا۔ ساحر ، چونکہ صاحبِ فن تھے اس واسطے انھوں نے موسیٰؑ کے معجزے کو انسانی قوت سے باہر سمجھا اور فوراً ایمان لے آئے۔ البتہ فرعون اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا۔ موسیٰؑ ، بنی اسرائیل کو لے کر ایک جگہ جمع ہوگئے۔ فرعون اور اس کے لشکر نے ان کو مار ڈالنے کے خیال سے ان کا تعاقب کیا۔ راستہ میں دریائے نیل یا بحیرۂ قلزم تھا۔ موسیٰؑ نے اپنے عصا سے پانی کو مارا۔ اِدھر کا پانی اِدھر ، اور اُدھر کا پانی اُدھر کھڑا ہوگیا۔ اور وہ اپنی اُمت کے ساتھ اس میں سے پار نکل گئے۔ فرعون اور اس کے پیروؤں نے ان کا تعاقب کیا۔ اس موقع پر دونوں جانب کا پانی مل گیا اور فرعون اور اس کے پیرو غرق ہوگئے۔

- موسیٰ علیہ السلام کے اس قصے سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً مادرِ موسیٰ کا صاحبِ الہام ہونا عورتوں کو جرأت دلاتا ہے کہ وہ محنت کریں گی ، اللہ کی یاد کریں گی تو وہ بھی صاحبِ الہام ہوسکتی ہیں۔ موسیٰؑ کی والدہ کا یقین اور اللہ پر اعتماد بھی کیسا ہے کہ اکلوتے بیٹے کو صندوق میں ڈال کر ندی میں بہا دیا! جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں ان کی اولاد کو اللہ ضائع نہیں کرتا۔ فرعون جیسے سرکش بادشاہ

کے گھر میں اس کی بیوی کیسی نیک اور اچھی نکلی۔ ان قصص میں عبرت یہ بھی ہے کہ ظالم کی ناؤ کبھی پار نہیں لگتی۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے ڈھیل دینے سے آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور جو جی میں آیا کر گذرتے ہیں۔ ایک فرعون پر ہی موقوف نہیں ، آج کے نادان بھی خود کو مختارِ کل سمجھتے ہیں۔ آج کے بڑے حاکم بھی اپنے کو ڈکٹیٹر سمجھتے ہیں۔وہ ظلم و ستم کو اپنی حکومت کے لوازم جانتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے پاس دیر ہے اندھیر نہیں۔ اس قصے میں مسلمانوں کے لیے تسلی بھی ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ تم صبر کرو ، اللہ آخر کار تم کو غالب کردے گا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ یعنی عنقریب ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ ان کا کیسا انجام ہونے والا ہے (سورۃ الشعراء آیت 227)۔ مزید یہ کہ ایک نقطہ پر خیال قائم ہوجائے تو عالمِ بالا سے ربط پیدا ہوجاتا ہے۔ خیال کی پریشانی ہی عالمِ مثال کے کھلنے سے روکتی ہے۔ یہاں آگ کا تو ایک بہانہ تھا۔ مقصود ، وحدتِ خیال تھا۔

☆ مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کچھ عرصہ تک بنی اسرائیل کا کام درست رہا۔ جب ان کے اخلاق و عادات بگڑ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایک کافر بادشاہ ، جالوت نامی کو ان پر غالب کردیا۔ اور بنی اسرائیل نے بھاگ کر بیت المقدس میں پناہ لی۔اسماعیل علیہ السلام اس وقت پیغمبر تھے۔ بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کیا جائے۔ تاکہ وہ جہاد کرسکیں۔ پیغمبر نے طویل القامت ساؤل کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ وہ مالدار نہ تھے مگر اللہ نے ان کو علم و ہنر اور زور و قوت عطا کی تھی۔لیکن ان کی ناداری کے سبب وہ بنی اسرائیل کی آنکھوں میں نہ جچے۔ پیغمبر نے فرمایا کہ معیارِ سلطنت ، علم و قوت ہے نہ کہ دھن دولت۔ مگر کج بحث بنی اسرائیل کو پیغمبر کے کہنے پر بھی تشفی نہ ہوئی۔ اور واضح دلیل کی استدعا کی۔ پیغمبر کی دعا سے وہ صندوق جس میں موسیٰؑ اور ہارونؑ وغیرہ کے تبرکات تھے ، پھر مل گیا۔ طالوت نے جالوت پر فوج کشی کی۔ موسم بہت گرم تھا۔ طالوت کے لشکر میں داؤدؑ کے والد اور ان کے 6 بھائی تھے۔ داؤد علیہ السلام چھوٹے قد کے تھے اور بکریاں چراتے تھے۔مگر طالوت نے ان میں بہادری کے آثار دیکھ کر جالوت کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ جالوت زرہ بکتر سے آراستہ تھا۔صرف اس کی پیشانی خالی تھی۔ داؤدؑ نے فلاخ یا گوپھن میں پتھر رکھ کر اس کی پیشانی ہی پر تاک کر مارا۔ نشانہ کارگر تھا ، اور جالوت نقشِ زمین۔اس کے بعد داؤد علیہ السلام کی شادی طالوت کی لڑکی سے ہوگئی۔اور طالوت کے بعد وہ بادشاہ بھی ہوئے۔اور پیغمبر بھی۔ یہ خدا کا انتظام ہے۔ ظالموں کو برباد کرنا ، خدا کا کام ہے۔ اس کا فضل نہ ہو تو دنیا تباہ و برباد ہوجائے اور سب کچھ درہم برہم۔

- بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ یونس علیہ السلام کی قومِ نینوا ، علاقہ موصل میں رہتی تھی۔ یہ لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ حضرت یونس نے انہیں ایمان لانے کا حکم دیا۔ مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ آپ نے انھیں عذاب کی خبر دی۔ انھوں نے آپس میں کہا کہ یونسؑ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کی۔ دیکھو! اگر وہ رات کو یہاں رہیں تب تو کوئی اندیشہ نہیں۔ ورنہ یہ سمجھ لینا ہوگا کہ عذاب آنے والا ہے۔ شب میں حضرت یونس وہاں سے تشریف لے گئے۔ صبح کو عذاب کے ہیبت ناک آثار پیدا ہوگئے۔ وہ حضرت یونس کو اپنے میں نہ پا کر اور بھی گھبرائے۔ سب نے توبہ و اسلام کا اظہار کیا۔ گریہ و زاری کی۔ سچی توبہ کی۔ پروردگار نے ان پر رحم فرمایا اور عذاب اٹھا لیا گیا۔

☆ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ یونس علیہ السلام نے اپنی امت سے فرمایا کہ تم جلد توبہ کرو ورنہ عذاب آئے گا۔ یونسؑ نے یہ فرما کر کچھ انتظار کیا۔ مگر عذاب کے کچھ آثار نمودار نہیں ہوئے۔ جب دیکھا کہ عذاب نہیں آرہا ہے تو وہ جھلاہٹ میں اپنی امت کو چھوڑ کر ساحلِ سمندر کی طرف نکل گئے۔ کشتی میں بیٹھ گئے۔ کشتی کچھ دور چلنے کے بعد ہی طوفان کے سے آثار شروع ہوگئے۔ کشتی تھپیڑے کھانے لگی۔ قاعدے کے مطابق ، قرعہ اندازی ہوئی کہ کس آدمی کو کشتی میں سے ڈھکیل دیا جائے۔ قرعہ حضرت یونس کے نام پر نکلا۔ انھوں نے کہا بے شک میں بھاگا ہوا غلام ہوں۔ مجھے ہی اتار دیا جا نا چاہیے۔ چنانچہ ان کو کشتی سے پانی میں ڈھکیل دیا گیا۔ ایک بڑی مچھلی انھیں نگل گئی۔ وہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (سورۃ الانبیاء آیت 87) پڑھتے رہے - اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کو رحم آگیا۔ مچھلی نے یونسؑ کو اگل دیا۔ مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے سبب آپ کے جسم کی کھال متاثر ہوگئی۔ جس کے لیے خصوصی طور پر اللہ نے کدو کی بیل کو اگایا ، جو ان کا جسم تندرست ہونے تک ان کے جسم سے لپٹی رہی۔ جب تن کا پوست درست ہوگیا تو آپ اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ وہ سب اپنی جلد بازی پر نادم بھی ہوئے۔

- صاحبو! حضرت یونسؑ کا یہ فعل ، دراصل محبّ اور محبوب کا راز ہے۔ اور ناز و نیاز ہے۔ خبردار اسے پیغمبر کی طرف لغزش یا گناہ سے تعبیر نہ کرنا۔ ہر پیغمبر گناہ سے پاک اور معصوم ہوتا ہے۔ کسی بھی پیغمبر سے بے ادبی ، اپنے ایمان کو غارت کردیتی ہے۔

☆ سورۃ یوسف تو "احسن القصص" ہے۔ اس میں کس قدر عبرت انگیز اور نصیحت بخش واقعات بیان کئے گئے ہیں ذرا ان پر بھی غور کیجئے۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام کو یوسفؑ پر مہربان دیکھا تو آتشِ حسد ، مشتعل ہوگئی۔ انھوں نے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے جدا کرنا چاہا۔ باپ کے سامنے جھوٹ کہہ کر سیر کرنے کے لیے اپنے بھائی کو جنگل میں لے گئے۔ وہاں ان کو ایک کنویں میں ڈال دیا۔ مگر جس کو اللہ رکھے اس کو کون چکھے؟ اللہ نے یوسفؑ کو بچا لیا۔ ان کو راستے سے گذرنے والے قافلہ والوں نے کنویں میں سے نکال لیا۔

- کنویں میں سے نکال لیے جانے کے بعد بھائیوں نے ان کو بیچ ڈالا۔ عزیزِ مصر نے یوسفؑ کو خرید لیا۔اس کے بعد یوسفؑ کا امتحان کیا گیا۔ رات دن گھر میں رہنا ، عورت کا دیا ہوا کھانا پینا ، سراپا زیر بارِ احسان رہنا ، اور پھر عورت بھی حسینہ و جمیلہ۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہو تو آدمی بچے۔ رات دن کا دیکھنا۔ عورت کی طرف سے تحریک ہو تو مرد کا بچنا بہت مشکل بات ہے۔ مگر پیغمبر زادے تھے ، پیغمبر تھے۔ ان کی پاکدامنی پر دھبہ نہ آیا۔ تنگ ہو کر قید ہونے کو قبول کرلیا۔ یوسفؑ کو اس قید خانہ میں تعبیرِ خواب کا علم عطا ہوا۔ قیدیوں میں سے دو قیدیوں نے خواب دیکھا۔ آپ نے اس کی تعبیر دی اور وہ تعبیر بالکل واقعات کے مطابق نکلی۔ جو قیدی رہا ہوا تھا اس کے دل پر یوسفؑ کی طہارت اور علم کا اثر پڑ گیا۔ قید خانہ میں یوسفؑ چپکے بیٹھے نہیں رہے بلکہ تبلیغ اور تعلیم کا کام کر رہے تھے۔ ایک بار ، شاہِ مصر نے بھی خواب دیکھا اور اس کے لیے یوسفؑ بلائے گئے۔ یوسفؑ نے سب سے پہلے دربارِ شاہی سے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ زلیخا نے بھی اپنی طرف سے تحریک کا اقرار کر کے اپنی آبرو کو محبوب کی عزت پر قربان کردیا۔ شاہِ مصر کے سامنے آپ کی بتائی ہوئی تعبیر بھی ٹھیک نکلی۔ پھر ایک بار قحط پڑا۔ یوسفؑ کی زیرِ نگرانی غلہ کی تقسیم کا انتظام کیا گیا۔ یوسفؑ کے بھائی بھی غلہ لینے کے لیے کنعان سے مصر یوسفؑ کے پاس حاضر ہوئے۔ اس موقع پر یوسفؑ نے اپنے سگے بھائی بنیامین سے ملنا چاہا۔ یعقوبؑ نے مجبور ہوکر بنیامین کو بھیجا ، لیکن اپنے فرزندوں کے ساتھ اس عہد کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ یوسفؑ کی طرح بنیامین کو کہیں چھوڑ نہ آئیں۔ بنیامین کو اپنے پاس روکنے کی نیت سے یوسفؑ نے تدبیر سے ایک شاہی پیمانہ ان کے سامان میں رکھوا دیا۔ پیمانہ ، بوری میں سے نکلنے پر ان سے پوچھا گیا کہ کنعان والوں کے پاس چور کی کیا سزا ہے؟ برادرانِ یوسف نے کہا ، چور غلام بنالیا جاتا ہے۔ چنانچہ نظربندی کے نام پر حسب قاعدہ بنیامین کو روک لیا گیا۔ یعقوبؑ کو اطلاع ہوئی کہ اس بار بنیامین

بھی نہیں ہیں تو انہوں نے دوسرے بیٹوں پر زور دیا کہ اب تو وہ کسی طور ، یوسف اور بنیامین کو ڈھونڈ کر میرے پاس لائیں۔ بالآخر کچھ دنوں بعد یوسفؑ خود ہی ظاہر ہوگئے۔ یوسف علیہ السلام کے ظاہر ہونے کے بعد بھائیوں نے اپنی خطاؤں کا اعتراف کیا اور معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا ، لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ . اللہ تم کو معاف کرے میں تم کو آج کے دن سرزنش نہیں کرتا (سورۃ یوسف آیت 92)۔

- مصر سے کنعان کی طرف یوسفؑ کی خوشخبری دینے والا قافلہ ان کا کُرتا لے کر چلا۔ یعقوبؑ کوسوں دور تھے مگر آپ نے فرمایا " میں یوسف کی خوشبو سونگھتا ہوں"۔

- دیکھو اس پورے واقعہ سے ہمیں یہ پتہ لگتا ہے کہ ہر وقت کا ، ایک حکم ہے۔۔۔یہ قدرت کے تماشے ہیں۔ جب چاہا ، جو چاہا ، دکھا دیا۔ اور جب چاہا ، جو چاہا ، چھپا دیا۔ بِيَدِكَ الْخَيْرُ۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۃ ال عمران آیت 26) ۔۔۔ اس قصہ میں عبرت بھی ہے۔تسکین و تسلی بھی ہے ، کہ جو حق پر رہتے ہیں ان کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ رحمتِ الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ بُرے کاموں کو چھوڑنا اور اچھے کاموں کو کرنا چاہیے۔ پھر کامیابی تمھارا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ظالموں کے شر سے بچالیا۔

- ہمارے سرکار دوعالم ﷺ کے حالات پر بھی غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی اسی طرح فتح مند کیا۔ انشاءاللہ ہمارے لیے بھی فتح و نصرت حاصل ہوگی۔ مگر پہلے اپنے کاموں کو درست کرو۔ اپنے عقائد میں یقین پیدا کرو۔ یاد رکھو کہ ایمان ہے تو امان ہے۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - مقدمہ صفحہ 16 ، 68 پارہ 2 صفحہ 122 ، 123 پارہ 11 صفحہ 39 پارہ 12 صفحہ 97

پارہ 13 صفحہ 37 تا 40 ، 44 ، 45 پارہ 16 صفحہ 73

پارہ 19 صفحہ 49 تا 51 پارہ 23 صفحہ 63 ، 64 اور پارہ 30 صفحہ 28 تا 30 ٭

متفرقات - Miscellaneous

☆ حضرت عیسیٰؑ کے 12 حواری تھے۔ ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح نے انھیں حکم دیا تھا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ لیکن ان 12 کی ایمانی حالت کے متعلق جو کچھ عیسائیوں کے پاس لکھا گیا ہے وہ بڑے ہی سخت الفاظ ہیں۔ کہیں ان کو کم اعتقاد کہا گیا ہے ، کہیں بے اعتقاد اور کج رو قوم۔ کہیں ان کو رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان سے محروم قرار دیا گیا ہے۔ پطرس کو جو ان سب کا سردار ہے شیطان کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ پطرس جس پر مسیحؑ نے کلیسا کی بنیاد رکھی تھی تین مرتبہ حضرت مسیح کا انکار کرتا ہے۔ اور جب لوگ کہتے کہ وہ ان کے ساتھ تھا تو جھوٹ بول کر جان چھڑاتا ہے کہ میں نہیں تھا۔ ان میں سے ایک حواری ، جس کا نام یہوداسکریوتی تھا چند روپے لے کر حضرت مسیح کو پکڑوا دیتا ہے۔ اور باقی حواری حضرت مسیح کی گرفتاری کے وقت بھاگ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے ساتھ جو وعدے کیے گئے وہ بڑے عظیم الشان تھے۔ ان 12 حواریوں کے لئے یہ وعدہ تھا کہ" جب ابن آدم نئ پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہونگے بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کروگے"۔

- قرآن کریم نے ان حواریوں کا ذکر بالتفصیل نہیں کیا۔ صرف ان کی اچھائیوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ ان کی خدمت اور نصرت کی عزت ہے۔ یہ قرآن شریف کا احسان عیسائیوں پر ہے کہ ان کے رسول کے ساتھ ان کے اصحاب کی بھی اچھائیوں کا ذکر کیا۔ کمزوریوں کا نام تک نہیں لیا۔

- کہتے ہیں کہ حواری یہوداسکریوتی نے حضرت عیسیٰؑ کی حکام سے شکایتیں کرکے پلاطوس حاکم کو ان کے قتل پر آمادہ کیا۔ جاسوس دوڑائے گئے۔ حضرت عیسیٰؑ کو ایک جگہ سے گرفتار کرکے لائے۔ اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں۔ اور ان کے قتل کے لیے بہت کچھ مکروفریب کیا۔ مگر خدا کا انتقام سب پر غالب آیا۔ اللہ نے ان ہی یہودیوں میں سے ایک کو حضرت مسیح کی صورت میں تبدیل کردیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ آسمان پر لے گئے۔ یہودیوں نے اس شخص کو مسیح سمجھ کر سولی دیدی۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 118 تا 120 ﴾

81 - آیاتِ متشابہات

☆ هُوَ الَّذِیٓ اَنزَلَ عَلَیكَ الكِتٰبَ مِنهُ اٰیٰتٌ مُّحكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔ فَاَمَّا الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِم زَیغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنهُ ابتِغَآءَ الفِتنَةِ وَابتِغَآءَ تَاوِیلِهٖ ۔ وَمَا یَعلَمُ تَاوِیلَهٗٓ اِلاَّ اللّٰهُ ، وَالرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ یَقُولُونَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّن عِندِ رَبِّنَا ۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلآَّ اُولُوا الاَلبَابِ ط

❁ وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب اتاری، اس میں محکم آیتیں ہیں، جو اللہ کی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں جن کے کئی کئی ملتے جلتے معنی ہیں۔ پھر وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں فتنہ پیدا کرنے اور من مانے معنی پیدا کرنے کے لیے۔ اوراس کے معنی (مراد و مقصود) کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں ثابت قدم لوگ کہتے ہیں. ہم کو اس کا یقین ہے کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور ان سب باتوں کو عقلمند ہی سمجھا کرتے ہیں۔ (سورۃ ال عمران آیت 7)

- واضح ہو کہ اوپر بیان کردہ آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ وَمَا یَعلَمُ تَاوِیلَهٗٓ اِلاَّ اللّٰهُ پر وقف کرتے ہیں اور وَالرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ کو الگ کرتے ہیں۔اس وقت معنی یہ ہونگے کہ' آیاتِ متشابہات کے معنی ، مراد اور مقصود کو صرف اللہ جانتا ہے اور راسخینِ علم کو بھی اس کا علم نہیں'۔ اور دوسرے حضرات اِلاَّ اللّٰهُ پر وقف نہیں کرتے بلکہ وَالرّٰسِخُونَ فِی العِلمِ پر وقف کرتے ہیں۔ اس وقت معنی یہ ہونگے کہ' آیاتِ متشابہات کے معنی ، مراد اور مقصود کو اللہ اور راسخینِ علم جانتے ہیں۔ راسخین کہتے ہیں کہ ہم کو اس کا یقین ہے اور سب اللہ کے پاس سے ہے'۔

- قرآن شریف میں بعض آیتیں ایسی ہیں جو انسانی صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ جیسے :

(1) یدُ اللّٰہِ فوقَ ایدیھِم (سورۃ الفتح آیت 10) (2) ثُمَّ استویٰ علی العرشِ (سورۃ الاعراف آیت 54)

(3) الرَّحمٰنُ علی العرشِ استویٰ (سورۃ طٰہٰ آیت 5) (4) اَللّٰہُ یستھزئُ بِھِمْ (سورۃ البقرۃ آیت 15)

(5) وغضبَ اللّٰہُ علیھِمْ (سورۃ الفتح آیت 6) (6) وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ (سورۃ ال عمران آیت 54)

بعض علماء تو اتنا کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ ان آیتوں کا مقصد و مراد صرف اللہ جانتا ہے۔ ہمارا کام صرف " اٰمَنَّا بِمُرَادِ اللّٰہِ" کہنا ہے یعنی ہم اللہ کے معنی و مقصود پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور دوسرے بعض حضرات محاوراتِ عرب پر غور کرتے ہیں اور ان کے مطابق معنی و مراد لیتے ہیں۔ مثلاً :

❁ آیت نمبر1 : خلیفہ کا فعل اصل شخص کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ جب کہ اس نے حکم دیا ہو لہٰذا یدُ اللّٰہِ فوقَ ایدیھِم کے معنی ہیں۔" پیغمبر کا ہاتھ تمام بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر ہے"۔

❁ آیت نمبر2 سے ان کی مراد یہ ہے کہ " اللہ کی حکومت قائم ہوگئی "۔ دیکھو! لوگ کہتے ہیں ، بادشاہ تخت نشین ہوگیا یعنی اس کی حکومت قائم ہوگئی۔

❁ آیت نمبر3 : ترجمہ ہے" اللہ کی رحمت اس کی حکومت سے ظاہر ہے"۔

❁ آیت نمبر4 کے معنی ہوں گے" اللہ ان کے استہزاء اور ہنسی اڑانے کی سزا دے گا "۔ کیونکہ اس سے قبل اِنَّما نحنُ مُستھزِءُوْنَ ہے یعنی" ہم مسلمانوں کو بناتے ہیں ، ان سے ٹھٹا کرتے ہیں لہٰذا اللہ ان کو اس ٹھٹا کرنے کی سزا دے گا "۔

❁ آیت نمبر 5 : غضب اصل میں خونِ دل کا بغرض انتقام جوش کرنا ہے۔ اور یہاں" انتقام" مراد ہے کیونکہ وہ غضب کا انجام ہے۔

❁ آیت نمبر 6 کے معنی اس طرح سے ہونگے۔" ان منافقین نے مکر کیا اور اللہ نے ان کو ان کے مکر کی سزا دی"۔

- دیکھو! اپنے ہاں کے محاوروں پر بھی غور کرو۔ ہم رات دن کہتے ہیں ---" ندی بہہ رہی ہے" اور اس سے مراد لیتے ہیں کہ ندی کا پانی بہہ رہا ہے۔ اسی طرح کہتے ہیں ---" اس نے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں" تو اس سے مراد لیا جاتا ہے کہ اس نے سننا نہ چاہا --- لہٰذا معنی و مراد کے لیے زبان کے محاوروں اور استعاروں کا خیال رکھنا بھی اہم ہے۔

❁ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 73 تا 77 ❁

82 - قرآنی آیات کی منسوخی

☆ مَا نَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ط

❁ ہم جو کسی نشانی کو دور کرتے یا اس کو بُھلا دیتے ہیں تو اس کے برابر یا اس سے بہتر نشانی لاتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ آیت 106 کا حصہ)

- قرآن شریف کی آیتوں اور احکام کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے۔ ان مفسرین کے اختلافات کے نتیجے میں یہ ہوا کہ بعض کے پاس آیاتِ احکام میں سے آدھے ناسخ و منسوخ ہیں۔
- حضرت علامہ ابن العربیؒ نے اس تعداد کو گھٹایا ہے۔
- حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ نے منسوخ آیتوں کی تعداد 21 مانی۔
- حضرت شیخ احمد بن عبد الرحیم (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے صرف 5 آیات تک کو منسوخ مانا۔

❁ تفسیر صدیقی میں مولانا عبدالقدیر صدیقیؒ نے ان پانچ آیتوں کی تنسیخ کے مسئلہ کو بھی رد کیا۔ (مرتب)

❁ اس بارے میں آپؒ فرماتے ہیں۔

☆ میں پہلے ان دو اہم آیتوں کے متعلق بحث کرنا چاہتا ہوں جن سے مسئلۂ ناسخ و منسوخ کے سمجھنے میں فائدہ ہوگا۔

(الف) پہلی آیت ہے : مَا نَنسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (سورۃ البقرہ آیت 106)۔ لفظ آیت کے معنی ہیں نشانی یا علامت اور اس کے معنی ، کلام اللہ کا ایک فقرہ ، بھی ہے۔ لوگ اس آیتِ شریف کے یہ معنی لیتے ہیں کہ ہم کسی آیتِ قرآنی کو منسوخ نہیں کرتے یا بُھلا نہیں دیتے ، مگر اس سے بہتر آیتِ قرآنی یا اس کے مثل آیت لاتے ہیں۔

- غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن تو اللہ کے اپنے وعدے کے مطابق اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

(سورۃ الحجر آیت 9) محفوظ ہے۔ لہٰذا اس کے اب تک لاکھوں حافظ چلے آرہے ہیں۔ پھر کب اور کونسی آیت بُھلائی گئی۔۔۔؟ قرآن شریف کی ایک آیت سے بہتر دوسری آیت لانے کے معنی سمجھنا بھی بالکل نامناسب ہے۔ لہٰذا اس کے صحیح معنی ہمارے خیال میں تو یہ ہیں کہ" ہم اپنے آثارِ قدرت ، اپنی نشانیاں اگر دور کرتے یا متغیر کرتے ہیں ، یا امتدادِ زمانہ کی وجہ سے بُھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر دوسری نشانی لاتے ہیں" ۔۔۔ دیکھو! آثارِ قدرت کے تازہ بہ تازہ جلوؤں کا سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یوں اس ترجمہ پر کوئی غبار نہیں۔ یہ آیت مسئلۂ ناسخ اور منسوخ کی اصل ہے ، جان ہے۔ قرآن شریف کو دیکھئے " اٰیَة " بہ معنی آثارِ قدرت اور نشانی سے بھرا پڑا ہے۔۔۔ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۔ فَاْتِ بِاٰیَةٍ ۔ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۔ وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۔

(ب) دوسری آیت سورۃ الکافرون کی ہے۔' لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ '۔ اس کے یہ معنی کیے جاتے ہیں کہ تم کو تمھارا مذہب مبارک ، ہم کو ہمارا مذہب مبارک۔ نہ تم ہم کو تبلیغ کرو ، نہ ہم تم کو تبلیغ کرتے ہیں۔ اور پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ، آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام تو ہمیشہ تبلیغی مذہب رہا اور رہے گا۔ اسلام میں بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ (سورۃ المائدہ آیت 67) ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ، قُمْ فَاَنْذِرْ (سورۃ المدثر آیت 1 اور 2) ہے۔ اسلام میں عدم تبلیغ کا حکم کبھی نہیں دیا گیا۔

- دیکھئے! یہاں دین کے معنی اگر جزا کے لیے جائیں تو کوئی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ جیسے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے معنی ، مالکِ روزِ جزا کے ہیں۔ لہٰذا لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ کے معنی ہیں ، تم کو تمھارے اعمال کی جزا اور ہم کو ہمارے اعمال کی جزا ضرور ملے گی۔ یوں ، یہ حکم نہ کبھی منسوخ ہوا ہے اور نہ کبھی منسوخ ہوگا۔

☆ پوری سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ کے معنی ہیں۔

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو ، اے منکرو ﴾ تم جن کی پوجا کرتے ہو ، میں ان کی پوجا نہیں کرتا۔

﴾ اور میں جس کی عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے۔

﴾ میرا طریقۂ عبادت جدا ہے۔ ﴾ تمھاری پوجا کا طریقہ علٰحدہ ہے۔

﴾ تم کو تمھارے اعمال کی سزا ہوگی اور مجھ کو میرے اعمال کی جزا ضرور ملے گی۔

☆ اب اُن پانچ آیتوں پر بحث ، جن کو حضرت شاہ ولی اللہؒ منسوخ ماننے پر مجبور ہوئے ۔

(1) كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ، حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ، فرض کیا گیا ہے تم پر ، جب تم میں سے کسی ایک کے پاس مَوت آجائے ، اگر کچھ مال چھوڑے وصیت کرنا ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے مناسب طور پر ، یہ حکم پرہیز گاروں پر لازم ہے (سورۃ البقرۃ آیت 180)۔

۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت ، حدیث" لاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ "سے منسوخ ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں بلکہ يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ (سورۃ النساء آیت 11) سے یہ آیت منسوخ ہے اور حدیث صرف اس کو بیان کرتی ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اصل یہ ہے کہ مختلف اقوام میں ترکہ کے متعلق مختلف احکام اور وصیتیں ہوتی ہیں۔ بعض کے پاس مرنے والا جس کے لیے جو وصیت کرے قابلِ نفاذ ہے۔ بعض کے پاس صرف بڑا بیٹا وارث ہوتا ہے۔ بعض کے پاس ترکہ میں عورتوں کو کچھ نہیں ملتا۔ اللہ تعالےٰ پہلی آیت میں ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ بالکل محروم نہیں ہو سکتے ، ان کے لیے کچھ وصیت ضرور کرنی ہے۔گویا یہ آیت ، وراثت کی تمہید ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ سب کے حصے مقرر فرما دیتا ہے۔ غیروارث رشتہ داروں ، جیسے پوتا (جس کا باپ مرگیا ہو) بیٹے کے ہوتے محروم ہے۔ نواسہ یا نواسی (جس کی ماں مر گئی ہو) لڑکی کے ہوتے محروم ہے۔ ان کے لیے باپ بھی ثلث مال سے وصیت کرسکتا ہے۔ مگر جن کے حصے ، اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں ان کے لیے مرنے والوں کو وصیت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس میں ناسخ اور منسوخ کی بحث ہی کیا ہے ۔۔؟ ایک آیت میں ، بعض رشتہ داروں کی اہمیت بتلائی گئی ہے۔ اور دوسری آیت میں ، ان کے حصے خود اللہ نے متعین فرما دیئے ہیں۔

(2) إِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۔ وَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا أَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ، اگر تم میں بیس صابر سپاہی ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے۔ اگر تم میں سے سو ہوں تو ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے (سورۃ الانفال آیت 65) ۔

۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بعد کی آیت سے منسوخ ہے۔ بعد کی آیت ہے، اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ

عنکم و علم انّ فیکم ضعفًا۔ فإن یّکن مّنکم مّائةٌ صابرةٌ یّغلبوا مائتین، وإن یّکن مّنکم ألفٌ یّغلبوٓا ألفین باذن اللّٰہ، وَاللّٰہُ معَ الصّٰبِرِینَ (اب خدا نے تم سے تخفیف کردی ہے۔ اسے معلوم ہوگیا کہ تم میں ضعف ہے لہٰذا تم میں کے اگر سو صابر ہوں تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب آجائیں گے بہ حکمِ خدا۔ جو لوگ صبر کرتے ہیں خدا ان کے ساتھ رہتا ہے)۔ میرے خیال میں پہلی آیت کے مخاطب وہ لوگ تھے جو فن سپہ گری میں ماہر تھے۔ ذاتی شجاعت میں ممتاز تھے۔ دل میں جوشِ ایمان تھا۔ خدا پر اعتماد تھا۔ اور دوسری آیت کے مخاطب، بعد کے لوگ تھے۔ پہلے لوگوں جیسی خصوصیات، بعد کے لوگوں میں کہاں تھی۔۔۔! لہٰذا ان کو دہ چند (دس گنا) کی بجائے دو چند (دگنا) سے لڑنے کا حکم دیا گیا۔ اس آیت کا دار و مدار، ضعف اور قوت پر ہے۔ اگر اب بھی دس مسلمان مشین گن اور بندوق سے مسلح ہوں اور سو دشمن تلوار اور لٹھ لے کر حملہ کر رہے ہوں تو اس صورت میں مسلمان قوی ہیں۔ ان کو ان سو دشمنوں سے لڑنے سے ہرگز منہ پھیرنا نہ چاہیے۔ سبب کے بدل جانے سے حکم بدل رہا ہے۔ پس ناسخ اور منسوخ کی بحث ہی کب رہتی ہے۔۔۔؟

(3) اِنفِرُوا خِفافًا وَّ ثِقالاً، جنگ کو نکل کھڑے ہو خواہ ہلکے پھلکے ہوں یا گراں بار (سورۃ التوبۃ آیت 41)۔

- لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت، آیت لَیسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ (یعنی نابینا پر کوئی حرج نہیں، اگر وہ جنگ میں حاضر نہ ہوں۔ سورۃ الفتح آیت 17) اور آیت لَیسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ (یعنی ضعیفوں پر نہیں ہے، کوئی گناہ اگر وہ شریک جنگ نہ ہوسکیں۔ سورۃ التوبۃ آیت 91) سے منسوخ ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مراد "خِفافًا" سے یہ ہے کہ ضروریاتِ جہاد، مثلاً سواری، خادمین، سامان خورد و نوش کی مقدار کم از کم موجود ہو۔ اور "ثِقالاً" سے مراد یہ کہ اشیا وافر ہوں، اب نسخ نہیں رہا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ "اِنفِرُوا" کے مخاطب عام لوگ ہیں۔ ان سے معذورین مستثنٰی ہیں۔ اور استثنا نسخ نہیں ہوسکتا۔

(4) اَلزَّانِی لاَ یَنکِحُ اِلاَّ زَانِیَةً اَوْ مُشرِکَةً وَّالزَّانِیَةُ لاَ یَنکِحُهَآ اِلاَّ زَانٍ اَوْ مُشرِکٌ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤمِنِینَ زانی نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ کو نکاح نہیں کرتا مگر زانی یا مشرک سے، اور یہ تو حرام ہے ایمانداروں پر (سورۃ النور آیت 3)۔

- مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت سورۃ النور کی آیت 32 وَاَنکِحُوا الْاَیَامٰی مِنکُمْ (نکاح کرو بے خاوند عورتوں کو) سے منسوخ ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے اس کے ظاہری معنی پر حکم دیا ہے۔ یعنی زناکار عورت سے متقی مرد کا نکاح حرام ہے، حالانکہ زانی یا مشرک اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ میں

عرض کرتا ہوں کہ مسلم عورت چاہے وہ زانیہ ہی کیوں نہ ہو مشرک اس سے نکاح نہیں کر سکتا۔ فقیر کے خیال میں اس آیت سے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ ظاہر کیا گیا ہے کہ طبعی طور پر بدکار مرد ، بدکار عورت ہی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اگر حکم امتناعی یعنی stay order ہوتا ، تو ھِیَ ہوتی اور لاَ یَنکِحْ آخر کے جزم کے ساتھ ہوتا۔ مگر قرآن شریف میں تو لاَ یَنکِحُ ، پیش کے ساتھ آئی ہے۔علاوہ اس کے جو عورت تائب ہو جائے وہ" کَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهُ "(ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہ کیا) میں داخل ہو جاتی ہے۔ یوں وہ اس آیت کے مصداق سے نکل جاتی ہے۔

(5) یَآاَیُّھا الَّذِین اٰمَنُوآ اِذا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَۃ۔ ذٰلِكَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ اَطْھَرُ۔فَاِن لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰه غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ، اے ایماندارو! جب تم سرگوشی کرنا چاہو رسول سے تو اس سرگوشی سے پہلے مسلمانوں کی کچھ مالی مدد کرو ، خیر خیرات کرو۔ یہ تمھارے حق میں بہتر ہے ، پاک تر ہے۔ اگر تم نادار ہو دینے کے لیے کچھ نہیں پاتے تو اللہ غفور و رحیم ہے (سورۃ المجادلۃ آیت 12) ۔

- شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بعد کی آیت سے منسوخ ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اس آیت سے خیرات کی فرضیت کب نکلتی ہے۔۔۔؟ اس میں تو خَیْرٌ لَّکُمْ وَ اَطْھَرُ ہے۔ خیریت و طہارتِ صدقہ ناقابلِ نسخ ہے۔ اس میں یہ بھی تو ہے کہ اگر تم نادار ہو تو اللہ غفور و رحیم ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں بعض نادان اپنی عزت اور بڑائی ثابت کرنے کے لیے آپؐ سے سرگوشی میں بات کیا کرتے جب کہ بات کچھ اہم نہ ہوتی۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کی مالی امداد کر کے خود کو پہلے صحیح ہمدرد تو ثابت کرو ، پھر پیغمبر سے سرگوشی کا ارادہ کرنا ۔۔۔ پیسہ تو ہاتھ سے نکلتا نہیں اور راز کی باتیں پیغمبر کو سنانے کا دعویٰ! بعد کی آیت میں ہے کہ اگر پیسہ خیرات نہیں کرتے تو نماز اور زکوٰۃ وغیرہ جیسے نیک کاموں ہی سے اپنے نیک ہونے کا ثبوت دو ، پھر کہیں پیغمبر سے سرگوشی کرنا۔

- صاحبو! اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کی تبلیغ کے لیے فَقُوْلاَ لَهُ قَوْلاً لَّیِّنًا ، نرمی سے گفتگو کرو (سورۃ طٰہٰ آیت 44) فرمایا۔ اسی طرح حبیب خدا ﷺ سے وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ، بہترین طریقے سے منکرین کو سمجھاؤ (سورۃ النحل آیت 125) فرمایا۔بعض مفسرین کے پاس آیتِ سیف سے ، یہ آیت اور ایسی آیتیں جو دشمنوں سے مراعات اور حسنِ کلام کا درس دیتی ہیں سب منسوخ ہیں۔میں سمجھتا ہوں ان کو خیال کرنا چاہیے کہ جنگ کا وقت اور ہوتا ہے اور تبلیغ و تعلیم کا وقت جدا۔ حسنِ کلام اور حسنِ سلوک کا حکم ہرگز منسوخ نہیں ہو سکتا۔

- اس سے زیادہ ظلم ان مفسرین کے پاس ایک اور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض آیتیں تھیں تو قرآن کی مگر ان کے پڑھنے کا اب حکم نہیں ، اور ایسی آیت کو" منسوخ التلاوت "کہتے ہیں۔ جیسے ، اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا یعنی بوڑھا اور بڑھیا زنا کے مرتکب ہوں تو ان کو سنگسار کردو۔ شادی شدہ کی سنگساری کا حکم پہلے کے مذاہب میں بھی تھا۔ اسلام نے اس کو باقی رکھا۔ مگر غیر شادی شدہ کے لیے جلدَ یعنی دُرّے مارنے کا حکم دیا۔ اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ (سورۃ النور آیت 2) میں الف اور لام ، عہدی (عہدِ خارجی یعنی جو پہلے سے معلوم ہو)ہے۔ اس سے غیر شادی شدہ مراد ہیں۔ ذرا یہ بھی تو غور کرو کہ شیخ کے معنی بوڑھے کے ہیں یا شادی شدہ کے۔۔۔؟ جوان بھی تو شادی شدہ ہوسکتا ہے اور بوڑھا بھی غیر شادی شدہ رہ سکتا ہے۔ پھر شیخ کے معنی شادی شدہ کے لینا زبردستی ہے۔ میں اس کو قرآن پر ظلم سمجھتا ہوں۔

- یاد رکھو! قرآن کے غیر محفوظ ہونے کا الزام یہود کے دَسائس یعنی سازشوں سے ہے۔ اس چکر میں بعض سادہ دل علماء آجاتے ہیں۔ قرآن شریف متواتر ہے۔ اس سے ایک لفظ زیادہ نہیں ، ایک لفظ کم نہیں۔ قرآن شریف محفوظ ہے۔ اس متواتر کے مقابلے میں کوئی روایت ، کوئی دعویٰ ، ناقابلِ اعتناء ہے اور کسی بھی توجہ کے لائق نہیں۔ جس کی اللہ خود حفاظت کرے اس میں کسی کی مقدور نہیں کہ کچھ تحریف کرسکے۔

- اللہ اِن دَسائس (Intrigues) اور اِن وَساوِس (doubts) سے مسلمانوں کو بچائے۔ آمین۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 152 تا 155 پارہ 10 صفحہ 24 تا 26 اور مقدمہ صفحہ 42 تا 52 ﴾

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ صاحبو! لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں (1) بزرگوں کو ماننے والے اور (2) نہ ماننے والے۔ بزرگوں کو ماننا اعتدال سے زیادہ ہوجاتا ہے تو بُت پرستی ہوجاتی ہے اور نہ ماننا اعتدال سے بڑھ جاتا ہے تو لامذہبی اور بے دینی بن جاتی ہے۔ اِھدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی آیت ہم کو اعتدال کی تعلیم دیتی ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 30 صفحہ 188 ﴾

83 - ترتیلِ قرآن

☆ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ

❁ یا آدھی رات سے زیادہ بھی (شب بیداری کر سکتے ہو، نماز پڑھ سکتے ہو) اور قرآن پڑھو تو ترتیل سے پڑھو (ٹھیر ٹھیر کر، گڑبڑ سے نہیں)۔ (سورۃ المزمل آیت 4)

☆ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ؕ

❁ اور ہم نے قرآن کے حصوں کو جدا جدا کیا تاکہ تم اس کو لوگوں پر ٹھیر ٹھیر کر پڑھو اور ہم نے اس (قرآن) کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔

(سورۃ الاسراء / بنی اسرائیل آیت 106)

- صاحبو! ہمارے زمانے میں تفسیر کی تعلیم ہوتی تھی۔ ترجمہ سے قرآن پڑھتے تھے۔ قرأت سے قرآن پڑھتے تھے۔ صبح ہوتے ہی، ہر گھر سے قرآن پڑھنے کی آوازیں آتی تھیں۔ بعض لوگ فاتحاؤں میں ختم کرواتے تھے۔ اب قرآن سے بالکل روگردانی ہوگئی ہے، دوری آگئی ہے۔ قرآن کا ذکر ہو تو کہیں گے کہ بے سمجھے پڑھنے سے کیا حاصل۔۔۔؟ دراصل ان کا مقصد سمجھ کر پڑھنا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کو قرآن شریف کے الفاظ سے بھی چھڑانا ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ اس کے الفاظ میں برکت ہے۔ اس کا سمجھ کر پڑھنا بھی عبادت ہے اور بے سمجھے پڑھنا بھی عبادت ہے۔ دیکھو! کوئی مفرح، یاقوتی یعنی طاقتور معجون سمجھ کر کھاؤ یا بغیر سمجھ کر کھاؤ، ہر حال میں فائدہ دے گی۔ اسی طرح سنکھیا جان بوجھ کر کھاؤ یا غفلت سے کھاؤ، نقصان دے گا۔ چناں چہ صرف الفاظ ہی اگر پڑھیں تو کم از کم قرآن متواتر تو رہے گا۔ قرآن کا تواتر اسلام کا خاصہ یعنی specialty ہے۔ کوئی شخص کسی آسمانی یا غیر آسمانی کتاب کی روایت نہیں کر سکتا۔ قرآن ہی ہے کہ 1400 برس سے اس کی برابر روایت کی جارہی ہے۔ اس کا تلفظ تک متواتر ہے۔

- جو قرآن کے پڑھنے والے ہیں ان کی بھی عام طور پر یہ صورت حال ہے کہ نہ تلفظ برابر، نہ مخرج صحیح۔ نہ مدوں کا اندازہ ہے، نہ اِخفا، اِظہار اور غنہ ہی معلوم۔ بس ایک ریل ہے کہ چلی جارہی

ہے، یا ہوائی جہاز ہے کہ اُڑا جا رہا ہے۔ اِس زمانے میں بی اے ، ایم اے ، انجینئر اور ڈاکٹر بن جاتے ہیں اور صحیح قرآن پڑھنا نہیں جانتے۔کسی کے سوئم میں انہیں قرآن خوانی کی ضرورت ہوتی ہے تو کیا پریشان ہوجاتے ہیں ---! بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں تو خوب راگ کھینچ کھینچ کر۔ ایسے حضرات قرات کو موسیقی کا مترادف (identical) سمجھتے ہیں۔ نہ صفاتِ حروف برابر نہ مخارج درست۔ واضح ہو کہ خصوصا مخارج کے بدلنے سے معنی ہی بدل جاتے ہیں۔ وہ قرآن نہیں رہتا کچھ اور چیز ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر چند روز محنت کریں اور مخارج و صفاتِ حروف ہی صاف کرلیں تو بالکل کافی ہے۔ راگ راگنی نہیں آتی ، نہ آئے۔ عرب کا لحن حاصل ہے تو ماشاءاللہ۔

- جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ، قرآن شریف کا اگر صحیح تلفظ نہ کیا جائے تو معنی کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں۔مثال کے طور پر ہم سورۃ الفاتحہ کو لیتے ہیں۔ دیکھیں اَلحَمْدُ لِلّٰہِ کی جگہ پر اگر اَلْھَمْدُ لِلّٰہِ (یعنی الحمدُ کی ح کو ہ سے) پڑھا جائے تو اس کے معنی "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں" کی بجائے 'آگ بجھانا اللہ کے لیے ہے' ہوجائے گا ---۔ اگر عالمِین کو آلمِیْنَ (یعنی بجائے عین کے ، ہمزہ سے) پڑھا جائے تو اس کے معنی "تمام عالم" کی بجائے 'رنج و الم' کے ہوں گے--۔ رحمان اور رحیم تو بے معنی الفاظ ہیں--۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ کو اگر ہم اِیَّاكَ نَابُدُ پڑھتے ہیں تو" ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں" کی بجائے 'ہم تجھ سے بھاگتے اور کراہت کرتے ہیں' کے ہوجائیں گے ---۔ ایسے ہی ، نستعِینُ (ہم مدد طلب کرتے ہیں) کو نَستَاِیْنُ پڑھیں تو اس کے معنی 'رنج اور تکلیف' کے ہوں گے---۔ اسی طرح ضَآلِّینَ ، کے 'ض' کو اگر ہم 'د' سے ادا کریں تو دَآلِّینَ ادا ہوگا جس کا مطلب" ہدایت کرنے والے " ہے۔ یوں غلط تلفظ سے مطلب ہوجائے گا 'ان کا راستہ نہ بتا جو ہدایت کرنے والے ہیں' ---!

- مخارجِ حروف 17 ہیں ، اُن لوگوں کے خیال کے مطابق جو تجربہ کار ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھو کہ ایک مخرج سے دو آوازیں اور دو مخارج سے ایک آواز نہیں نکل سکتی۔ حروفِ حلقی 6 (ء ، ھا ، حا ، خا ، عا ، غا) ہیں۔ دونوں ہونٹوں سے 3 حروف (با ، وا ، ما) نکلتے ہیں۔ باقی حروف لسانی ہیں یعنی زبان سے اور حلق اور ہونٹوں کے درمیان کے مختلف حصوں سے ادا کیے جاتے ہیں۔ جب کہ غنہ کا مخرج ناک کے اندر ہے۔ صفاتِ حروف میں ، مَھْمُوسَہ کے حروف کا مجموعہ فَحَثَّہٗ شَخْصٌ سَکَتَ ہے۔ حروفِ شَدِیْدَہ کے الفاظ ، اَجِدْ قَطٍّ بَکَتْ ، ہیں۔ مُتَوَسِطَہ حروف کا مجموعہ ، لِنْ عُمَرْ ہے۔

مُستَعْلِيَہ حروف 7 ہیں جن کا مجموعہ ، خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ، ہے۔حروف مُذْلِقَه کا مجموعہ ، فَرَّمِنْ لُبٍّ ہے۔ مُطْبِقَه حروف ، صاد ، ضاد ، طا اور ظا ہیں۔ صاد ، سا اور زا حروف سے سیٹی سی نکلتی ہے۔ جب کہ حروفِ قَلْقَلَه 5 ہیں اور ان حروف کا مجموعہ ، قُطْبُ جَدٍ ، ہے۔ امام جزریؒ نے ان سب کے لیے اشعار ترتیب دیئے ہیں ان کے یاد کرنے سے مخارج اور صفاتِ حروف میں امتیاز کرسکتے ہیں۔(امام جزریؒ کے یہ اشعار تفسیر صدیقی میں موجود ہیں۔ مرتب)۔

- صاحبو! ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ " قرآن شریف میں زیر زبر کس زمانے میں لگائے گئے ہیں"۔؟ میں نے کہا " حجاج بن یوسف کے زمانے میں"۔ انہوں نے کہا " اگر زبر زیر غلط لگائے جائیں تو کیا معنی نہیں بدل جائیں گے"۔؟ میں نے کہا " قرآن شریف کا پڑھنا کتابت پر منحصر نہیں ہے ، بلکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے اب تک عن فلاں ، عن فلاں یعنی سننے پر موقوف ہے۔ آپ کے خیال میں قرآن آنکھوں سے پہنچا ہے اور ہمارے خیال میں کانوں سے"۔۔۔ یاد رکھو کہ روایت کے علاوہ تلفظ ، مخارج ، صفاتِ حروف ، یہ سب کچھ استاد ہی سے سننے پر موقوف ہے۔

- رسول للہ ﷺ کی عادت تھی کہ آزاد لوگوں کے ساتھ ساتھ جو جنگی قیدی ہوا کرتے ان کو بھی آزاد کرکے مختلف مقامات میں ان لوگوں کو متعین (appoint) فرماتے کہ عام لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں۔ خصوصاً قرآن شریف ، جو سب سے زیادہ اہم ہے ، اس کی تعلیم دیں۔ اس طرح قرآن شریف تمام مسلمانوں میں عام ہوگیا۔ رسول اللہؐ ہر رمضان میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن شریف کو دہراتے۔ خود حضور ﷺ کے زمانے میں قرآن کے سیکڑوں حافظ تھے۔ قرآن شریف کی روایت کرنے والے اور سبع قرأت والے اور عشرہ قرأت والے تھے۔ اور اب بھی یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ سوال کیا جاتا ہے کہ سبع اور عشرہ میں جو کچھ اختلاف ہے ، یہ کیسے ہے؟۔۔۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں عربوں کے مختلف قبیلے تھے اور اب بھی ہیں۔ ہر ایک قبیلے کے پڑھنے میں تھوڑا تھوڑا فرق تھا۔ ہر ایک قبیلے والا اپنی زبان کے مطابق پڑھتا اور رسول اللہؐ نے ایسے پڑھنے کو جائز رکھا۔ مگر یاد رکھو کہ ان سب قرأتوں سے معنی میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ اسی واسطے آپ ﷺ نے فرمایا " اُنْزِلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ"۔ سبع کا لفظ عربی زبان میں کثیر اور متعدد کے معنی میں ہے ۔۔۔ کیا وجہ ہے کہ دوسری قرأتوں اور روایتوں سے حفصؒ کی رویت مشہور ہوگئی ہے؟۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حفصؒ کی قرأت میں قریش کی زبان سے جو کہ فصیح ترین زبان ہے ، بہت کم فرق ہے۔

- سورۃ المزمل کی آیت 20 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ، پس پڑھو جس قدر تم پر آسان ہو قرآن سے۔یعنی جس قدر تم سے بہ سہولت ہو سکے۔ احناف کے پاس نماز میں چھوٹی سورۃ بھی پڑھ لینے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اور سورۃ الفاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔سب سے چھوٹی سورۃ ، سورۃ الکوثر ہے۔جس میں تین آیتیں ہیں۔ باوجود اس کے چھوٹا ہونے کے اس سے قرآن کا اندازِ بیان معلوم ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اس کے مساوی تین آیتوں کا پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ آیۃ الکرسی ہے تو ایک آیت مگر اس سے بھی قرآن کا اسلوبِ بیان معلوم ہوجاتا ہے لہٰذا نماز میں صرف اس ایک آیت کا پڑھنا بھی کافی ہے۔

- صاحبو! قرآن شریف کی تیرہ چودہ سو برس سے برابر روایت کی جارہی ہے۔ اس کا تلفظ متواتر ہے۔ اس کے الفاظ ، اس کا اِملا ، متواتر ہے۔ قرآن ہمارے حق میں نعمت ہے۔ ہماری عزت ہے۔ جو قرآن کو چھوڑتا ہے وہ نہ دین کا رہتا ہے نہ دنیا کا۔ ہمارا مرنا جینا قرآن پر ہے۔ صحیح الفاظ ادا کرو۔ عربی لحن بھی سیکھو۔عربی بھی سیکھو کہ معنی سمجھ میں آئیں۔ مضامینِ قرآن پر غور و فکر کرو۔ ایک قرآن تمھاری ہدایت کے لیے کافی ہے۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 12 صفحہ 28 پارہ 15 صفحہ 72 ، 73 پارہ 19 صفحہ 5

پارہ 29 صفحہ 68 ، 72 تا 74 اور مقدمہ صفحہ 22 تا 30 ٭

متفرقات - Miscellaneous

☆ عبدیت خدا سے بندے کی ایک بہت بڑی نسبت ہے جو ناقابلِ زوال ہے۔ دیکھو! عبدیت کا مرتبہ ایک طور سے رسالت سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ رسالت تو زمانۂ تبلیغ تک ہوتی ہے اور اِس عالم تک محدود بھی۔ جب کہ عبدیت ، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 32 ٭

84 - وحی

☆ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ط

(تمھارے رب نے) انسان کو (ان چیزوں کی) تعلیم دی جن کو وہ (کچھ بھی) جانتا نہ تھا۔

(سورۃ العلق آیت 5)

- صاحبو! پہلی مرتبہ قرآن شریف اترا تو سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتیں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو شروع شروع میں رویائے صادقہ پڑتے۔ یعنی خواب میں جو کچھ دیکھتے وہی دنیا میں نمودار ہوتا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ غارِ حرا میں چلہ کشی فرماتے۔ لوگوں سے الگ ، خلوت میں رہتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آٹھ ، آٹھ دن اور بعض دفعہ تو مہینہ مہینہ تنہائی یا اعتکاف میں رہتے۔

- حضور ﷺ پر کس کس طرح سے وحی آیا کرتی تھی؟--- (1) وحیٔ جلی سے ، جس میں الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہوتے۔ اور (2) وحیٔ خفی سے ، جس میں معنی کا القا ہوتا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کے دل میں بات ڈال دی جاتی) اور الفاظ کا القا نہ ہوتا۔ اس کو حدیثِ قدسی کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر خود قرآن کا القا کبھی بلا واسطہ ہوتا ، اور کبھی حضرت جبرئیلؑ کے توسط سے۔ بلا واسطہ میں سرکارِ دوعالمؐ کے جسمِ مبارک میں سنسنیاں چھوٹتیں ، جیسے بے ہوشی میں ہوتی ہیں۔ جب حضرت جبرئیلؑ مثالی شکل لے کر آتے تو حضورؐ کو زیادہ تکلیف نہ ہوتی۔ تاہم وحی کے وقت ایک ہلکی سی مدہوشی ضرور رہتی۔ پہلی مرتبہ جبرئیلِ امینؑ آئے تو رسول ﷺ کو اپنے سینے سے لگایا اور زور سے بھینچا۔ ہر دفعہ جبرئیلؑ کہتے تھے "پڑھو" اور حضورؐ فرماتے " مجھے پڑھنا نہیں آتا "۔ لوگوں کا خیال ہے کہ پہلی دفعہ سینے سے لگانے سے آپؐ کو عالمِ دنیا سے جدا کرلیا ، دوسری دفعہ عالمِ مثال سے اور تیسری مرتبہ عالمِ ارواح سے بھی جدا کرلیا۔ اور رسول اللہ ﷺ اپنی جسمانیت کا لحاظ کرتے اس قابل ہوگئے کہ وحیٔ الٰہی کے بار کو اٹھاسکیں۔ سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ خوفِ خدا سے پارہ پارہ ہوجاتا۔ بہر حال یہ سینۂ محمدی ہے۔اس میں بڑی گنجائش ہے۔ پہاڑ سے زیادہ برداشت کی قوت ہے۔ یہ سینے سے لگانا ، القا یعنی enlightening کی ایک صورت ہے۔

- حضرت جبرئیلؑ کی آپؐ سے ملاقات اور قرآن شریف اترنا شروع ہونے کے بعد حضورؐ کو سردی محسوس ہوئی۔ روح ، عالمِ بالا کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے ، اور تن کو سنبھالنا دشوار ہوگیا۔ آپؐ نے ام المؤمنینؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو فرمایا ، مجھے کمبل اڑھادو۔ وحی کی سخت کیفیت محسوس کی تو حضورؐ نے فرمایا مجھے اپنی جان کا خوف ہورہا ہے ، اس سخت کیفیت کو کس طرح برداشت کروں۔ ام المؤمنینؓ نے عرض کیا۔" اللہ تم کو رسوا نہ کرے گا۔ تم مہمانوں کو کھلاتے ہو ، غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہو ، اور زمانے کے حوادث کے مقابل لوگوں کی مدد کرتے ہو۔ یعنی تمھارے سب کام اللہ کے واسطے ہوتے ہیں۔ تمھاری ذاتی غرض کچھ نہیں ہوتی۔ دوسروں کی مدد کرتے ہو۔ دوسروں سے مدد نہیں چاہتے۔ ایسا پُراخلاص آدمی کبھی نقصان نہ اٹھائے گا "۔ پھر ام المؤمنینؓ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ، محمد مصطفیٰؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو حضرت بی بی خدیجہ کے رشتہ دار تھے۔ ورقہ ، تورات اور انجیل سے واقف تھے۔ سرکارؐ کا ماجرا سنا تو کہا کہ " تم پیغمبر ہو۔ تم بڑی بڑی سختیاں اٹھاؤ گے۔ مخالفین تم کو تمھارے وطن سے نکال دیں گے۔ میں اس زمانہ میں اگر زندہ رہتا تو تمھاری مدد کرتا " ۔۔۔ گویا کہ ورقہ بن نوفل پہلے صحابی تھے۔

- حضور ﷺ کو اس کے بعد ، وحی کا آنا ملتوی رہا۔ تاکہ جسمِ مبارک پر زیادہ بار نہ پڑے۔ پھر، نماز کے لیے سورۃ الفاتحہ کی تعلیم دی گئی۔ پھر چند روز وحی ملتوی رہی۔ اس لیے بیان کرنے والے حضرات نے مختلف باتیں کہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلی سورۃ ، اقراء (سورۃ العلق) کی ہے جس میں سے پانچ آیتیں اتریں ۔۔۔ مسلمان بچوں کو جب قرآن پڑھانا شروع کیا جاتا ہے تو انھیں پانچ آیتوں سے ابتدا کی جاتی ہے۔ اور اسی کو " بسم اللہ " کرنا کہتے ہیں ۔۔۔ بعض نے کہا کہ پہلے سورۃ الفاتحہ اتری ، یعنی نماز پڑھنے کے لیے۔ بعض نے سورۃ الانفال کہا ، یعنی عام دوسری بڑی سورتوں میں پہلی سورۃ ، سورۃ الانفال کی ہے۔

- یہ معلوم رہے کہ ابتدا دو قسم کی ہوتی ہے۔

(1) ابتدائے حقیقی : سب سے پہلے (2) ابتدائے اضافی : بعض کی نظر میں پہلے۔

بہر حال وحی کی ابتدائے حقیقی " اقراء " ہی کو ہے۔ کیوں کہ اُس وقت قرات ، یعنی پڑھنے ہی کو اہمیت حاصل تھی۔

- وحی کے لغوی معنی اشارہ کرنے والے اور اطلاع دینے کے ہیں۔ اور اصطلاحی معنی ، اللہ تعالیٰ کا کسی فرشتے کے ذریعے یا ، راست کسی قسم کا علم عطا فرمانا ہے۔ قرآن شریف میں یہ لفظ اصطلاحی وحی کے معنی میں بھی آتا ہے ، جو پیغمبروں کو ہوتی ہے ، اور بعض دفعہ غیرِ پیغمبر کے لیے بھی یہ لفظ آتا ہے جیسے واوحٰی ربُّك اِلی النَّحلِ اورشہد کی مکھی کو الہام کیا تیرے رب نے ، یا ہم نے مکھی کو سمجھا دیا (سورۃ النحل آیت 68)۔ مگر مغالطہ باز ، وحیٔ اصطلاحی اور وحیٔ لغوی میں فرق نہیں کرتے۔ ہم کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ بعض لوگ ایک دفعہ اس لفظ کے لغوی معنی لیتے ہیں اور کسی غیرِ پیغمبر کے لیے ثابت کرتے ہیں اور پھر چالاکی سے غیرِ پیغمبر کے لیے وحی ثابت کر کے اس کو پیغمبر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح نبوۃ کے معنی ہیں خبر دینا اور اصطلاحاً ، اللہ تعالیٰ کا پیغمبر کوعلم عطا فرمانا ، ہے۔ نادان یہاں بھی اسی چالاکی سے کام لیتے ہیں۔ نبی یعنی خبر دینے والا۔ پہلے اس لفظ کو لغت کی رُو سے غیرِ پیغمبر کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور پھر دوسری بار ، بہ معنی پیغمبر لیتے ہیں۔ اس طرح یہ ، مشترک لفظ سے مغالطہ دیتے ہیں۔ آج کل تو گھر گھر نبی ہے۔ ہندوستان میں بعض نے تو اتنا ظلم تک کیا ہے کہ بعض قومی لیڈروں کو جو ہندو اور قطعی مشرک تھے ، صاحبِ وحی اور نبی مانا۔ دراصل یہ لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم الانبیاء ، آخرِ رسل اور لاَ نَبِیَّ بَعْدِیْ ، نہیں مانتے۔ یہ زمانہ فتنہ کا ہے۔ نہ روک ہے نہ ٹوک۔ بس جو چاہو کہو ، چند ماننے والے پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ کرنا یہ ہوتا ہے کہ خود کو یا اپنے پیشوا کو کسی طور پیغمبر منوانے والا ہو۔ بہترین مقرر اور جادو بیان ہو۔ جھوٹ بولنے میں ذرا نہ ہچکچائے۔ زبان ہو کہ بس فراٹے بھرے۔ لوگ لاکھ تردید کریں مگر اپنی بات سے نہ ٹلے۔ نتیجے میں بعض یقین کر ہی لیں گے اور بعض یقین نہ بھی کریں گے تو داد ضرور دیں گے ، واہ واہ ضرور کریں گے۔ اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنْ کُلِّ بَلَآءِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ۔

٭ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 3 صفحہ 110 پارہ 12 صفحہ 103 پارہ 14 صفحہ 88 ، 89 اور پارہ 30 صفحہ 144 تا 147 ٭

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ انسان خوارقِ عادات (miracles)، معجزات، کرامات، جادو، اور منتر کا بڑا خواہشمند ہے۔ بڑا شوقین ہے۔ جہاں کسی سے کوئی غیر معمولی چیز نمایاں ہوئی، بس اس کو آسمان پر لے جا کر بٹھلا دیا۔ اس عجائب پرستی نے لوگوں کو خاک میں ملادیا ہے۔ بُت پرستی یہ کریں گے۔ غیرِ خدا کو سجدہ یہ کریں گے۔ احکامِ الٰہی سے کچھ پوچھو تو بے خبر۔ سنتِ نبویؐ سے نا واقف۔ بزرگوں کے پاس جاتے بھی ہیں تو کیوں۔۔۔؟ حضرت! "مجھے بچہ نہیں ہوتا، دعا کیجئے"۔۔۔"نوکری نہیں ہے، کچھ پڑھنے بتائیے"۔۔۔۔"بہت دن سے میرا دوست بیمار ہے، توجہ فرمایئے"۔۔۔۔"میری فلاں چیز کھوگئی ہے، کوئی تعویز دیجئے"۔۔۔۔"میرا بچہ گم ہوگیا ہے ایسا نقش عطا کیجئے کہ فوراً واپس آجائے"۔۔۔۔"فلاں کو آسیب ہوگیا ہے، ایسا فلیتہ دیجئے کہ آسیب جل کر خاک ہوجائے"۔۔!! غرض کہ طالبِ مولےٰ، بہت کم ہیں۔

جس کو دیکھو غرض کا بندہ ہے
کوئی اپنا نظر نہیں آتا

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 7 صفحہ 73، 74﴾

☆ افسوس کہ مسلمان کافروں سے دوستی کرکے ہمیشہ نقصان اُٹھاتے ہیں لیکن آنکھ نہیں کھلتی۔ یاد رکھو! ایک دل میں کفر رہے گا یا اسلام۔۔۔ بعض کم عقل، جاہل اور بے دین مسلمان، کافروں کو اپنی لڑکی تک دے دیتے ہیں اور اس کو سول میرج کہتے ہیں۔ یہ کیسی شادی۔۔۔! نہ ایجاب ہے نہ قبول۔ نہ مہر ہے نہ عقد۔ ان کے بچے آدھے تیتر آدھے بٹیر۔۔۔ اکثر تو یہی ہوتا ہے کہ جہاں ہندو عورت مسلمان کے گھر آئی اس کے بچے ہندو ہی ہوتے ہیں۔ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم کو محبت ہے۔ ہم محبت سے مجبور ہیں۔

کفر و اسلام ترے کاکُل و رُخ نے لُوٹے
نہ دھرم باقی، نہ ایمان ہے جاناں باقی

اللہ مسلمانوں کو توفیقِ نیک عطا کرے۔ وہ ہمارے حال پر رحم کرے اور ہمیں ان ذلتوں سے نکالے۔

﴿حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 20 صفحہ 19 اور 20﴾

85 - قبلہ

☆ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ۔ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط

اُس قبلہ سے (مسلمانوں کو) کس نے پھیرا جس پر وہ تھے (یعنی بیت المقدس سے)۔ (یا محمدؐ!) تم کہہ دو مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں۔(سورۃ البقرہ آیت 142 کا حصہ)

- مسلمانوں کی ہر عبادت ، ہر کام میں تنظیم ہے اور ان کا اکٹھا ہونا مقصود ہے۔ اسی لیے با جماعت نماز کا تنہا نماز سے 27 گنا ثواب زیادہ ہے۔ دیکھو! ایک نقطہ پر تمام لوگوں کی توجہ قائم ہو تو عظیم الشان آثار پیدا ہوتے ہیں۔ بہ نسبت ایک چراغ کے زیادہ چراغ ہوں تو روشنی زیادہ ہوتی ہے۔ چونکہ تمام افراد سے ایسے وقت ایک ہی خیال کا تموج ہوتا ہے لہٰذا اکیلا خیال ان بڑی موجوں میں مل کر ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک برقی قوت پیدا ہوتی ہے جو دوسروں پر اثر ڈالتی ہے۔ اسی طرح قبلہ بھی ایک متعین رخ ہے جو صرف جہتِ جامع ہے۔ اس سے تمام لوگوں کی توجہ کو خواہ مشرقی ہوں یا مغربی ، جنوبی ہوں یا شمالی ایک مرکز پر جمع کرنا مقصود ہے۔ کعبتہ اللہ کی عمارت میں کوئی انسانی شکل نہیں کہ بُت پرستی ہو۔ یہ ایک عبادت گاہ ہے۔ کئی دفعہ بنا اور کئی دفعہ ٹوٹا۔ مسلمانوں کی عبادت ، اس عمارت پر موقوف نہ تھی۔ حدیث میں آیا ہے کہ دلِ مومن کی وقعت ، کعبہ سے زیادہ ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ " نہ مجھے زمین سمائے نہ آسمان سمائے مگر دلِ مومن مجھے سماتا ہے" ۔۔۔ مسلمان خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرسکتا۔ یاد رہے کہ سجود ، اِلی الکعبہ اور لِلکعبہ میں بڑا فرق ہے۔ یعنی کعبہ کو ، سجدہ کرنا الگ بات ہے اور کعبہ کی طرف سجدہ کرنا جدا بات ہے۔

- کعبہ شریف ، آدم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ طوفان کے بعد وہ گر گیا تو ابراھیم اور اسماعیل علیہ الصلواۃ والسلام نے اس کو دوبارہ بنایا۔ کچھ عرصے کے لیے بنی اسرائیل میں شانِ ہدایت تھی تو بیت المقدس قبلہ بنا رہا۔ جب ان میں یہ شان نہ رہی اور امتِ محمدی میں یہ شان پیدا ہو گئی جس کا مرکز مکہ تھا تو پھر کعبہ شریف کی طرف قبلہ ہوگیا۔ اب کعبہ ، قبلۂ ابراہیمی نہیں ہے ، قبلۂ محمدی ہے۔ تحویلِ قبلہ کا

بنیادی مقصد ، اطاعت کا امتحان ہے۔ اللہ نہ خانۂ کعبہ میں محصور ہے اور نہ ہی بیت المقدس میں بند۔ وہ تو فاینما تولّوا فثمّ وجهُ اللّٰہ ہے ، جہاں کہیں بھی تم اللہ کی طرف رُخ کرو اللہ تمھارے روبرو ہے (سورۃ البقرہ آیت 115)۔ جدھر حکم ہوا اُدھر منہ کرلیا۔ رضائے مولیٰ مقصود ہے نہ کہ ذاتی خواہش۔ بندگی تو اطاعت اور فرماں برداری میں ہے۔ خود اسلام کے معنے ، اطاعت کے ہیں۔حیل و حجت کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ پھر کعبہ بتا رہا ہے کہ اب مرکزِ دینِ الٰہی ، مَیں ہوں نہ کہ بیت المقدس۔ ہدایت کا پرچم میرے سر پر اُڑ رہا ہے نہ کہ کسی اور کے سر پر۔ اب سب کی توجہ اسلام اور میری طرف ہونی چاہیے۔ ہمارے دلوں میں مقناطیسی جذبِ محبت ہے۔کعبہ کی طرف ہمارا پھرنا لازم ہے۔ ہمارا پیغمبر اور ہم ، قبلہ نما ہیں۔ ہر پھر کر خانۂ خدا کی طرف طبعًا پھر جاتے ہیں ، متوجہ ہوجاتے ہیں ---

ہ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 1 تا 2 ٭

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔

(1) سراپا خیر : جیسے پیغمبر، اولیا اور کاملین۔ یہ فرشتوں کے مماثل ہیں بلکہ ان سے بھی بہتر۔

(2) سراپا شر : جیسے فرعون ، ابوجہل ، شداد اور نمرود وغیرہ۔ یہ ابلیس کے شاگردِ رشید ہیں۔

(3) اپنی غلطی پر نادم : یہ وہ لوگ ہیں جن سے خطا سرزد اور واقع ہو جاتی ہے تو فوراً اس کا تدارک کرتے ہیں ، توبہ کرتے ہیں ، معافی چاہتے ہیں۔

- حضرت آدم نے اپنی خطا کی معافی چاہی ، اور ابلیس نے ہٹ دھرمی کی۔ گناہ پر اصرارکیا۔ نتیجہ ظاہر ہے --- صاحبو! ابلیس پڑھا لکھا ہے۔ نظر نہ آنے والا ہے۔ آبائی قدیم دشمن ہے۔ اس سے ہوشیار رہو۔ اس کے مکروں سے واقف رہو اوراس کے خلاف ہمیشہ دعا مانگتے رہو ، اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ.

ہ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 77 ٭

86 - معراج شریف

☆ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ط

پاک ہے وہ ذات جوایک رات اپنے بندے کو باحرمت مسجد سے (یعنی مسجد کعبہ سے) مسجدِ اقصا (یعنی بیت المقدس) کی طرف اپنے آثارِ قدرت دکھانے کے لیے لے گیا جس کے اطراف ہم نے برکت دی ہے (ابراھیمؑ اور دوسرے بہت سے پیغمبر اور موسیٰؑ بھی وہی ہیں۔ عیسیٰؑ بھی وہیں پیدا ہوئے تھے)۔ بے شک وہ دیکھنے سننے والا ہے۔

(سورۃ الاسراء / بنی اسرائیل آیت 1)

☆ اَفَتُمٰرُوۡنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی ط

کیا تم پیغمبر سے جھگڑتے ہو (اللہ کی ملاقات اور) اس کے دیدار کے متعلق؟

(سورۃ النجم آیت 12)

☆ معراجِ شریف کے متعلق بہت سی قابلِ تفصیل باتیں ہیں۔

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معراجِ شریف خواب میں ہوا تھا ـــ دیکھو خواب میں تو ہزاروں چیزیں دیکھی جاتی ہیں اور اس پر کوئی تنازعہ نہیں پیدا ہوتا۔ لہٰذا معراج خواب میں نہیں بلکہ دنیا میں ہوا ہے۔ اس کی ابتدا ، عالمِ مادّی (material world) میں ہے اور انتہا ، عالمِ علوی (celestial world) پر ہے۔

☆ کیا معراج کا ہونا ممکن ہے؟ ـــ بے شک ممکن ہے۔ جس طرح جبرئیلؑ کا اترنا حق ہے ، ان کا اس

عالم میں صورت شکل لے کر آنا ممکن ہے ، اسی طرح حضرت رسول خدا محمد مصطفی ﷺ کا اس عالم سے عروج فرما کر، لازمِ بشری کو چھوڑ کر ، دربارِ رب العزت میں پہنچنا بھی حق ہے۔ بے صورت جبرئیلؑ کا باصورت ہوجانا اور باصورت آنحضرتؐ کا بے صورت ہوجانا کچھ دشوار نہیں۔ لائقِ انکار نہیں۔ ذرا اتنا تو سوچو کہ ہم جو اس دنیا میں ہیں ، مادّی ظلمتوں میں گرفتار ہیں ، کیا ہم اس سے پہلے عالمِ مثال میں نہ تھے؟ کیا اس سے پہلے ہم عالمِ ارواح میں نہ تھے؟ کیا ہم علمِ الٰہی میں نہ تھے؟ بے شک تھے۔ ہماری ''انا'' سچ پوچھو تو مادیات اور لواحقِ مادّیات دونوں سے جدا ہے۔ ہماری ، ایک مثال ہے اور ایک حقیقت ہے۔ مثال تو وہ صورت ہے جس میں آنکھ ، ناک ، کان ، ہونٹ وغیرہ ہیں۔ اور ایک ہماری'' حقیقت ''ہے جو اَنا میں ہے۔ دیکھو! جنگ میں ہاتھ پاؤں کٹ جاتے ہیں۔ مگر اَنا کو کیا ہوتا ہے وہ تو اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہے یعنی جیسا پہلے تھی اب بھی ہے۔ صورت شکل سے پاک ہے۔ وہ ہماری تنزیہہ اور حقیقت ہے۔ یاد رکھو کہ مثال کے احکام اَور ہیں اور ذات کے احکام اَور۔ ہم اپنی اَنا یعنی ذات کو نہیں دیکھ سکتے تو اللہ تعالیٰ کو کیا دیکھیں گے ۔۔۔؟ لیکن دیدارِ الٰہی کا ہونا ممکن بھی ہے۔ ہم کو ہمارے مطابق اور رسول اللہ کو ، رسول اللہ کے لائق۔ غرض ہم جس طرح اس دنیا میں معلوم ہوتے ہیں ، مافوقِ عوالم میں بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا معراج میں تشریف لے جانا دراصل اپنے قدیم محل (old place) کی طرف رجوع کرنا ہے۔

☆ معراجِ شریف کب ہوا؟ ۔۔۔ رسالت سے پانچویں سال ہوا۔

☆ معراجِ شریف کہاں اور کس وقت ہوا؟ ۔۔۔ رسول اللہ ﷺ مکہ معظّمہ میں حضرت علیؓ کی بہن امِ ہانی کے گھر میں تھے۔ وہاں سے مسجدِ حرام میں آکر استراحت فرما ہوئے۔ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معراجِ شریف رات کے وقت وقوع پذیر ہوا ۔۔۔ دیکھیں مذہبی کاموں کا دار و مدارِ علمِ غیب پر ہے۔ بے دیکھے یقین کرنا ہی کمال ہے۔ اگر دن کو معراج ہوتا تو سب کو یقین آجاتا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ابوجہل میں کیا امتیاز رہتا ۔۔۔؟ ایک دفعہ معراجِ مبارک کی خبر سن کر ابوجہل نے حضرت صدیقِ اکبرؓ سے کہا۔ '' اب تو تمھارے پیغمبر عوالم علوی کو بھی پہنچ جاتے ہیں۔ کیا تم اس کی تصدیق کروگے؟'' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا۔ '' اس میں شک کی کیا بات ہے جب میں اس بات کا یقین رکھتا ہوں کہ جبرئیلؑ عالمِ علوی سے اس عالم میں آیا جایا کرتے ہیں تو اگر حبیب خدا ﷺ اس عالم سے عالمِ علوی کو جائیں تو شک کرنے کی کیا وجہ ہے ۔۔۔؟ ''

☆ اَسْرٰی بِرَسُوْلِہٖ کیوں نہیں ہے ، بِعَبْدِہٖ کیوں ہے؟--- دراصل عبد کی جہت اس کے معبود کی طرف ہوتی ہے اور رسول کی جہت اس کی اُمت کی طرف۔ عبد ایک ایسا لفظ ہے جو ہر جگہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جہاں اللہ وہاں اس کا بندہ۔ عبد و معبود کی نسبت لازوال ہے۔ اچھا! بندے تو ہم بھی ہیں کیا ہم کو بھی معراج ہوگی---؟ یاد رکھیں کہ انسان کو جتنا عروج ہوتا ہے اس کی عبدیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس کی جتنی عبدیت ، اتنا ہی اس کا مرتبہ ، اور اس کا عروج بِعَبْدِہٖ میں --- گویا معراج کی علت میں یہ پتہ چلتا ہے کہ ' عبداللہِ کامل ' صرف حضرت رسول اللہ ﷺ ہیں۔

☆ اسرٰی ، شب روی کو کہتے ہیں۔ پھر یہ لَیلاً کیوں؟--- یہ بتانے کے لیے کہ شب بیداری کرنے میں خاص سرفرازیاں حاصل ہوتی ہیں۔ بعض عاشقانِ محمدی کا خیال ہے کہ معراج اگر دن کو ہوتا اور آنکھوں کے سامنے سے جسدِ مبارک غائب ہوجاتا تو عاشقانِ دیدارِ نبوتؐ ، تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے۔ بِعَبْدِہٖ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معراجِ مبارک جسمانی ہوا کیونکہ جہاں جہاں عبد کا لفظ آتا ہے وہاں وہاں ، جان و تن کا مجموعہ مراد ہوتا ہے ، نہ کہ صرف جان و روح کا۔

☆ کیا معراجِ مبارک جسمانی ہوا یا روحانی؟ --- جسمانی بھی ہوا اور روحانی بھی۔ جب تک عالمِ اجساد میں تھے جسمانی معراج تھا۔ اور جب آپؐ نے عالمِ علوی کی طرف توجہ فرمائی تو آپؐ کا جسمِ مبارک اسی کے لائق ہوگیا ، اور معراجِ روحانی ہوا۔ ہم نے ابھی بیان کیا کہ بے صورت غیر مادی جبرئیلؑ کا مادّی صورت میں آنا اور آنحضرتؐ کا مادّہ چھوڑ کر غیر مادّی ہوجانا کچھ مشکل نہیں۔ آپؐ کو روحانی معراج تو ہمیشہ ہی ہوا کرتا تھا۔ بلکہ روحانی معراج تو غلامانِ محمدؐ کو بھی ہوتا ہے۔ جن پر عالمِ مثال منکشف ہوجائے وہ کیا کچھ نہیں دیکھتے---؟ وارثانِ رسالت کو معراجِ جسمانی نہ سہی ، نعلینِ نبوی کے صدقے سے ، معراجِ روحانی ہوجاتا ہے۔

☆ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسجدِ کعبہ ، مسجدِ بیت المقدس سے زیادہ با احترام ہے۔ ایک نماز ، مسجدِ کعبہ میں پڑھی جائے تو اس کا مسجدِ اقصیٰ سے زیادہ اَجر ملتا ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ (سورۃ آل عمران آیت 96) سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلا معبدِ الٰہی ، کعبۃ اللہ اور اس کی مسجد ہی ہے۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کو حضرت ابراھیمؑ نے بنایا۔ اَوَّلَ بَیْتٍ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلی عبادت گاہ ، کعبہ ہے ، جہاں عرفات میں آدم و حوا ملے۔

☆ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ تھا تو پھر معراج کیوں ہوا؟--- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِنُرِیَهٗ مِن اٰیٰتِنَا تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی نشانیاں اور آثار دکھائیں۔

☆ حضور ﷺ اس تیزی سے بیت المقدس اور پھر عرشِ بریں کس طرح پہنچے؟--- دیکھو اس پر بھی غور کرو کہ حضرت جبرئیلؑ بھی اسی سرعت سے عالمِ ارواح سے عالمِ ناسوت یعنی اس دنیا کو روزانہ آیا کرتے تھے۔ دراصل اللہ تعالیٰ بے جہت ہے۔ دیکھنے کے لیے جہت یعنی form کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس سے پاک ہے۔ جبرئیلؑ بھی تو ناسوت (دنیا) کے اعتبار سے بے جہت تھے۔ اور وہ اس عالم میں آئے تو جہت ان کو بھی لاحق ہوگئی۔ اگر حضورؐ، عالمِ ملکوت میں پہنچ کر اس کی ضرورت کے مطابق بے جہت ہوجائیں تو کیا دشوار ہے---! ہر عالم کا ایک اقتضا ہوتا ہے، ایک demand ہوتی ہے۔ جب وہ عالم ہی نہ رہا تو اس کے عوارض یعنی اس کی appearances بھی نہ رہیں۔

☆ آنحضرتؐ، معراج میں پہلے مسجدِ اقصا کیوں پہنچے؟--- کیونکہ وہاں تمام پیغمبر تھے۔ ان سے ملاقات بھی ضروری تھی۔ ان کے کمالات پر سے گذرنا بھی ضروری تھا۔ مسجدِ اقصا کی برکتوں سے بھی مالا مال ہونے کی حاجت تھی۔ پھر اس کے بعد، کمالاتِ محمدی کی سیر ہے، قدرتِ خداوندی کے کرشمے ہیں اور آثار و اسرار کے مطالعہ سے سرفراز ہونا ہے۔

❊ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 15 صفحہ 1 تا 3 پارہ 27 صفحہ 29 تا 32 اور کتابچہ حقیقت معراج مولفہ حسرتؒ ❊

متفرقات - Miscellaneous

☆ یہ نظر کیا ہے! شیطان کا تیر ہے---! نہ غیر محرم کو دیکھیں گے، نہ کسی بُری بات میں مبتلا ہوں گے۔ نظر نیچی رکھنا، موحد کے لیے ضروری ہے۔ انسانی چہرے پر تشخص کا اثر ہے۔ خصوصاً آنکھوں کا آنکھوں سے ملنا، نگاہ کے ذریعہ سے دل میں گھس جانا، قیامت ہے۔ یاد رکھو! جو لوگ نظر کی حفاظت کرتے ہیں ان کی نظر میں خوبصورت اثر پیدا ہوجاتا ہے۔ ان کے خطرات بند ہوجاتے ہیں۔

❊ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 18 صفحہ 61 ❊

87 - مختلف عوالم

☆ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ۔ یُغۡشِی الَّیۡلَ النَّہَارَ یَطۡلُبُہٗ حَثِیۡثًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍ ۭ بِاَمۡرِہٖ۔ اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ۔ تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ط

تمھارا رب تو وہی ہے جس نے چھے دن (یعنی ایک ہفتہ سے کم) میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کردیا پھر عرشِ حکومت پر (تخت سلطنت پر) جلوہ گر ہوا۔ رات پر دن کا نور چھا جاتا ہے تو رات بھی (دن کو کب چھوڑتی ہے) پیچھے پیچھے چلی آتی ہے؛ اور سورج اور چاند اور ستاروں کو (اللہ نے) اپنے تحتِ حکم (اور پابندِ فرمان اور مسخر) بنا رکھا ہے۔ پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور حکم دینا بھی اسی کا کام ہے۔ اللہ رب العالمین برکت والا ہے۔ (سورۃ الاعراف آیت 54)

- خلق کے بعد ہی ، عوالم کی ابتدا ہوتی ہے۔ سب سے پہلے عالمِ ارواح ہے ، اس کے بعد عالمِ مثال پھر عالمِ شہادت۔ اس کے بعد عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت۔ عالمِ شہادت میں وزن ، زمانہ اور صورت و شکل ہوتی ہے۔ عالمِ مثال میں زمانہ اور وزن نہیں ہوتا ، صرف صورت و شکل ہوتی ہے۔ عالمِ ارواح ، صورت شکل سے بھی پاک ہے۔ اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایک صاحب جن کا نام حبیب علی ہے میرے سامنے بیٹھے ہیں ، یہ' عالمِ شہادت ' ہے ---حبیب علی نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا اور وہاں خوشی و رنج کا احساس بھی کیا ، یہ' عالمِ مثال 'ہے --- پھر حبیب علی نے خواب میں خود کو کبھی مرد دیکھا ، کبھی عورت ، کبھی بچہ تو کبھی بوڑھا ۔ تو معلوم ہوا کہ ان کی ذات ، عورت پن ، مرد پن اور عمر وغیرہ سے پاک ہے۔ یہ' ارواح کا مرتبہ' ہے ---

☆ عالمِ ارواح (spiritual world)

- عالمِ ارواح کو عالمِ ملکوت اور عالمِ امر بھی کہتے ہیں۔ عالمِ ارواح صورت شکل ، وزن ، زمان و مکان سے پاک ہے۔ ارواح کا پیدا ہونا اور کمال کو پہنچنا تدریجاً یعنی gradual نہیں ، بلکہ دفعۃً یعنی at once ہے۔ چنانچہ ارواح ، اگرچہ کہ تحتِ امرِ ''کُن'' ہیں لیکن مخلوق نہیں ہیں۔ جب کہ اجساد یا bodies مخلوق اور حادث یعنی new emegence ہیں۔

☆ عالمِ مثال (supernatural world)

- مرتبۂ روح کے بعد عالمِ مثال کا مرتبہ ہے۔ جو کمالاتِ روح کے ساتھ ساتھ رنگ و بو اور صورت شکل بھی رکھتا ہے۔اس مرتبہ میں ، معانی (indistict things) تک صورت لے لیتے ہیں۔ بلکہ ایسی قوت کے ساتھ اجاگر ہوتے ہیں کہ عالمِ شہادت کے لوگوں کو بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ جیسے ، فرشتوں کا آدمیوں کی شکل میں موجود ہوکر نظر آنا۔

- عالمِ مثال کو اچھی طرح سمجھ جاؤ تو بہت سے مسائل حل ہوجائیں گے۔ دیکھو! بہ حالتِ خواب نیک لوگ مکہ معظمہ ، مدینہ منورہ ، نجف اشرف ، کربلائے معلیٰ ، بغداد شریف اور اجمیر شریف پہنچ جاتے ہیں اور بعض خوش نصیب تو ان مقاماتِ مقدسہ کے صاحبانِ قبور کی زیارت سے بھی مشرف ہوجاتے ہیں۔ ان مقامات تک پہنچنے اور یہ فاصلہ طے کرنے میں نہ تو زمانے کی کچھ مدت درکار ہوتی ہے اور نہ مشکلات و آفات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔اسی طرح بُرے لوگ بھی اپنے اپنے معبودوں یعنی شیاطین ، جن و انس تک پہنچ کران سے مدد حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں مذکور ہے ، فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا یعنی پھراس روح نے پورا آدمی بن کر (مریمؑ کے سامنے) مثال اور صورت اختیار کرلی (سورۃ مریم آیت 17)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ، اور اگر ہم اس کو (یعنی فرشتے کو) پیغمبر بنا کر بھیجتے تو تب بھی اس کو انسانی شکل پر بناتے اور ان کو وہی شبہ ہوتا جس میں وہ اب تک پڑے ہوئے ہیں (سورۃ الانعام آیت 9)۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ، پس جب موسیٰؑ اس وادی میں داخل ہوئے تو ان کو ندا دی گئی ، وادی کی سیدھی طرف ، درختوں کے جھنڈ میں ، بقعۂ مبارکہ سے کہ اے موسیٰ! میں ہی اللہ ہوں ، تمام جہانوں کا رب (سورۃ قصص ، آیت 30) ـــ غرض یہ کہ عالمِ مثال میں چیزیں مناسب

صورت میں متشکل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں۔ جیسے علم دودھ کی شکل میں ، بخار ایک بکھرے ہوئے بالوں والی سیاہ فام عورت کی شکل میں ، زانی مرد مُردار خور کی صورت میں ، سخت بیماری بھینس اور ہاتھی کی صورت میں ، موذی آدمی مچھر کی شکل میں ، دولت سانپ کی شکل میں ، مکار شخص لومڑی کی شکل میں ، چور کوے کی صورت میں ، اور کمزور ایمان ضعیف آدمی کی شکل میں نظر آتے ہیں ۔۔۔ پس تم انہی پر دوسرے معانی اور علویات کو قیاس کرلو۔

☆ عالمِ شہادت (material world)

- عالمِ مثال کے بعد عالمِ شہادت و ناسوت (human nature) و اجسام کا درجہ ہے کہ جس میں روح اور مثال کے کمالات کے علاوہ زمان و مکان (time & space) سے مقید ہونے کی وجہ سے حجم و وزن (weight & volume) بھی شامل ہو جاتا ہے۔

- روح میں کیا کیا ہے؟۔۔۔ روح میں 7 صفات ہیں۔ (1) حیات (2) علم (3) سماعت (4) بصارت (5) قدرت (6) ارادہ (7) کلام۔ روح جیسے جیسے تنزل کرے گی تو دوسرے صفات بھی پیدا ہوتے جائیں گے۔ یہ سات صفات فرشتوں میں بھی ہیں۔ انسان ، روح ہونے میں بیشک فرشتوں ہی جیسا ہے۔ لیکن فرشتے تنزل نہیں کرتے۔ انسان کی روح جب تنزل کرتی ہے تو اس کو صورت شکل کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن وزن اور زمانہ لاحق نہیں ہوتا۔ اسی عالم کا نام عالمِ مثال ، یا عالمِ برزخ ہے۔ فرشتے ، عالمِ ارواح اور عالمِ علوی (celestial world) میں رہتے ہیں یوں وہ صورت شکل سے پاک ہیں۔ جن ، عالمِ مثال میں رہتے ہیں۔ اس لیے جو شکل چاہیں لیتے ہیں ، اور آناً فاناً جہاں چاہتے ہیں پہنچ جاتے ہیں۔ حضرتِ انسان عالمِ اجسام یا شہادت میں رہتے ہیں۔ اس لیے زمانے اور وزن سے مقید رہتے ہیں۔۔۔ لیکن جب یہ تمام قیودات اور تعینات (bindings & valuations) سے آزاد ہوتے ہیں تو فرشتوں سے اعلیٰ و ارفع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جب اپنی خودی کو بھی بھول جاتے ہیں یا ترک کر دیتے ہیں تو اللہ جانے کیا سے کیا ہو جاتے ہیں۔۔۔! فنائیت کو قبول کرنا انسان کا خاصہ ہے۔ یہ اس کی specialty ہے۔ یہ بات نہ فرشتوں میں ہے نہ جنات میں۔

- روح وغیرہ کے متعلق حکمائے مادیئن (materialistic philosophers) مختلف الخیال ہیں۔ ان کے پاس آج ایک نظریہ ہے تو کل ایک۔ ان سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔ ہماری غرض تو روحِ انسانی کے

غیر مادی ہونے سے ہے۔ ہمارے پاس ، تقریباً وسطِ دماغ میں ایک مقام ہے جو روحِ انسانی سے متعلق ہے جو تمام جسم پر حاکم ہے۔ بزرگانِ ملت کے پاس دماغ کے علاوہ قلب ، جگر اور شش (lungs) کی بھی بہت اہمیت ہے۔ بعض کے پاس معدے کی بھی اہمیت ہے۔ ذاکر شاغل لوگ ان مقامات پر کلمہ شریف یا اسم جلالہ کا ضرب لگاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ روح انسانی کا تعلق جب بدن سے زیادہ عالمِ علوی سے ہوجاتا ہے تو وہ ، وہ کام کرتی ہے جو جسمِ انسانی سے غیر ممکن ہے۔ جب روحِ انسانی کو عالمِ علوی اور ارواحِ طیبہ سے مضبوط ربط پیدا ہو جاتا ہے تو اس جسم کا چھوڑنا اس پر آسان ہوجاتا ہے اور خوشی خوشی اس کی یہ جان جانِ آفریں کے حوالے کر دیتی ہے۔

- واضح ہوکہ اگر کوئی اپنے خیال کو پوری طرح قائم کرسکے ، یعنی fully concentrate کرلے ، تو اس پر ایک لطیف عالم کھل سکتا ہے جس کا نام عالمِ مثال ہے۔ مثال میں صورت شکل بالکل ایسی رہتی ہے جیسی عالمِ شہادت میں۔ مگر چونکہ وہ عالم ، وقت کا تابع نہیں لہٰذا آنے جانے میں کچھ دیر نہیں لگتی۔ یاد رکھو! وساوس کا بند ہوجانا ، ایک نقطہ پر خیال کا قائم ہونا ، ایک بڑی نعمت ہے۔ لوازمِ بشری (خواہشاتِ انسانی) جس قدر ترک کردیئے جائیں گے اسی قدر عالمِ مثال کے کھلنے میں سہولت ہوگی۔ مگر صاحبو! یہ بھی یاد رکھو کہ عالمِ مثال کوشش کرنے پر غیر مسلموں پر بھی کھل جاتا ہے۔ صرف عالمِ مثال کا کھل جانا کمال نہیں۔۔۔ دیکھو! معلوم کی عظمت سے ، علم کی عظمت ہے۔

کھیل تماشہ لاحاصل مقصد اصل حقیقت ہے

- یہاں روح اور اَنا کا فرق بھی معلوم ہونا چاہیے ۔۔۔ روح ، اَنا کا محل ہے۔ اَنا تو اصل ہے ، ایک حقیقت ہے۔ اجسام کا لحاظ کرتے ، روح کہتے ہیں۔ اَنا کا مقابلہ کسی سے نہیں۔ اَنا کہتے وقت صفات کا خیال نہیں آتا ، صفات اس کے اندر ہیں۔ روح کے ساتھ صفات کا خیال آتا ہے۔ روح کو 'میں ہوں' کا علم رہتا ہے۔

- خیال دوقسم کا ہوتا ہے۔ ایک ، خیالِ متصل ہے جو ہمارا بے منشا ، بے اصل ، اختراعی اور من گھڑت خیال ہے۔ دوسرا ، خیالِ منفصل ہے جو عالم کا بامنشا ، حقیقی اور صحیح خیال ہے۔ اسی کو عالمِ مثال یا برزخِ اول کہتے ہیں۔ اسی طرح کشف یا مثال کا نظر آنا بھی دوقسم پر ہے۔ ایک ، حقیقی صورتیں۔

دوسرے ، مجازی صورتیں۔ جو کشف و خواب ، مجازی صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں وہ تعبیر طلب ہوتے ہیں۔ عالمِ مثال میں صورتیں ، ارواح اور اس کے اوپر کے مراتب سے بھی آتی ہیں اور عالمِ شہادت اور اس کے نیچے کے مراتب سے بھی آتی ہیں۔ بعض دفعہ خیال یا مثال ، قوی ہوکر شہادت میں بھی محسوس ہوجاتا ہے اور بعض دفعہ دوسروں کو بھی نظر آ جاتا ہے۔ عالمِ شہادت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ عالم کے خیال یعنی عالمِ مثال سے آ رہا ہے۔ خیالِ انسانی کو عالمِ مثال سے ایک ربط اور تعلق ہے۔ گویا کہ خیال سے ایک روشندان عالمِ مثال میں کھلتا ہے۔جس سے انسان عالمِ مثال میں جو کچھ ہے ، خواہ وہ ماضی ہو یا مستقبل ، ملاحظہ و مطالعہ کرتا ہے۔

☆ عالمِ برزخ (transitional world)

- آدمی کے مرجانے کے بعد اس پر ایک دوسرے عالم کا رستہ کھل جاتا ہے جس کو برزخِ ثانی اور عالمِ قبر کہتے ہیں۔ اس برزخِ ثانی میں نیک آدمی کی کیفیت ، امیدوارِفضل و کرم کی سی ہوتی ہے جو حوالات میں گرفتار ہوجائے اور جسے بعد میں سزا ملنے والی ہو۔ عالمِ برزخ میں روحِ انسانی کو عالمِ اجساد و ناسوت (یعنی اس دنیا) سے یک گونہ تعلق و ربط ہوتا ہے۔

☆ عالمِ آخرت (ultimate world)

- جب تمام اجسام ، بوسیدہ ہوکر چُورہ چُورہ ہوجائیں گے تو انسان ،گم اور نابود (imperceptible) ہوجائے گا۔ اور تمام ارواح ، عالمِ برزخ سے عالمِ آخرت کی طرف لَوٹ جائیں گے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے اعمال کا بدلہ دیکھ لے گا۔ آخرت میں حسبِ فرمانِ الٰہی ، فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ط وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ یعنی جو شخص رائی برابر بھی نیکی کرے گا تو وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی رائی برابر بھی بُرائی کرے گا تو وہ اس کو دیکھ لے گا (سورۃ الزلزال آیات 7 اور 8)۔ لہٰذا جیسی کرنی ویسی بھرنی ہوگی۔

☆ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 1 صفحہ 57 پارہ 8 صفحہ 108 تا 110 پارہ 15 صفحہ 59 ، 60 پارہ 16 صفحہ 30 پارہ 26 صفحہ 101

پارہ 30 صفحہ 7 ، کتابچہ مرآۃ التوحید صفحہ 10 تا 15 صدائے معرفت حق ہے رازداں کے لیے صفحہ 11 ، 12

تفہیمات صدیقی حسرت اکڈیمی پبلکیشنز صفحہ 7 ، 8 ، 17 اور حکمت اسلامیہ 4th ایڈیشن صفحہ 80 ، 81 (تالیفات حسرتؒ) ☆

متفرقات ۔ Miscellaneous

☆ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو آپؐ بھی اس پر رحمت بھیجتے ہیں۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ" جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے میں اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہوں"۔۔۔ دنیا میں لاکھوں کروڑوں مسلمان ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر رات دن درود بھیجتے ہیں اور آپؐ بھی ان پر رحمت بھیجتے ہیں۔ کوئی سچ کہے کہ ایسی صورت میں رسول اللہ ﷺ کو کسی وقت اپنی اُمت سے غفلت ہوسکتی ہے۔۔۔؟

☆ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اپنے گھر میں جاؤ اور کسی کو نہ پاؤ تو ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہو۔ کیونکہ آپؐ کی توجہ ہم پر اور ہمارے سارے گھر پر ہے۔

☆ بعض ایسے نادان بھی ہیں جو " یا رسول اللہ " کہنے کو شرک ، بدعت اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ مگر ان جاہلوں کو سمجھنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ جب قبرستان پر سے گزرو تو ' اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ ' کہو۔ اگر قبر والے کچھ سنتے ہی نہیں تو ان کو" یَا اَھْلَ الْقُبُوْر " کہہ کر مخاطب کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔۔۔؟ رسول اللہؐ کی ذات تو پھر نہایت ہی اعلیٰ و ارفع ہے۔ اصل میں ان نادانوں کے دل میں رسول اللہؐ کی محبت ہے ہی نہیں۔ یہ مادّہ پرست ، بے روح مسلمان ہیں۔ وہ ، کچھ اللہ اللہ کرتے تو ان کو انکشاف بھی ہوتا ، اور یہ معلوم بھی ہوتا کہ ہم عالمِ مثال میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے بھی مشرف ہوسکتے ہیں۔ اور آپؐ سے شرفِ مکالمت بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ ان مسلمان نما علماء سے تو مسمریزم والے ، ہپناٹزم والے ، کچھ زیادہ صحیح علم رکھتے ہیں ، کہ وہ روحانیت کے قائل تو ہیں۔

☆ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 22 صفحہ 14 اور 15 ☆

88- جنّات

☆ وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۔ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۔ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ط

اور جب ہم نے جنوں کے گروہ کو تمھاری طرف بھیجا کہ قرآن سنیں۔ پھر جب حاضر ہوئے (اور قرآن سننے لگے تو ساتھ کے جنوں سے) کہا، خاموش! (ذرا کان لگا کر) سنو۔ جب (حضورؐ کا قرآن) پڑھنا ختم ہوگیا تو اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے اور اس واقعہ کی اطلاع دی ۔ (سورۃ الاحقاف آیت 29)

- صاحبو! غیر مرئی یا invisible ہستیاں ، بعض دفعہ مرئی ہوتی اور نظر آجاتی ہیں۔ جیسے جبرئیل علیہ السلام اعرابی اور وحیہؑ کلبی (قبیلۂ کلب کے صحرائی بدو) کی شکل میں عام لوگوں کو نظر آ جاتے تھے۔

- غیر مرئی ہستیاں جب عام انسانوں کو مرئی اور نمایاں ہونا چاہتی ہیں تو انسان یا حیوانات کی شکل لیتی ہیں۔ اس صورت میں حیوانات کے تمام لوازم (requisites) ان کو لاحق ہوجاتے ہیں۔ پس اگر سانپ کی شکل میں جن آئے تو وہ لکڑی کے ایک مارے سے بھی مر جاتا ہے۔

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنات کا حاضر ہونا ، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور زبیر ابن العوام اور عبداللہ ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنھم سے مروی ہوا ہے۔

- یہ بھی یاد رکھو کہ جن اور انس ، دونوں مکلّف شرعی یعنی religious ہیں۔ گزشتہ پیغمبروں کے زمانہ میں بھی وہ انسانوں کے پیغمبروں کے تابع تھے۔

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نخلع اور نصیبین اور دوسرے مقامات سے بھی جن آئے تھے۔

- بہت سے جن ، صحابی بھی ہیں۔ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ چنانچہ جس جن صحابی نے دستِ مبارکہ پر بیعت کی تھی اور مصافحہ کیا تھا اس کی روایت ، ہمارے پاس من وعن ، یعنی عن فلاں ، عن فلاں کی روایت سے ثابت ہے۔ اور علماء اس کی سند دیتے ہیں۔

- یہاں ایک عالم گیر مغالطہ لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوگیا ہے ، وہ یہ کہ جو چیز ہم کو معلوم نہیں یا ہمارا مشاہدہ نہیں ، وہ موجود ہی نہیں۔ دیکھو! ہر کام کے چند لوگ ماہر ہوتے ہیں۔ جن کو تحقیق نہیں تجربہ نہیں ، ان کو چاہیے کہ ماہرینِ فن و اہلِ تجربہ پر انحصار کریں۔ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو کہ اس کی ہم کو تحقیق نہیں۔ اس دورِ جدید میں چند روحانیات (spiritualism) اور ہپناٹزم والے بھی نکلے ہیں جو روحانیات کے قائل ہیں۔ مگر وہ ابھی اس کی A, B, C, ہی میں ہیں۔ ایسے حال میں جنات کا انکار سوائے جہل کے اور کیا ہے؟ ہزار ہا چیزیں ایسی ہیں جن کا انکشاف اب ہوا ہے۔ اگر ہمارے بزرگ اپنی معلومات پر ہی قناعت کرتے یا جس کی تحقیق نہیں اس سے انکار کرکے بیٹھ رہتے تو علوم کا ارتقا کیسے ہوتا۔۔۔؟

- یہ بات بھی یاد رکھو کہ اگر کسی نے جن کے معنی بعض جگہ بعض وجوہ سے جراثیم کے لیے ہیں تو اس پر سخت حملے کرنا بھی بے جا ہے۔ دیکھو شیطان کے معنی معلوم ہیں ، مگر طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيٰطِيْنِ (سورۃ الصّٰفّٰت آیت 65) میں شیاطین سے مراد سانپ اور رؤس الشیاطین سے مراد ناگ پھنی اور چپل سینڈ لیے گئے ہیں۔ چنانچہ یاد رکھو کہ افراط و تفریط ، یعنی حد سے زیادہ بڑھانا یا حد سے زیادہ کمی کرنا ، بُری بلا ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 26 صفحہ 21 ، 22 اور پارہ 30 صفحہ 203 ﴾

89- الہام

☆ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا ط

❁ (خضر نے) کہا، اگر تم میری اتباع کرنا چاہتے ہو تو جب تک میں خود بیان نہ کروں تم کسی شئے کا سوال نہ کرو۔ (سورۃ الکھف آیت 70)

- بزرگوں کا ایک فارسی قول ہے جس کے معنی ہیں ـــ " شاگرد کا کام ہے کہ احکامِ ظاہری میں تحقیقات کرے ، بحث و مباحثہ کرے۔ اور مرید کا کام ہے کہ روحانیات اور اسرارِ الٰہی میں مرشد کی بات دل لگا کر سنے۔ وہ خود مناسب سمجھے گا ، بتا دے گا"۔

- صاحبو! اس مقام پر لطیف بحثیں ہیں۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا علم کیسا تھا اور خضر علیہ السلام کا کیسا؟ ـــ موسیٰ علیہ السلام کا علم کلیات کا تھا ، مبنی بَروحی تھا ، متعدی (fundamental) تھا۔ اس کی اتباع سب پر واجب تھی۔ جب کہ خضر علیہ السلام کا علم ، جزئیات کا اور الہامی تھا۔ ان کے تمام کام کشف اور الہاماتِ ربانی پر قائم تھے۔ حضرت موسیٰؑ کا راستہ اَور تھا اور حضرت خضرؑ کا اَور۔ موسیٰؑ تو صاحبِ زمانہ تھے ۔ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ صاحبِ مذہب و کتاب تھے۔ ان کے بعد جتنے پیغمبر آئے سب ان کے تابع تھے۔ اس پر ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ خضر علیہ السلام نے ان کے احکام کی مخالفت کیوں کی؟ ـــ اس کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے حدود و احکام و عمل الگ تھے اور خضر علیہ السلام کے الگ۔ اس لیے خضرؑ نے موسیٰؑ کی ان جزئیات میں اتباع نہیں کی۔ لیکن اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ کوئی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے احکام کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔ کیونکہ اِس وقت تو اُن کے حدودِ عمل روئے زمین پر جاری ہیں ، کوئی اس سے خارج نہیں ہو سکتا۔ اس وقت تمام دنیا کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔

- یاد رکھو کہ محمدیوں کو جو الہام ہو ، اس کو قرآن و حدیث پر پیش کرو۔ اگر قران و حدیث کے خلاف نہیں تو اس پر عمل کرسکتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ، معصوم کی تعلیم ہے۔ یقیناً وہ غلطی سے محفوظ ہے۔ ہمارا کشف و الہام ، ظنی یعنی probable ہے۔ جو یقینی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یقینی اور ظنی کا کیا جوڑ ہے۔۔۔؟ یہ بھی یاد رکھو کہ جس الہام سے قرآن و حدیث ساکت ہے اس پر عمل کرسکتے ہیں۔ مگر وحی کے مقابل ، الہام بہر حال قابلِ ترک (liable to desist) ہے۔

- دیکھو! عالمِ مثال میں غیر مرئی شئے مناسب صورت میں نمودار ہوجاتی ہے۔ حضور ﷺ نے علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا۔ بیماری کو پراگندہ بال لڑکی کی صورت میں دیکھا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا دوسرا ظہور ہے ، تجلیٔ تشبیہی ہے جیسے کہ آدمی خواب میں دیکھتا ہے۔ مکاشفہ بھی ایک قسم کا خواب ہے۔ خواب بے اختیاری ہوتا ہے اور مکاشفہ اختیاری۔ تشبیہ کا سمجھنا انسان کے خیال اور علم سے تعلق رکھتا ہے۔ بعض کشف ایسے ہوتے ہیں جیسے رویائے صادقہ کو جو دیکھا وہی دنیا میں ظاہر ہوا۔ اور بعض کشف بغیر طلب ہوتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتی ہے وہ تو بس ایک لمحہ کی بات ہے۔ خیال اس کو پھیلاتا ہے۔ اس کے اجمال کی تفصیل بتاتا ہے۔ جیسے تم اپنے دوست سے بات کر رہے ہو ، دفعتہً دل میں جواب آتا ہے۔ خیال کا آنا تو ایک سیکنڈ کی بات ہے ، لیکن جب اسے بیان کرنے بیٹھتے ہو تو گھنٹوں بھی لگ جاتے ہیں۔ تفصیل میں جتنی باتیں ہیں وہ اجمال ہی سے نکلی ہیں۔ بعض کشف میں انسان کا نفس دخل درمعقولات کرتا ہے۔ کچھ اپنے دل سے تکے بھی لگاتا ہے۔ اسی لیے صاحبِ کشف کو نفس کُشی کی ضرورت ہے کہ نفس جتنا ہے بلا کم و کاست اتنا ہی دکھا دے ۔۔۔ پیغمبروں کا نفس بالکل ساکن اور مطمئن رہتا ہے اسی لیے ان کے کشف کو وحی کہتے ہیں۔ جس قدر نفس میں سکون ہوگا ، اطمینان ہوگا اتنا ہی کشف صحیح ہوگا ، واقعہ کے مطابق ہوگا۔

- بہت سے لوگ اس مغالطہ میں بھی پڑے ہوئے ہیں کہ اگر مرشد ، اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف بھی حکم دے تو وہ واجب العمل ہے۔ نہیں! اصل بات یہ ہے کہ مرید کبھی مرشد کی بات پوری طور سے سمجھ نہیں پاتا۔ مگر جب تمام واقعات منکشف ہوجاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مرشد نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا خلاف نہیں کیا بلکہ مرید نے اپنی بے سمجھی سے اسے غلط طور پر سمجھا۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 15 صفحہ 123 تا 125 اور پارہ 29 صفحہ 94 ﴾

90 - بدعت

☆ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ط

ہم (تیری ہی بندگی کرتے ہیں) تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ (سورۃ الفاتحہ آیت 4)

- آج کل شرک کے ساتھ بدعت کا وظیفہ بھی پڑھا جا رہا ہے۔ آخر یہ بدعت ہے کیا؟ ۔۔۔کیا ہر نئی شئے بدعت ہے۔ تب تو زندگی وبال ہے ، جینا محال ہے۔ یہ پلاؤ ، یہ شیر مال ، یہ مٹن چانپ ، اور پوڈنگ کھانا بدعت ہے۔ چھاپے کے قرآن میں پڑھنا ، حدیث کی کتابیں چھپوانا ، بدعت ہے۔ ذرا غور کرو اس طرح توپ ، بندوق ، طیاروں اور ٹینکوں کا جواب تیر و تلوار سے کیوں کر دیا جائے گا ۔۔۔؟ جینا چاہتے ہو ، اسلام کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ جس قدر قوت ہوسکے اپنے دشمنوں کے لیے تیاری کرو (سورۃ الانفال آیت 60) پر عمل کرو۔

- لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیوی کام ہیں۔ بدعت دینی کاموں میں ہوتی ہے۔ تو وہ بتلائیں کہ کیا جہاد دنیوی کام ہے۔۔؟ کیا قرآن و حدیث کا طبع کروانا دنیوی کام ہے۔۔؟ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو چیز بہ طور عبادت کے کی جائے وہ بدعت ہے۔ تو وہ ذرا اس بات پر غور کریں کہ مسلمان کا کونسا کام ہے جو نیتِ صالح سے کیا جائے اور عبادت نہ ہو۔۔۔!

- کہا یہ بھی جاتا ہے کہ جس کا ذکر قرآن اور حدیث میں نہیں ، اس کا کرنا بدعت ہے۔ دیکھو! قرآن و حدیث تو ایسے ہمہ گیر ہیں کہ مسلمان کا ہر فعل اسی کے مطابق ہونا چاہیے۔ فقہا اور محدثین جو کچھ استنباط یعنی infer کرتے ہیں ان کا ماخذ قرآن و حدیث میں ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ کلی حکم جب بھی پایا جائے گا جزئیات میں پایا جائے گا۔ بے تکے پن سے عمل کرنا درست نہیں۔ یہ کیا بات ہوئی کہ تعین وقت اور کام و زمان میں کوئی مناسبت نہ رہے وہ تو جائز۔۔۔! لیکن مناسبتِ ضرورت (according to the need) اور

تعیین زمان و مکان سے یعنی as per time and work کیا جائے تو ناجائز۔۔۔! یہ بھی یاد رکھو کہ بدعت و حرام میں آدمی کی نیت کو بھی دخل ہے۔ کسی نے مستحب کام کو فرض سمجھا وہ یقیناً "تشریع فی الدّین" ہے ، اس لیے ناجائز ہے۔لیکن ، بلا ضرورت ، بعض کا کہنا یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ مستحبات و مباحات کو فرض سمجھنے لگے ہیں۔ غالبًا اس بارے میں انہیں علمِ غیب ہوجاتا ہے۔ ہم نے تو جن جن سے پوچھا ، کسی نے ان کو فرض سمجھا نہ واجب۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ یعنی بعض بدگمانیاں گناہ ہیں (سورۃ الحجرات آیت 12)۔

۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ تمام امور جو اصول و اغراضِ دین کے خلاف ہیں ، جن کا ماخذ قرآن و حدیث میں نہیں ہے یا جن کے سبب سے اصلِ دین پر بُرا اثر پڑتا ہے ، وہ قابلِ ترک ہیں یا قابلِ اصلاح ہیں۔ دیکھو! رسول اللہ ﷺ ہر سال حضرت حمزہؓ کی قبر پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ یہ عرس کا ماخذ ہے ۔۔۔ آپؐ نے دو قبروں پر کھجور کے پھڑے کے ٹکڑے کرکے ڈالے اور فرمایا کہ جب تک یہ تازہ ہیں ذاکر ہیں اور اس سے عذاب میں کمی کی امید ہے۔ یہ قبروں پر پھول چڑھانے کا ماخذ ہے کیونکہ پھولوں میں تازگی اور خوشبو دونوں ہیں ۔۔۔قرآن میں ہے اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ ، اللہ کی نعمت کا ذکر کرو جب کہ اس نے تم میں انبیاء بھیجے (سورۃ المائدہ آیت 20)۔ حضور ﷺ کے لیے ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور ہم نے تم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے (سورۃ الانبیاء آیت 107)۔ اور وہ فرماتا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا تم کہو اللہ کے فضل و رحمت کی (اے مومنو) خوشیاں مناؤ (سورۃ یونس آیت 58)۔ یہ میلادالنبیؐ کا منانا اُذْكُرُوْا اور فَلْيَفْرَحُوْا پر عمل کرنا ہے ۔۔۔ سارا قرآن بھرا پڑا ہے ذکرِ میلادِ آدمؑ ، یعقوبؑ و یوسفؑ ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سے۔ ہر قوم اپنے بزرگ کے میلاد یا موت کی یادگار مناتی اور اجتماع کرتی ہے۔تاکہ اس بزرگ کے حالات سے واقف ہو کر ان کی پیروی کرے۔ اس سے عمل کی راہ نکلتی ہے۔

مطلق تو ہے ، قید ہی میں لیتا صورت — بے قید کے ظاہر نہیں ہوتا ، حسرت
بدعت ہے وہ کام جو ہو مذہب کے خلاف — ہر شئے جو نئی ہو ، وہ نہیں ہے بدعت
ہوتی ہے نئی شئے سے نمایاں قدرت — کھانے میں لباس و اسلحہ میں جدت
بدعت ہے مخالفِ اصولِ اسلام — بدعت ہے نئی چیز کو کہنا بدعت
قرآن کا جمع تو نے جانا بدعت — اور اس کی طباعت کو بھی سمجھا بدعت
اس طرح تراویح کا پڑھنا بدعت — یہ سب بدعت ، تو تیرا جینا بدعت

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 24 تا 26 اور کلیات حسرتؔ صفحہ 124 ﴾

91 - اَلدِّ یْنُ یُسْرٌ

☆ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ط

اللہ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔(سورۃ البقرۃ آیت 185 کا حصہ)

☆ لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَھَا ط

اللہ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ (سورۃ البقرۃ آیت 286 کا حصہ)

- صاحبو! اعتقاد الگ چیز ہے اور عمل الگ چیز۔ بداعتقاد ، باغی ہے اور بد عمل ، مجرم۔ دونوں کی سزا ایک نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا نیک عقیدہ کو آخر نجات ہونی چاہیے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ کا ماننا (یعنی اللہ ، اور اس کے فرشتوں ، اور اس کی کتابوں ، اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں ، اور روزِ آخرت ، اور خیر و شر کا منجانب اللہ ہونا اور مرنے کے بعد اُٹھائے جانے پر ایمان) اور ان کا یقین کرنا ضروری ہے۔ مگر دین اس قدر آسان ہے کہ جس نے لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ کہا وہ بالآخر جنت میں جائے گا۔

- بڑی نادانی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ممکن چیز کا حکم دیا ہو اور تم اپنی جہالت اور آرام طلبی سے اس کو تکلیف سمجھو۔ ہمارے پاس تو یہ ہے کہ ہم نماز پڑھ کر اور دوسری عبادتیں کر کے استغفار پڑھتے ہیں اور اپنی کمزوری کا اعتراف کرتے ہیں اور ہرگز خدا پر یہ الزام نہیں لگاتے کہ اس نے ہماری طاقت سے زیادہ تکلیف دی۔ اور جھوٹی منطقی بحثیں نہیں نکالتے۔ کیونکہ ہماری ہار کا اعتراف ہی ہماری جیت ہے۔

☆ اسلام میں جو سہولتیں ہیں ہم ذرا ان میں سے کچھ پر نظر ڈالتے ہیں۔

- دیکھو! تیمّم کتنی بڑی سہولت ہے۔ پانی نہ ملے یا پانی کا استعمال کرنا ممکن نہ ہو ، خواہ بیماری کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے ، تو بس تیمّم کی نیت کے ساتھ دو ہاتھ دیوار پر مارو اور منہ پر پھیرلو۔ دوسری دفعہ دونوں ہاتھ دیوار پر مار کر کہنیوں تک پھیرلو۔ اگر ایک دفعہ کامل وضو کرلیں پھر اگر دن بھر جرابیں پہن رکھی ہیں تو پیروں کا مسح کرلینا کافی ہے۔ مسافر کو مسلسل تین روز تک کے لیے اس کی اجازت ہے۔

- ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا چاہیے۔بعض صحابہ ایک نماز کے آخر وقت اور ایک نماز کے ابتدائی وقت میں یکے بعد دیگرے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اس کو' جمع صُوری' کہتے ہیں۔ حقیقت میں اس صورت میں ایک نماز دوسرے کے وقت میں نہیں ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے زمانۂ حج میں ظہر و عصر و مغرب میں جمع تقدیم بھی کی ہے اور جمع تاخیر بھی کی ہے۔ میرے پاس نماز چھوڑنے سے بہتر ہے کہ کسی ایک امام کے قول کے مطابق ہی سہی ، مگر پڑھنا چاہیے۔ ایسے شخص کو میں' تارک الصلوٰۃ ' اور نافرمان نہیں سمجھتا۔ اور نہ اس کو گمراہ جانتا ہوں۔ میں جمع صلاتین (دو نمازوں کو ایک وقت پر ادا کرنے) کو قضا کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔ مگر ہاں میں یہ ضرور کہوں گا کہ آرام طلبی الگ چیز ہے اور ضرورت الگ چیز ہے۔ بعض جنگوں میں رسول اللہ ﷺ نے پانچ نمازوں کو ایک وقت بھی پڑھا ہے۔ دیکھو! فوجی سپاہیوں کا اپنی ڈیوٹی پر موجود رہنا ایک" ضرورت "ہے۔

- اسلام میں یہ کتنی بڑی سہولت ہے کہ سفر میں چار رکعت پڑھنا دشوار ہوتا ہے اس واسطے کہا گیا ہے ان تَقصُرُوا مِنَ الصَّلٰوۃِ ، نماز سے چند رکعتیں کم کرلو (سورۃ النساء آیت 101) یعنی دو رکعت پڑھو کا حکم ہے۔ سنن اور نوافل کے لیے وقت نہیں تو دو رکعت فرض نماز کو تو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

- نماز کے لیے عورتوں کا سر سے پاؤں تک ڈھکنا ضروری ہے۔ مرد اگر پورے کپڑے پہنے ہوئے ہو تو ماشاءاللہ ، مگر اس کے لیے ستر ڈھانک لینا بھی کافی ہے۔ ناف سے گھٹنوں کے کچھ نیچے تک مرد کی ستر ہے۔ ایک میرے دوست تھے۔ وہ نماز پڑھتے تو باقاعدہ شیروانی پہنتے ، سر پر پگڑی باندھتے اور پیروں میں جرابیں ہوتیں۔ اور کہتے میں اللہ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہوں۔ مجھے نماز پر ان کا اتنا اہتمام کرنا بہت پسند آتا۔

- لوگ بیماری یا درد کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے قابل نہ ہوں یا سجدہ نہیں کر پاتے یا پیر سمیٹ کر بیٹھ نہیں سکتے تو جس طرح بھی ممکن ہوسکے پڑھی جاسکتی ہے۔حتیٰ کہ شدید بیماری کی صورت میں اشاروں سے بھی پڑھ سکتے ہیں۔غرض جس طرح بھی ہوسکتا ہے ادا کرنا چاہیے ، چھوڑنا بُری بات ہے۔

- میرے پاس قرآن کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔ چاہے اس کے معنی معلوم ہوں یا نہ ہوں۔ قرآن کے الفاظ میں خود برکت ہے۔ اگر تمھاری زبان سے صحیح تلفظ ادا نہیں ہوتا تو کیا پرواہ کی بات ہے۔ کوشش تو کرو۔ اللہ کی عبادت سے دور تو نہ رہو۔

- روزہ کے لیے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہے تو وہ شام صبح دو وقت کسی غریب کو کھانا کھلادے۔ پھر اللہ تندرست کردے ، قوت عطا کردے تو روزوں کی قضا بھی کرلے۔ اگر کوئی شیخ فانی ہے یعنی اتنا

بوڑھا ہوگیا ہے کہ روزہ رکھ ہی نہیں سکتا تو اس کا کسی غریب کو دو وقت کھانا کھلا دینا کافی ہے۔

- ایک دفعہ ایک کرسچین نے لاہور میں لکھ مارا کہ قطب شمالی و جنوبی کے قریب چھ چھ مہینے کے رات دن ہوتے ہیں۔ پس وہاں کوئی روزہ نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا اسلام کے احکام تمام دنیا کے لیے نہیں ہیں۔ فقیر نے اس کے جواب میں تحریر کیا کہ :

(1) روزہ کچھ اسلام سے خاص نہیں ہے۔ یہودیوں ، عیسائیوں بلکہ ہندوؤں کے پاس بھی ہے۔ لہٰذا جو جواب تمھارا ہے ، وہی جواب مسلمانوں کا بھی ہے۔

(2) ان مقامات میں آدمی ہی نہیں بستے تو ایسے مقام کے لیے احکام ڈھونڈنا بے کار ہے۔

(3) جب ایک شئے نہ ہوسکے تو اس سے مشابہ تر کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک عورت آئسہ یعنی ایسی بوڑھی ہوگئی ہو کہ اسے حیض نہ آتا ہو تو اس کے تین حیض تین مہینوں میں بدل جاتے ہیں۔ اس اصول سے چھ مہینے رات چھ مہینے دن رہے بھی تو 24 گھنٹوں میں سے 12 گھنٹے کو دن سمجھو اور 12 گھنٹے کو رات۔ یوں گھنٹوں کے لحاظ سے نمازوں کا بھی انتظام کیا جاسکتا ہے اور روزوں کا بھی۔

(4) قرآن شریف میں فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ہے یعنی رمضان کے مہینے کو پاؤ تو روزہ رکھو ، ہے (سورۃ البقرۃ آیت 185)۔ جب رمضان کا مہینہ ہی نہیں تو روزہ بھی نہیں۔ دیکھو وضو میں منہ ہاتھ اور دونوں پاؤں دھونے چاہئیں۔ لیکن اگر ہاتھ کٹ گئے ہوں یا پاؤں کٹ گئے ہوں تو ان کا دھونا بھی نہ رہا۔

- اسلام میں روپیہ ایک جگہ رہنے کے لیے نہیں ہے۔ غریبوں کی امداد کرنا اسلام میں ضروری ہے۔ زکوٰۃ مالداروں سے لی جاتی ہے۔غریبوں کو دیجاتی ہے۔ ایک زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام کام خراب ہورہے ہیں۔ اگر زکوٰۃ دیتے رہیں تو یہ چندے بازی کی ضرورت ہی نہ ہو۔

- اسلام میں وصیت کی بھی بہت تاکید ہے۔ بیٹوں کے رہتے ہوئے پوتوں اور نواسوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا۔ وصیت سے ان کی مدد کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ ان محروم قربتداروں اور دیگر نیک کاموں میں ثلث (1/3) مال تک وصیت کرنے کا حکم ہے۔

- اہم یہ ہے کہ اللہ کی یاد ضروری ہے۔ اس کے احکام کی اطاعت ضروری ہے۔ جس کے دل میں اللہ کا خیال ہے ، اللہ سے ڈرنا ہے تو وہ کسی حال عبادت کے لیے کوئی نہ کوئی صورت اختیار کرہی لے گا۔ نہ کرنے والے کے لیے ہزار حیلے ہیں۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 2 صفحہ 42 تا 44 پارہ 3 صفحہ 65 ، 66 اور کتابچہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ مولفہ حسرتؒ ﴾

متفرقات - Miscellaneous

☆ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی، اللہ رحمٰن تختِ حکومت پر قائم ہے (سورۃ طٰہٰ آیت 5)۔ عربی میں عرش کا لفظ حکومت سے استعارہ ہوتا ہے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ فلاں کی تخت نشینی ہوئی ، یعنی اس کی مکمل حکومت قائم ہوئی۔ عالمِ مثال والوں کو ایسے ہی نظر آتا ہے جیسے کہ ایک تجلی ، مثالی تخت پر جلوہ گر ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے یعنی اس کے لیے علو اور بلندی ثابت ہے ، اس کی حکومت قائم ہے۔ دیکھو! عرش خود اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔ کون سی جگہ ہے جہاں اس کی حکومت نہیں۔ عرش پر اس کی حکومت ہے۔ فرش پر اس کی حکومت ہے۔ یہ سب اللہ کی ملک ہے۔' عرشی ' ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ نہیں سمجھتے بلکہ صرف عرش پر سمجھتے ہیں۔ دراصل استعارات کو نہ سمجھنے سے اس طرح کی بڑی غلط فہمیاں ہو رہی ہیں۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 16 صفحہ 70 ﴾

☆ صاحبو! ہر قوم میں ایک دن عبادت کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ جمعہ ، مسلمانوں کی ہفتہ واری عید ہے۔ ہفتہ ، یہودیوں کی۔ اور اتوار عیسائیوں کی عید کا دن ہے۔ یہ یہودی جب سبت یعنی ہفتہ کا دن مناتے تو مچھلیاں سمندر کے کنارے سر اٹھائے آتیں ، دوسرے دنوں میں نہ آتیں۔ یہ حال دیکھ کر ان کے منھ میں پانی بھر آتا۔ سبت کے دن وہ مچھلیوں کا شکار تو نہ کرتے مگر ایک بند سا بنا کر ان مچھلیوں کو روک لیتے اور دوسرے دن پکڑ لیتے۔ سبت کی تو غرض یہ تھی کہ شکار نہ کریں ، نہ تجارت کریں بلکہ اس دن عبادت ہی کریں۔ لیکن وہ تاویل کرتے کہ ہم ہفتہ کے روز شکار نہیں کرتے بلکہ دوسرے دن کرتے ہیں۔ وہ بند بنانے کو شکار کے عمل میں شامل نہ کرتے۔ ایسی بے جا تاویل مذہب کو دل لگی اور تماشا بنا دیتی ہے۔ مسلمانوں کی عبادت کا دن جمعہ کا ہے۔ مگر ہو رہا ہے کیا۔۔۔؟ کہتے ہیں ہفتے میں ایک دن تو چھٹی کا ملا ہے کیا اس میں بھی سینما نہ دیکھیں؟ باغ میں سیر کو نہ جائیں؟ گارڈن پارٹی نہ کریں؟ جمعہ کی نماز ایک طرف رہ جاتی ہے اور جو کام آج کے دن نہ ہونے کے ہیں وہ ضرور کیے جاتے ہیں۔ یہ قوم کی بدنصیبی ہے۔

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 9 صفحہ 54 ﴾

92 - کرشمہ ہائے قدرت

☆ اَلَآ اِنَّھُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّھِمۡ ۔اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ ط

ہاں! یہ دیدارِ الٰہی کے متعلق شک میں پڑے ہیں۔ ہاں! اللہ سب کو محیط ہے (کوئی اس کے احاطۂ ذاتی سے خارج نہیں)۔ (سورۃ حٰم السجدہ آیت 54)

- صاحبو! یہ آیت عقائد کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ دوستو! ذرا غور کرو کہ جتنی چیزیں ہیں یہ سب مادّیات ہیں۔اور مادّے کا قاعدہ تو یہ ہے کہ ساکن ، ہمیشہ ساکن رہتا ہے جب تک کہ کوئی اسے متحرک نہ کرے۔ اور متحرک ، ہمیشہ متحرک ہی رہتا ہے تا وقت یہ کہ اسے کوئی ساکن نہ کرے۔حرکت و سکون ، دونوں مادّے سے باہر ہیں تو پھر یہ دنیا کیوں کر چل رہی ہے۔ یہ دوڑ دھوپ کیوں کر ہو رہی ہے۔ اور یہ حرکت اور اس کے ساتھ ساتھ برکت کیوں ہے؟--- یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

- صاحبو! ذرا دنیا پر بھی غور کرو۔ تمام چیزوں میں ایک نظام ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ باقاعدہ تحتِ قانون ہورہا ہے۔ اس نظام کا ایک مرکز ہونا چاہیے۔ وہی تو رب العالمین ہے۔

ایک ہم آہنگی سب میں ہے موجود
جو سراغِ رہِ حقیقت ہے

- صاحبو! ذرا خود اپنے آپ پر غور کرو۔ دنیا بھی متغیر ہے اور خود ہم بھی متغیر ہیں۔ ہر آن ، ہر لحظہ فنا اور بقا لگی ہوئی ہے۔ کچھ کھویا جاتا ہے ، کچھ پایا جاتا ہے۔ بعض حکما کہتے ہیں کہ 7 سے 12 سال میں اتنا تغیر پیدا ہوجاتا ہے کہ جسم کا پہلا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہتا۔ یہ بات تو ظاہر ہے اور سب کو اس بات کا تجربہ بھی ہے کہ 12 سال پہلے کی باتیں ہم کو یاد ہیں۔ گویا مادہ تو متغیر ہے لیکن علم باقی ہے۔ اگر مرکزِ علم ، مادّہ ہوتا تو جیسے جیسے مادّہ فنا ہوتا ہے علم بھی فنا ہوتا۔ اور یہ تو خلافِ واقعہ ہے۔ لہٰذا مادّیات کے علاوہ غیر مادّی چیزیں بھی ہیں۔ میں ہوں ، میرا علم ہے۔ 100 برس پہلے میں کب تھا اور 100 برس

بعد امید نہیں کہ میں رہوں گا۔ پھر میں آیا کہاں سے؟ پردۂ غیب سے؟ جب میری ہستی بالذات نہیں۔ میرا وجود اصلی نہیں، تو یہ سب ضرور ایک اصلی اور 'حقیقی وجود' والے کے کرشمہ ہائے قدرت ہیں۔

- ایک کلاس میں چند بچے ہیں۔ ایک بچہ دوسرے بچہ پر آگرتا ہے۔ وہ بگڑ جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم کیوں مجھ پر آکر گرے۔ وہ بچہ عذر کرتا ہے کہ مجھے دوسرے نے دھکا دیا اور میں تم پر آن گرا۔ جس سے پوچھا جاتا ہے سب کا جواب یہی ہوتا ہے کہ میں خود سے نہیں آگرا، بلکہ دوسرے نے مجھے دھکا دیا۔ دیکھو! چھوٹا بچہ بھی اس پر یقین نہیں کرتا، اور سمجھتا ہے کہ ان میں حرکت کی ابتدا کرنے والا کوئی ضرور ہے۔ یہ کیا بات کہ کوئی بالذات حرکت کرنے والا نہیں، کسی کی ذاتی حرکت نہیں، تو پھر یہ حرکت ہوئی کیسے۔۔۔؟ پیدا ہی کیوں کر ہوئی ۔۔۔؟ یعنی بچہ بھی سمجھتا ہے کہ وجود بالعرض، بغیر وجود بالذات کے نہیں ہوسکتا۔ یعنی ہم بغیر اللہ کے، اور مخلوق بغیر خالق کے، اور ممکن بغیر واجب کے نہیں ہوسکتے۔

- دیکھو! خدا ہونے کا علم بدیہی یعنی self-evident ہے۔ کسی عرب بدو سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا 'اَغْنَی الصَّبَاحُ عَنِ الْمِصْبَاحْ' یعنی صبح کے دکھانے کے لیے چراغ کی کیا ضرورت ہے؟ ۔۔۔ بہر حال ہم کو اپنے میں شک ہوسکتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے ہونے میں ہرگز شک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہم ہر وقت متغیر ہیں اور اللہ تعالیٰ قائم و دائم ہے۔ وہ، اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہے۔

لَآ اِلٰہ اِلاَّ ھُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ الصَّادِقُ الْاَمِیْنُ.

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفترے ز معرفتِ کردگار

(چمن کے ان سبز پتوں پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالیں۔ اس کا ہر پتہ تمہیں کرشمۂ قدرت کا ایک شاہکار ملے گا)

٭ بحوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 25 صفحہ 5 اور 6 ٭

93 - تصوف

☆ هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ

۞ وہ(اللہ) ہی اول ہے اور(وہی) آخر ہے اور(وہی) ظاہر ہے اور(وہی) باطن ہے۔

(سورۃ الحدید آیت 3 کا حصہ)

☆ غور کرو کہ تصوف ہے کیا۔۔۔؟

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور بندوں سے اس کا ربط کن کن علوم میں بیان کیا جاتا ہے۔۔؟

- ان چیزوں پر متکلم عقلِ سلیم سے غور کرتا ہے۔ صوفی بھی انھیں سے بحث کرتا ہے مگر روحانی قوت سے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسماء و صفات سب قدیم ہیں۔ ان پر عقل والے اور کشف و اشراق والے سب ہی غور کرتے ہیں۔ اصل چیز قدیم رہتی ہے مگر بیان کرنے والے اس کے لیے اصطلاحاتِ مقرر کرتے ہیں۔ ان اصطلاحات کے نئے ہونے سے اصل شے نئی نہیں ہوجاتی۔ ہر شخص اپنی طرز اور نظریے سے اصطلاح بناتا ہے۔ اللہ اور اس کے صفات کے متعلق تمام پیغمبر ایک ہی بات کہتے ہیں۔

- متکلم (یعنی مذہبی امور کو عقلی دلیلوں سے ثابت کرنے کی مہارت رکھنے والے) سے پوچھیے ، وہ کہتا ہے خدا ایک ہے اور اس کی صفات قدیم ہیں۔صوفی (یعنی اتباعِ نبوت سے ممتاز اور کشف وشہود سے سرفراز شخص) بھی کہتا ہے کہ اللہ اور اس کی صفات قدیم ہیں۔

- مثال کے طور پر اوپر بیان کردہ آیت کو لیجیے۔ متکلم نے اللہ تعالیٰ کے متعلق کہا ، وہ سب سے پہلے تھا ، اس کا وجود بالذات ہے ، اس کے سوا جتنے ہیں سب حادث یعنی new emergences ہیں۔ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے اول ہے۔ اور صفات کے لحاظ سے ظاہر ہے۔ اور آثار کے لحاظ سے ظاہر ہے۔ اور وہ ذات کے لحاظ سے باطن ہے۔ صوفی کہتا ہے ھُو سے مراد ذاتِ واحد ہے۔ اول و آخر، ظاہر و باطن ، یہ سب اس کے درجے ہیں۔ اس کو صوفی ، وحدتِ مطلقہ (absolute solitariness) کہتے ہیں۔ وہ ذات کو احدیت کہتے ہیں اور صفات کے لحاظ سے واحدیت۔ صوفی کے پاس اصل صفات ، حیات ، علم ، سماعت ،

بصارت ، قدرت ، ارادہ اور کلام ہیں۔ متکلم ، اللہ اور بندے کے ربط کے جاننے میں عاجز ہے۔ صوفی کہتا ہے ، اصل اللہ کی ذات بالذات ہے تو یہ سب بالعرض چیزیں اس سے غیر نہیں۔ بالذات کے بغیر کوئی بالعرض موجود نہیں ہو سکتا۔ وہ صاف صاف کہتا ہے کہ :

یہ سب روپ تیرے ، تو بہروپیا ہے
تو ہر رنگ میں رہ کے سب سے جدا ہے

کیا یہی معنی اس آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ سے نہیں نکلتے ۔۔۔؟ صوفی رات دن اللہ کی یاد کرتا ہے اور اس کو تجربہ و احساس ہوتا ہے کہ خدا کے سوا موجود بالذات کوئی نہیں۔

- ابھی ہم نے بیان کیا کہ تمام پیغمبر ذات و صفاتِ الٰہی کو جانتے تھے اور مسلمان بھی ہمیشہ سے جانتے ہیں۔ کیا تصوف ، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو جاننے کے سوا کچھ ہے۔۔۔؟ ہرگز نہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اسلام ، خاتم النبیین کا مذہب ہے۔ یہ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (اور میں نے اپنی نعمت تم پر تمام اور پوری کردی۔ سورۃ المائدہ آیت 3) کی عنایت ہے ۔۔۔ مسلمانوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا کوئی نہیں۔ کوئی نور اور روشنی کی پوجا کرتا ہے ، کوئی فعل و انفعال ، باپ بیٹا اور روح القدس ، مادّہ و صورت ، جیو اور خلو کا قائل ہے۔ توحید تو صرف مسلمانوں کا حصہ ہے۔

- اس وقت تو میں نے چند اشارے کردیے ہیں۔ تصوف پر میرے متعدد رسالے ہیں۔ جن کو مزید تحقیق کی ضرورت ہو میری حسب ذیل کتابیں دیکھے۔

(1) مرأۃ الحقائق

(2) حکمت اسلامیہ

(3) ترجمہ فصوص الحکم

(4) مکاتیب عرفان

﴿ حوالہ تفسیر صدیقی - مقدمہ (جلداول) ، صفحہ 63 تا 65 ﴾

94 - صفاتِ کمالیہ

☆ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ط

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ تعریف اللہ ہی کی ہے جو تمام عالموں کی پرورش کرنے والا ہے۔ (سورۃ الفاتحہ آیت 1)

- صفاتِ کمالیہ کے اس موضوع کو جاننے کے لیے چند امور قابلِ بیان ہیں جن کے پورے طور سے نہ سمجھنے سے بڑے بڑے اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔

☆ ذات ، صفات اور اسماء میں کیا فرق ہے؟

- ذات (person or anything physical) : ذات وہ مستقل شئے ہے جو مرجعِ صفت ہوتی ہے۔ جیسے سفید کاغذ۔ سفید کا مرجع ، کاغذ ہے۔

- صفت (adjective) : وہ غیر مستقل شئے جو مستقل شئے میں ہوتی ہے۔ سفیدی ، غیر مستقل ہے جو مستقل کاغذ میں پائی جاتی ہے۔

- اسم (name) : ذات و صفات کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ جیسے الرَّحۡمٰنُ ، صاحبِ رحم ، یعنی وہ ذات جو رحم رکھتی ہے۔

- پس اللہ ، ذات ہے۔ رحم ، صفت ہے۔ اور رحمٰن و رحیم ، اسماءِ الٰہیہ ہیں۔ ایک دفعہ اللہ کا لفظ کہا جاتا ہے مقابل صفات کے۔ مثلاً ، اللہُ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ، اور وہ اسمِ ذات ہوتا ہے۔ ایک دفعہ اللہ کا لفظ بندے کے مقابل کہا جاتا ہے اور اس وقت ذات ، جامعِ صفاتِ کمالیہ مراد ہوتی ہے۔ یہ یاد رکھو کہ تعینِ ذاتی ہر حال میں باقی رہتا ہے اور تعین ، بااعتبارِ اسماء و صفات بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً زید پہلے بچہ تھا۔ پھر جوان ہوا۔ پھر ادھیڑ عمر ہوا۔ پھر بوڑھا ہوا۔ تو اس کا بچپن ، جوانی ، ادھیڑ پن اور بڑھاپا ، زید کے صفاتی تعین ہیں۔ لیکن ذاتی تعین یعنی اس کا زید ہونا ، جوں کا توں رہا۔

☆ صفات دو قسم کی ہوتی ہیں۔

(1) انضمامی : (conjunctional) وہ صفت جو خارج میں موصوف کے وجود کے سوا ایک قسم کا کمزور وجود رکھتی ہے جو موصوف سے وابستہ رہتا ہے لیکن مستقل طور پر پایا نہیں جاتا۔ جیسے دیوار میں سفیدی۔ سفیدی عارض ہوتی ہے تو دیوار سفید کہلاتی ہے۔ سیاہی لاحق ہوتی ہے تو دیوار سیاہ کہلاتی ہے۔

(2) انتزاعی : (prepositional) وہ صفت جو خارج میں خود تو وجود نہیں رکھتی۔ مگر خارج میں اس کا موصوف یا اس صفت کا منشا اس طرح واقع ہوتا ہے کہ اس سے صفتِ انتزاعی سمجھی جاتی ہے۔ جیسے آسمان اور زمین سے اوپر یا نیچے ہونے کو سمجھا جاتا ہے۔ اس کا منشا ذہن میں ہوتا ہے۔

☆ اب یہ دیکھتے ہیں کہ ذات ، صفتِ انضمامی ، صفتِ انتزاعی اور جھوٹ میں کیا فرق ہے؟۔۔۔ مثال کے طور پر ہمارے سامنے شام کا رہنے والا ایک شخص بیٹھا ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے جو خارج میں موجود ہے جس سے اس کی ذات معلوم ہوئی۔ گورا رنگ معلوم ہوا ، جو صفتِ انضمامی ہے۔ بیٹھا ہونا معلوم ہوا جو صفتِ انتزاعی ہے۔ اب اگر کوئی اس کے گورے رنگ کو کالا کہہ دے یا اس کے بیٹھے رہنے کو کھڑا ہوا کہہ دے تو یہ غلط بات ہے ، جھوٹ بات ہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ لفظ کے زبان پر ، اور معنی کے ذہن میں رہنے سے شئے موجود نہیں ہوتی بلکہ شئے کو موجود اس وقت کہیں گے جب خود شئے خارج میں موجود ہو ، یعنی منشا موجود ہو۔

☆ وجود ، عینِ ذاتِ حقہ ہے یعنی خارج میں بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بالعرض ہے۔ لہٰذا صفاتِ الٰہی سب انتزاعی ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کے سوائے ہیں ، نہ انضمامی ہی کی طرح ہیں۔ کیونکہ انضمامی کو خارج میں موصوف کے سوا ، ایک قسم کا ضعیف وجود صحیح ، مگر رہتا ضرور ہے۔

☆ وجودِ حقیقی کو وجود بالذات بھی کہتے ہیں۔ وجود کے سوائے دوسرے صفاتِ الٰہی کا لحاظ رکھا جاتا ہے تو اسماء الٰہی منتزع ہوتے ہیں ، conceive کیے جاسکتے ہیں۔ صفات الٰہی ، منشا اور منتزع عنہ کے لحاظ سے عینِ ذات ہیں۔ اور بعدِ انتزاع سمجھنے میں جدا جدا۔ مُحیٖ کے معنی اور ہیں اور مُمیتُ کے معنی اور۔ اللہ کے معنی ان سب سے جدا ہیں جو ان سب کا موصوف ہے۔ اسی بات کو اس طرح بھی کہتے ہیں کہ صفات الٰہی ، لا عین ولا غیر ہیں۔

- اللہ کے بعض اسماء ، وجودی ہیں۔اثباتی ہیں۔ جیسے حَیّ ، عَلِیْمٌ ، قَدِیْرٌ ۔ بعض عدمی و سلبی ہیں۔ جن سے ذاتِ الٰہی کا عیوبِ مخلوقات سے پاک ہونا ظاہر ہوتا ہے۔جیسے سُبُّوْحٌ ، قُدُّوْسٌ ، صَمَدٌ۔ بے نیاز ، غنی بے احتیاج۔بعض صفاتِ حقیقی ، اضافی ہیں۔ جیسے عَلِیْمٌ ، کہ ہے تو وجودی اور حقیقی صفت ، مگر اس کو معلوم کی طرف اضافت و نسبت بھی ہوتی ہے۔بعض صفات اضافی محض ہوتے ہیں۔جیسے اَوّلُ وَ اٰخِرُ۔

- اللہ کے نام کے ساتھ رَبّ کی صفت اس لیے بیان کی گئی کہ کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ پیدا ہونے کے بعد اب آزاد ہیں۔ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔نہیں ، تم جس طرح پیدا ہونے میں اس کے محتاج تھے اب ہر آن ، ہر لحظہ ، اس کی امداد کے ، اس کی پرورش کی طرف محتاج ہو۔ تمھارے صفات اس کے کمالات کی طرف محتاج ہیں۔ اس دائمی امداد کو " نفسِ رحمانی" کہتے ہیں۔ جس طرح چراغ روشن رہتا ہے تو ہر آن تیل امداد کرتا ہے ، یہ شعلہ بہ ظاہر قائم نظر آتا ہے مگر حقیقتاً ہر آن فنا ہوتا رہتا ہے اور تیل اس کو تازہ وجود عطا کرتا ہے۔ اسی طرح ماسوا اللہ ، فنا ہوتے جاتے ہیں اور نفسِ رحمانی سے تازہ وجود پاتے ہیں۔ اس کو" تجددِ امثال " کہتے ہیں۔

- وجودِ حقیقی یا وجود بہ معنی ما بہ الموجود یعنی وہ شئے جس کو دیکھ کر ہم چیز کو 'ہے' سمجھتے ہیں درحقیقت واقع میں ہے۔ یہ تمام دنیا بھی بے حقیقت اور خیالی نہیں ہے۔مگر اس ساری دنیا کا قیام ہے کس پر؟--- اس کے لیے ہم غور کرتے ہیں کہ اس ما بہ الموجود (all that exist) یا وجودِ حقیقی کے مقابل کیا شئے ہے۔ وہ ہوگی عدمِ محض یعنی non-existence یا nothingness۔ بھلا عدمِ محض کیوں کر موجود ہوسکتا ہے۔ اگر عدمِ محض موجود ہو تو پھر اجتماعِ نقیضین یعنی combining the two opposites لازم آجائے گا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ دنیا ہے اور دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ بھی ہیں۔ لیکن یہ سب چیزیں انتزاعی ہیں۔ پھر عدم کو کس طرح سمجھا جاتا ہے؟ اور منتزع یا visulaize کس سے ہوتا ہے؟--- یاد رکھو! عدم ، ہمیشہ وجود سے مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ جب تک خدا محسوس نہ ہوگا ، بندہ ہرگز سمجھ میں نہ آئے گا۔ پس ایک عجیب معنی نکلے " مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" کے---!

- غرض کہ صفات الٰہیہ انتزاعی ہیں انضمامی نہیں۔ یعنی prepositional ہیں ، conjunctional نہیں۔ کیونکہ صفت انضمامی بھی وجود رکھتی ہے۔ اور ذات موصوف سے خارج ، مگر وابستہ رہتی ہے۔ چونکہ وجود

عینِ ذات ، واجب تعالیٰ ہے لٰہذا کوئی شئے ذاتِ واجب تعالیٰ سے خارج نہیں ہوسکتی۔ خواہ خود واجب تعالیٰ کے اسماء و صفات ہوں یا ذواتِ ممکنات (یعنی یہ دنیا)۔ پس اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب انتزاعی ہے۔

☆ واضح ہو کہ صفاتِ الٰہیہ تین قسم پر ہیں۔

(1) صفات حقیقیہ محضہ : جو ذات کی اصلی صفتیں ہیں۔ ان کو کسی اور کی طرف نسبت کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے حیٰوۃ۔

(2) صفاتِ حقیقیہ ذات اضافت : جو ہیں تو حقیقی صفات مگر ان کو اضافت و نسبت ، الی الحق ہوجاتی ہے۔ جیسے علم ، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے مگر معلوم سے بھی اس کو ربط و تعلق ہے۔

(3) صفات اضافیہ محضہ : موصوف میں ان صفات کا کوئی وصف قائم نہیں ہوتا۔ بلکہ موصوف کو کسی اور سے نسبت دی جاتی ہے تو ایک صفت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً زید تمھارے سامنے کھڑا تھا تو 'سامنے' کی صفت منتزع ہوئی اور جب وہ تمھارے پیچھے آکر کھڑا ہوگیا تو 'پیچھے' کی صفت منتزع ہونے لگی۔

- یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ اور صفاتِ حقیقیہ ذاتِ اضافت ، ازلی اور ابدی ہیں۔ ان کے وجود میں کسی اور کی طرف اضافت و نسبت کی حاجت نہیں۔ ایسے اوصاف ہی 'صفاتِ کمالیہ' ہیں۔

- جو شئے سب کی اصل ہو ، حقیقی وجود ہو ، بالذات موجود ہو ، ازلی و ابدی ہو ، تمام موجودات کا مرجع و مآب وہی ہو ، نہ اس کا ضد ہو نہ ند۔ وہی ، لاریب واجب الوجود ہے ، وہی منبع الوجود ہے ، وہی حق معبود ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ط اَللّٰهُ الصَّمَدُ ط لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ط وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ط

؎ حوالہ تفسیر صدیقی - سورۃ الفاتحہ صفحہ 1 تا 7 اور حکمت اسلامیہ از مولانا محمد عبد القدیر صدیقی حسرت ؎

95 - تجلیاتِ الٰہیہ

☆ وَ اِذۡ قُلۡتُمۡ یٰمُوۡسٰی لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ط

اور (یاد کرو) جب کہ تم نے کہا، اے موسیٰ! ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو (ظاہر بظاہر) علانیہ نہ دیکھ لیں گے تب تو تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ (سورۃ البقرۃ آیت 55)

☆ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ط

(اور کتنے چہرے اس دن) اپنے رب (یعنی اس کی تجلیات) کو دیکھتے ہوں گے۔ (سورۃ القیٰمہ آیت 23)

☆ واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دو قسم کی تجلیات یا دو شانیں ہیں۔

(1) شانِ تنزیہ : تجلیٔ ذاتی ، جس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا ، یعنی احدیتِ ذات۔ اس شان کا دیدار نہیں ہوتا بلکہ اس شان کے انکشافات کے وقت خود بندہ فنا ہوجاتا ہے۔ یہ حالت ، موت سے زیادہ ہے۔ موت میں تو عالمِ برزخ کی طرف روح کی توجہ ہوجاتی ہے۔ اس حالت میں تو یہ ہے کہ" جو رہی سو بے خبری رہی "۔۔۔ یاد رکھو کہ جب تک فنائیت نہ آئے کوئی ولی نہیں ہوتا۔ کیا ہر بے ہوش ہونے والا شخص فنا کو پہنچ جاتا ہے۔۔۔؟ کیا جس نے کلوروفارم سونگھا وہ مرتبۂ فنا کو پہنچ گیا۔۔۔؟ ہرگز نہیں۔ اس مرتبہ میں دوئی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں ، میں اور تُو کو دخل نہیں۔ یہ مرتبہ، وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ کا ہے۔ جو فنافی اللہ ہوجاتا ہے وہ کنزالعرفان ، مخزنِ تجلیاتِ الٰہی اور صاحبِ نفسِ مطمئنہ ہوجاتا ہے۔ فنائیت ایک عظیم الشان کیفیت ہوتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس وقت سوائے وَاحِدِ قَهَّارٌ کے کوئی نہیں رہتا۔

(2) شانِ تشبیہ : دوسری تجلّی ، اسماء و صفاتِ الٰہی کی ہے۔ اور اس کا مقام واحدیت کا ہے۔ اور یہ عالمِ مثال سے متعلق ہے جو غیر مرئی سے مناسب صورت میں نمودار ہوجاتی ہے۔ کیا قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا ؟--- لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ، لوگوں کی آنکھیں اس کا ادراک اور احاطہ نہیں کرسکتیں اور وہ لوگوں کی آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ نہایت باریک بین اور بڑا ہی باخبر ہے(سورۃ الانعام آیت 103) ۔ اس آیت سے جو نفی کی گئی ہے وہ تجلّی ، تنزیہی ہے یعنی تجلّیٔ ذاتی ہے۔لیکن ایک دوسری آیت میں ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ط اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ، قیامت کے دن بعض لوگوں کے چہرے تر و تازہ ہوں گے ، اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے(سورۃ القیمۃ آیت 22 ، 23)۔ ایک اور جگہ ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ط كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ، ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ آگیا ہے (یہ کیوں ؟) یہ ان کے کرتوتِ بد کا نتیجہ ہے۔ (اس سیاہ دلی کا اور کیا نتیجہ نکلا؟) یہی نہیں بلکہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنے رب سے حجاب میں رہیں گے (سورۃ التطفیف آیت 14 اور 15)۔یعنی دیدارِ الٰہی سے محروم رہیں گے۔ جو عالمِ مثال سے ناواقف ہیں وہ مطلقاً دیدارِ الٰہی سے انکار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے دیدارِ الٰہی سے ہم کو بھی کچھ انکار نہیں۔ جو دیدارِ الٰہی کا یقین نہیں رکھتے بے شک ان کو دیدارِ الٰہی نہ ہوگا۔ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ، اور جو یہاں کا اندھا وہ وہاں کا بھی اندھا (سورۃ الاسراء آیت 72) --- یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جتنا اعتقاد اور علم ہوگا اتنا ہی قیامت میں شہود ہوگا۔ دنیا دارالعمل ہے ۔ اپنے کو ترقی دینے کی جگہ یہی ہے۔

حسرتؔ جو میرے علم میں ہے جلوہ فگن آج
کل آئے گا وہ بن کہ تماشہ میرے آگے

- یاد رکھو! ہم کو ہیولانی خیال یعنی concerned with the matter رہنا چاہیے۔ جو صورت سامنے آئے اس سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ ، بہ روزِ قیامت ہم شرفِ دیدارِ الٰہی سے ضرور مشرف ہونگے۔

بہ امیدِ دید میں نے کیا موت کو گوارا
مری جان مفت کب تھی کہ جو یوں نثار ہوتا

o حوالہ تفسیر صدیقی پارہ 1 صفحہ 99 ، 100 پارہ 7 صفحہ 120 ، 121 پارہ 29 صفحہ 93 ، 94 پارہ 30 صفحہ 63 ، 64

اور حکمت اسلامیہ از محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؒ ٭

96 - دعا

☆ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ط

❁ اور تمھارے پروردگار نے فرمایا، تم دعا کرو میں قبول کرتا ہوں (مانگو، میں دیتا ہوں)۔ بے شک جو لوگ میری بندگی سے خود کو اعلیٰ و ارفع سمجھتے ہیں، وہ ذلیل و خوار ہوکر دوزخ میں جائیں گے۔ (سورۃ المؤمن آیت 60)

- صاحبو! اللہ تعالیٰ کا دینا حق ہے۔ جو مانگے گا اس کو اللہ ضرور دے گا۔ کسی کو خالی ہاتھ نہ پھیرے گا۔ بے وقت مانگوگے، بے محل طلب کروگے تو اس کا بھی بہتر سے بہتر معاوضہ عطا کرے گا۔ یہاں مناسب نہ ہوگا تو وہاں دے گا۔ بہر حال تمھارا مانگا خالی نہ جائے گا۔ کیونکہ وہی مانگتا ہے جو اپنے آپ کو محتاج سمجھتا ہے۔ یہی تو بندگی ہے۔ اسی لیے تو دعا "مُخُّ الْعِبَادَةِ" یعنی the essence of all obedience کہلاتی ہے۔

- اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ جب تقدیر کا لکھا اٹل ہے تو دعا کرکے کیا حاصل؟--- اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر ہی میں لکھا ہوا ہے کہ تم دعا کروگے تو ہی اللہ قبول کرے گا۔ اس طرح تمھاری دعا بھی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ دیکھو لوگ مختلف دعائیں کرتے ہیں۔ کوئی دعا کرتا ہے کہ خوب پانی برسے۔ دوسرا دعا کرتا ہے کہ پانی نہ برسے کیونکہ مکان پرانا ہے، گرجائے گا اور بہت نقصان ہوگا۔ سوچو! اب اللہ تعالیٰ کس کی دعا قبول کرے گا، اور کس کی نہ کرے گا۔ حالانکہ وہ فرماتا ہے "تم دعا کرو، میں قبول کرتا ہوں"۔

- ایک بات یاد رکھو کہ اگر کوئی تمھیں ایک چیز نہ دے بلکہ اس کی جگہ بہترین معاوضہ دے، تو وہ بھی دینا ہی ہے۔ قبول کرنا ہے۔ مسئلہ زیر بحث میں جو دعا، نظام عالم کے موافق ہے وہ تو اسی دنیا میں قبول ہوجاتی ہے اور جو اس دنیا کے قابل نہیں اس کا بدلہ آخرت میں ملے گا۔ اور ایسا ملے گا کہ جن کی

دعائیں دنیا میں قبول ہوئی ہیں وہ کہیں گے کہ کاش ہماری ایک دعا بھی دنیا میں قبول نہ ہوتی۔ دنیائے فانی کا عطیہ اور آخرت کا عطیہ ۔۔۔ بھلا ان دونوں میں کیا جوڑ ہے۔۔۔؟

- بہر حال کوئی دعا بغیر قبولیت کے نہیں رہتی۔ اس کا راز یہ ہے کہ دعا وہی کرتا ہے جو اپنے آپ کو محتاج سمجھتا ہے۔ اور یہی اصلِ بندگی ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ دعا ایسی کرنی چاہیے کہ کرنے والے کی حالت کے مناسب ہو۔ معمولی آدمی اگر یہ دعا کرے کہ مجھے بادشاہت مل جائے تو یہ لغو اور فضول ہے۔ یوں آدمی اپنی کمبل دیکھ کر پاؤں پھیلائے۔

☆ عبداللہ کی دعا

یا اللہ! تیری کنہ کے ادراک میں شہباز ، بلند پرواز فکرِ سلیم ، پر و بال شکستہ ہے۔

(Oh God ! for the understanding of your existence, this bird is flying without wings)

اور تیری معرفت کے سنگستان میں تو ، سن عقل قدیم سکندری ، خوردہ ہے۔

(And to become aware of your essence, all my imaginations are confined)

تجھے کوئی نہیں جانتا تو پھر میں کس کو مانتا ہوں ؟

(If nobody has full knowledge of Yours, then upon whom I have my faith ?)

تو پوشیدہ ہے تو تجھے کس نے چھپایا؟

(You do not appear, but who has hidden You ?)

تو عیاں ہے تو پھر کہاں ہے؟

(If You are exposed, then where are You ?)

اگر تو عرش پر ہے تو مجھے بال و پر دے کہ اڑ کر تجھ تک پہنچوں۔

(If You are on the highest heaven, then let me have potential to reach You)

اگر تو قریب ہے تو آنکھ دے کہ تجھ کو دیکھ سکوں۔

(If You are so near, then provide me such eyes that I can see You)

اگر تو میرے دل میں ہے تو برقی رَو بنا دے کہ اپنے آپ میں گھسوں اور تجھے پاؤں۔

(If You are in my heart, then let me go in through currents and find You)

اگر تو مل نہیں سکتا تو ہم کو یہ فطرتا طلب کیسی؟

(If I can't get you, then why I have this natural urge ?)

اگر خدا کا بندے سے ملنے کا قاعدہ نہیں تو میں اپنے سے بیزار ہوں ، مرنے کو تیار ہوں۔

(If there is no any custom to meet You and me, then I am disgusted and ready to die)

اگر میں جلوں گا تو میرا دھواں عرش تک پہنچے گا۔

(If I am burnt, then I have a chance to reach to the highest heaven as smoke)

خاک ہو جاؤں گا تو بگولہ بن کر اڑوں گا اور تیرے دامن تک پہنچ جاؤں گا۔

(If I am mixed with earth, then I become part of any whirlwind and could come to You)

مجھے صفحہ ہستی و وہمی سے محو و محق کردے ، طلس و طمس کردے ، تہس نہس کردے۔

(Let me be destroyed, let me be ruined)

نہ میں رہوں ، نہ یہ آفت سہوں۔

(I can no longer live apart with You, let me die)

بس بس! میں اسی میں شاد ہوں کہ مردہ رہوں اور میرا مقصود زندہ رہے۔

میں نابود رہوں ، میرا محبوب موجود رہے۔

(Yes...! I am glad that I do not exist any more, but my beloved **Lord** is there)

ٹوٹے یہ طلسمِ وہم میرا
آئینۂ دل بنے مصفا
فانی کا فنا ہی ہونا اولیٰ
باقی کی بقا ہے سب سے اعلیٰ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَآءِ کَمَا ھِیَ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ، وَاَلْحِقْنَا بِا لصّٰلِحِیْنَ.

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا. وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ .وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً . وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ.

﴾ حوالہ تفسیر صدیقی - پارہ 24 صفحہ 51 ، 52

کتابچہ صدائے معرفت حق ہے رازداں کے لئے صفحہ 8 ، 9 اور نظام العمل فقراء صفحہ 56 (تالیفات حسرتؒ) ﴾

سبحان ربك رب العزة عما يصفون ط

وسلام على المرسلين ط

والحمد لله رب العالمين ط

فہرستِ تصنیفات

بحر العلوم مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی حسرتؔ

شمار	نام کتاب	موضوع	شمار	نام کتاب	موضوع
1	تفسیر صدیقی	قرآن	21	نظام العمل فقراء	سلوک
2	الدین	حدیث	22	حقیقت معراج	معراج شریف
3	حکمت اسلامیہ	تصوف	23	نسیم عرفان	شاعری
4	مکاتیب عرفان	تصوف	24	معیار الحق	رباعیات
5	ترجمہ فصوص الحکم	تصوف	25	تحفۂ اطفال	منظوم
6	معیار الکلام	اصول کلام	26	زفرات الاشواق	عربی شاعری
7	المعارف	تصوف	27	فغانِ حسرتؔ	فارسی شاعری
8	مسئلہ عدم نسخ قرآن	قرآن	28	گلدستۂ صدیقی	متفرق شاعری
9	اعجاز القرآن	قرآن	29	کلیاتِ حسرتؔ	مجموعۂ کلام
10	قولِ فصل	حدیث	30	سماع	قوالی
11	مشاجرات صحابہ واختلاف ائمہ	حدیث وفقہ	31	دربارِ نبوت و آثارِ رسالت	شانِ رسالت
12	مرأة الصدیق	حضرت ابو بکرؓ	32	چار جنتیں	جنت
13	مرأة التوحید	تصوف	33	اسلامی حکومت	اسلام
14	صدائے معرفت حق	تصوف	34	صلائے عام ہے نکتہ دان کے لیے	متفرق
15	مرأة الحقائق	تصوف	35	ابلیس ازم	معاشرت
16	آیات بینات	مسلم اتحاد	36	الدین یسر	اسلام
17	وصیت و وراثت	ترکہ	37	خودی و انسان کامل	فلسفۂ خودی
18	حقیقت بیعت	بیعت	38	تفہیمات صدیقی	متفرق
19	اصول اسلام	اسلام	39	تفسیر لطیفی (برائے خواتین)	قرآن
20	اسلام سرمایہ داری واشتراکیت	مسئلہ سود	40	راتب صدیقی	وظائف

رابطے برائے تصنیفات

پاکستان : F - 02 عابد پلازہ ، گلشن اقبال بلاک 3 ، کراچی - 75300، پاکستان۔ فون : 92-21-4965747

ہندوستان : حسرت اکیڈمی پبلی کیشنز ، صدیق گلشن ، بہادر پورہ ، حیدر آباد دکن ۔ آندھرا پردیش 500264 بھارت

ای میل اور ویب ایڈریس : abdulahad@mail.com اور http://www.hasrat.com

حاصلات

تفسیرِ صدیقی

مفسّر:

بحر العلوم مولانا محمد عبد القدیر صدیقی حسرت رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب:

محمد عبد الاحد صدیقی